

سیرت

حضرت امیر معاویہ

رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہ



مولانا محمد نافع مدظلہ

دار الکتاب

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

(حصہ دوم)

الموسوم بہ

جواب المطاعن

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

جواب المطاعن

فہرست تمہید برائے جواب المطاعن

تمہید برائے جواب المطاعن

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على امام الرسل وخاتم النبيين وعلى ازواجه وبناته واله واصحابه واتباعه اجمعين

بندۂ ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ کی طرف سے یہ گزارش کی جاتی ہے کہ "سیرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ" کی تالیف کے بعد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لکھنے کا قصد کیا ہے۔ اس تالیف کے دو حصے تجویز کیے ہیں ایک حصہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات، سیرت، ان کے کردار و اخلاق اور ان کی اسلامی خدمات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حصہ موصوف پر تجویز کردہ اعتراضات اور وارد کردہ مطاعن کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ان کی سیرت کا حصہ علیحدہ مرتب کیا گیا ہے جب کہ جواب المطاعن کا حصہ الگ تجویز کیا گیا ہے۔ جواب المطاعن میں اکتالیس کے قریب مشہور مشہور اعتراضات و مطاعن کے جواب دیے گئے ہیں۔ (بعونہ تعالیٰ)

كتاب لو تامله الضرير۔ لعاد كريمتاه بلا ارتياب یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ اگر نابینا بھی اس پر غور کرے تو بے شک اس کی دونوں آنکھیں بینا ہو جائیں۔

ناظرین کرام کی خدمت میں اطلاعاً ذکر ہے کہ جوابات المطاعن پہلے مرتب کیے گئے ہیں جب کہ سیرت و سوانح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حصہ بعد میں ترتیب دیا گیا ہے۔

اب بطور تمہید کے چند امور پہلے ذکر کیے جاتے ہیں اس کے بعد مطاعن کے جوابات حسب استطاعت پیش خدمت ہوں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور صحبت نبوی کا شرف اور فضیلت

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور ان کے فضائل قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر موقع بہ موقع مذکور ہیں۔ مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلے کو قرآن نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا کہ علمائے کرام پر واضح ہے اور ان میں کوئی اچھے اور بڑے کی تقسیم نہیں ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی اس جماعت خیر کا شرف اور فضیلت بہت مواقع پر منقول ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے لیکن یہاں اثبات مسئلہ کے لیے بعض روایات پیش کی جاتی ہیں اور چند اقوال اکابرین ملت کے درج کیے جاتے ہیں، جن سے صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کا مقام فضیلت نمایاں طور پر ثابت ہے۔

① جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((لا تسبوا اصحابی ولو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفه۔ او کما ذکر فی الحدیث))[1]

''یعنی میرے اصحاب کے متعلق برائی سے کلام مت کرو۔ (ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے) کہ اگر تمھارا ایک آدمی احد پہاڑ کے برابر بھی زر کثیر (صدقہ) کرے تو ان کے ایک مد (قریباً ایک سیر کے) برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

اس ارشاد نبوی کے ذریعے سے بہ نسبت دیگر لوگوں کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور ان کا مقام واضح طریقہ سے ثابت ہے اور ان میں اس فضیلت کے باب میں آپس کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔

② ایک دوسرے مقام پر یعنی فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں شیخ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((اذا ذکر اصحابی فامسکوا))[2]

''یعنی جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو اپنی زبان کو (ان پر طعن سے) روک رکھو۔''

مطلب یہ ہے کہ ان کے مشاجرات و منازعات وغیرہ پر نظر نہ کرو اور جو چیزیں ان کے لائق شان نہیں ہیں ان کے ذکر سے بچو یہ لوگ امت کی بہترین شخصیات ہیں۔ ان کو خیر امت اور خیر القرون فرمایا گیا۔ (مناوی)

یہاں سے معلوم ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق طعن سے زبان کو روکنا واجب ہے جیسا کہ اوپر والی روایت میں بدگوئی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اسی طرح اس مقام پر طعن و تشنیع کرنے سے باز رکھا گیا ہے۔

تنبیہ

کبار علماء نے اس روایت کی تائید و تصدیق کے متعلق درج ذیل کلام کیا ہے جو اہل علم کے لیے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے:

((فقد روی ھذا الحدیث عن ثلثة من الصحابة واسانیده وان کان فیھا مقال کما ذکره فی فیض القدیر ولکنه اعتضد بتعدد الروایات فلذالك

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۵۵۳ باب مناقب الصحابہ فصل اول (متفق علیہ) طبع نور محمدی دہلی

[2] فیض القدیر (شیخ عبدالرؤف مناوی) ص ۳۴۷ ج ۱ بحوالہ طبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

رمز السیوطی علیه برمز الحسن وعد هذا الحدیث حسنا))[1]

③ مشہور صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کسی ایک مشہد یعنی جنگ کے موقع میں ایک مسلمان حاضر ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو، یہ شخص، اس شخص سے افضل ہے جو عمر نوح علیہ السلام پا کر نیک عمل کرتا رہے۔

یہ فضیلت سب صحابہ کو شامل ہے اس میں کسی ایک طبقے کی تخصیص نہیں۔

((قال والله لمشهد شهده رجل يغبر فيه وجهه مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمل احدكم ولو عمر عمر نوح علیہ السلام))[2]

④ اسی طرح جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ابن بطہ نے صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ (مخاطبین کو نصیحت کرتے ہوئے) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب وشتم مت کرو۔ کیونکہ ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ ان حضرات کا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ساعت کا قیام آپ لوگوں کے چالیس برس کے عمل سے بہتر ہے۔ اور وکیع رحمہ اللہ سے مروی روایت کے مطابق تمام عمر کی عبادت سے بہتر ہے۔

((وروى ابن بطة باسناد صحيح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه قال لا تسبوا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلمقام احدهم ساعة يعنى مع النبى صلی اللہ علیہ وسلم خير من عمل احدكم اربعين سنة وفى رواية وكيع خير من عبادة احدكم عمره هذا))[3]

⑤ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حین حیات میں ہی بعض لوگ بعض صحابہ کے متعلق بدگوئی کرنے لگے اور ان کی شان میں کوتاہی کرنے کے درپے ہوئے تو ان حالات کے پیش نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور عظمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق استغفار کرنے اور بخشش طلب کرنے کا حکم ہوا تھا مگر انھوں نے ان کے حق میں بدگوئی شروع کر دی ہے۔

((عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: امروا بالاستغفار لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فسبوهم))[4]

---

[1] احکام القرآن (مولانا مفتی محمد شفیع کراچوی) ص ۲۷۳ ج ۴ تحت بحث ان الصحابہ کلہم مغفورون ماجورون

[2] مسند امام احمد، ص ۱۸۷ ج ۱ تحت مسندات سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ۔

[3] شرح فقہ اکبر (ملا علی بن سلطان القاری) ص ۸۳ طبع مجتبائی کتاب الفضائل، تحت عنوان اہل السنۃ فی تسمیۃ معاویہ

[4] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۷۹ ج ۱۲ کتاب الفضائل طبع کراچی۔ قول صدیقہ مسلم شریف میں منقول ہے۔ ص ۴۲۱، ۴۵۰ تحت ابواب التفسیر طبع نور محمدی دہلی۔

الاعتقاد (بیہقی) ص ۳۲۳

شرح طحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ (صدر الدین) ص ۴۱۷، تحت قولہ ونحب اصحاب ..... الخ

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں طعن اور تشنیع کا حکم نہیں بلکہ ان حضرات کے حق میں استغفار کرنے کا حکم ہے اور ان کو نیکی کے ساتھ یاد کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کی روشنی میں علمائے کرام نے بعبارت ذیل عمدہ تشریح درج کی ہے جو اہل علم کی تسلی کے لیے بلفظہٖ ذکر کی جاتی ہے:

((وقال تعالیٰ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ ومحبة الشیء کراهة لضده، فیکون انه سبحانه یکره السب لهم الذی هو ضد الاستغفار، والبغض لهم الذی هو ضد الطهارة وهذا معنی قول عائشة رضی الله عنها: وامروا بالاستغفار لاصحاب محمد صلی الله علیه وسلم فسبوهم))[1] رواہ مسلم

بدزبانی اور بدگوئی کرنے والے کا حکم

اکابرین امت نے اس سلسلے میں اپنے بیانات واضح طور پر ذکر کیے ہیں کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بدزبانی یا بدگوئی کرے تو اس کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں برائی اور بغض ہے اور اس کا اسلام متہم ہے، وہ شخص قابل اعتماد نہیں بلکہ وہ قابل سزا اور مستوجب عقوبت ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ابوسفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم یہ تمام حضرات برگزیدہ صحابی ہیں صحابہ کرام کے متعلق احکامات سب بزرگوں کے حق میں یکساں ہیں پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بدگمانی کرنا اور سوء ظنی کرنا دین اسلام میں نہایت شنیع فعل ہے اور اس سے اس شخص کا اسلام مشکوک ہو جاتا ہے، اس کے ایمان کا شریعت میں کوئی وزن نہیں رہتا۔

① چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ سے فضل بن زیاد نے سنا کہ امام موصوف سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی تنقیص شان کرتا ہے کیا اس شخص کو رافضی کہا جائے؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات پر وہی شخص جرأت کر سکتا ہے جس کے اندر برائی پوشیدہ ہے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک صحابی کے ساتھ بھی جو شخص بغض رکھتا ہے اس کے باطن میں خباثت چھپی ہوئی ہے۔

((وقال الفضل بن زیاد سمعت ابا عبدالله یسأل عن رجل تنقص معاویة وعمرو بن العاص أیقال له رافضی؟ فقال انه لم یجترئ علیهما الا وله خبیئة سوء ما انتقص احد احدا من الصحابة الا وله داخلة سوء))[2]

---

[1] احکام القرآن از حضرت مفتی محمد شفیع کراچوی ص ۲۴۵ ج ۴ تحت بحث الصحابہ کلہم عدول۔

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۴۷ ج ۱۶ (قلمی عکس شدہ) تحت ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ، ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

② میمونی ذکر کرتے ہیں کہ مجھے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا اے ابوالحسن جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کو برائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اس کا اسلام متہم ہے اور اس کا ایمان مشکوک ہے۔

((وقال المیمونی قال لی احمد بن حنبل: یا ابا الحسن! اذا رأیت رجلا یذکر لاحد من الصحابة بسوء فاتهمه علی الاسلام))[1]

حسن ظن کا حکم

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اکابر علمائے امت نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور ان سے اعتراضات اور رذائل کی نفی کرنی چاہیے۔ یہ دین اسلام کی طرف سے ہمیں حکم ہے۔ اور اس باب میں اگر کوئی اعتراض پایا جائے اور اس کی کوئی تاویل کی گنجائش نہ مل سکے تو اس صورت میں اس روایت کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف غلط امر کا انتساب نہیں کیا جائے گا چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ مسلم شریف جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفی کل رذیلة عنهم، وانا انسدت الطرق (طرق تاویلها) نسبنا الکذب الی الرواة))[2]

ظاہر ہے کہ امر وجوب کے لیے ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ حسن ظن امت پر واجب ہے۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام بیان کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رذائل کی نفی کے سلسلے میں ہدایت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ

''پس زبان را از جفائے ایشاں باز باید داشت وہمہ را بہ نیکی بیاد باید کرد۔''[3]

③ اسی طرح علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''الناہیہ عن طعن معاویہ'' میں یہی ہدایت فرمائی ہے اور بہت عمدہ نصیحت کی ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ سلف صالحین، اہل حدیث اور اہل اصول (اہل فقہ) کا یہی مذہب ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے اسی پر ثابت قدمی کی التجا کرتے ہیں۔

---

1. ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۴۷ ج ۱۶ (قلمی عکس شدہ) تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ، ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
2. شرح مسلم شریف (نووی) ص ۹۰ ج ۲ بحوالہ مازری تحت کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفئی، طبع نور محمدی دہلی
3. مکتوبات امام ربانی ص ۸۴ دفتر اول حصہ دوم (طبع ثانی لاہور ۱۳۸۴ھ) آخر مکتوب (۸۰)

((فحسن الظن والتادب لجميعهم واجب على كل مسلم فهذا مذهب السلف الصالح واهل الحديث والاصول ونسأل الله الثبات عليه))[۱]

④ اسی سلسلے میں مشہور بزرگ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ:

ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کسی انسان کو کبھی تازیانے نہیں لگوائے مگر اپنے دور میں اس شخص کو جس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا، اس کو کوڑے لگوائے۔

اس واقعہ پر مندرجہ ذیل علماء کی عبارات پیش کی جاتی ہیں جس میں یہ واقعہ مذکور ہے:

((عن ابراهيم بن ميسرة قال بلغني ان عمر بن عبد العزيز ما جلد سوطا فی خلافته الا رجلا شتم معاوية عنده، فجلده ثلاثة اسواط))[۲]

اور اسی طرح البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے کہ

((وقال ابن المبارك عن محمد بن مسلم عن ابراهيم بن ميسرة قال ما رأيت عمر بن عبد العزيز ضرب انسانا قط الا انسانا شتم معاوية فانه ضربه اسواطا))[۳]

⑤ اور شمس الائمہ ابوبکر سرخسی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف اصول سرخسی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے والے شخص کے متعلق مندرجہ ذیل تصریح ذکر کی ہے:

فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مواضع پر صحابہ کرام کی ثنا اور وصف بیان فرمائی ہے جیسا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ ...الخ اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیر الناس فرمایا ہے اور یہ لوگ اس عہد کے خیر الناس ہیں جس دور میں میں ہوں۔ (الحدیث) اور اسلامی شریعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت اسلام کے ناقلین ہیں) اب جو شخص ان کے حق میں طعن وتشنیع کا مرتکب ہو وہ ملحد اور بے دین ہے اور اسلام کو پس پشت ڈال دینے والا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا علاج صرف تلوار ہے۔

((ان الله تعالىٰ اثنى عليهم فی غير موضع من كتابه كما قال تعالىٰ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ" الاية ورسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وصفهم بانهم خير الناس

---

[۱] الناہیہ عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پر ہاروی) ص۳۳ تحت فصل فی الاجوبہ عن مطاعنہ

[۲] الاستیعاب ص۳۸۳ ج۳ (مع الاصابہ) تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[۳] البدایہ والنہایہ، ص۱۳۹ ج۸ تحت ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

فقال: "خیر الناس قرنی الذین انا فیھم" والشریعة انما بلغتنا بنقلھم فمن طعن فیھم فھو ملحد منابذ للاسلام، دواءه السیف ان لم یتب))[1]

⑥ مندرجہ امور کی تائید میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کا ایک اہم حوالہ اس مسئلے پر ذکر کیا جاتا ہے ناظرین کرام ملاحظہ فرمالیں۔

لکھتے ہیں کہ یہ چہار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم خیر الناس ہیں ان حضرات میں سے کسی ایک کی بھی برائی ذکر کرنا کسی شخص کے لیے جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کا بھی عیب اور نقص بیان کرنا اور اس پر طعن قائم کرنا کسی کے لیے روا نہیں ہے۔ جو شخص یہ کام کرے اس کی تادیب کرنا اور اس کو سزا دینا واجب ہے۔ ایسے طعن کرنے والے شخص کو معاف نہ کیا جائے بلکہ اسے سزا میں ڈال دیا جائے، اگر وہ اس سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے اور اگر وہ توبہ کرنے سے اعراض کرے اور طعن کرنے پر جما رہے تو اس کو دوبارہ سخت سزا دی جائے اور حبس دوام میں ڈال دیا جائے، حتی کہ مر جائے یا رجوع اور توبہ کرلے۔

((ثم اصحاب رسول الله ﷺ بعد ھؤلاء الاربعة خیر الناس لا یجوز لاحد ان یذکر شیئا من مساویھم ولا یطعن علی احد منھم بعیب ولا نقص فمن فعل ذالك فقد وجب تادیبه وعقوبته لیس له ان یعفو عنه بل یعاقبه ویستتیبه فان تاب قبل منه وان ثبت اعاد علیه العقوبة وخلده فی الحبس حتی یموت او یراجع))[2]

مندرجات بالا سے درج ذیل چیزیں ثابت ہورہی ہیں:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم ہے اور سوء ظنی کرنے اور بدگمانی سے منع کیا گیا ہے۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں جو شخص بدکلامی کرے اور بدزبانی سے پیش آئے ایسے شخص کا اسلام مشکوک ہے اور وہ دین میں متہم ہے اور شریعت میں اس کے دین کا کچھ اعتبار نہیں۔

③ اسی طرح حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے متعلق تنقیص شان اور طعن کرنے والا شخص بدظنی کا شکار ہے اور اس کا دل برائی اور خباثت سے آلودہ ہے۔

④ حتیٰ کہ ایسے بدگو شخص کے لیے عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ حضرت امیر

---

[1] اصول السرخسی (ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی) ص ۱۳۴ ج ۲ تحت من طعن فی الصحابہ فہو ملحد ... طبع حیدرآباد۔

[2] الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ (ابن تیمیہ) ص ۵۷۳ طبع اول حیدرآباد، فصل فی ... سب اصحابہ ﷺ وسب اہل بیتہ

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدزبانی کرنے والے کو تازیانے لگوائے جاتے تھے تاکہ وہ آیندہ بدکلامی سے باز رہے۔

⑤ جو بھی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے حق میں نازیبا کلام کرے اور سب وشتم یا طعن وتشنیع کرے وہ سزا کے قابل ہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو حبس دوام میں ڈالا جائے تاکہ اسی حالت میں ہلاک ہو جائے۔

ایک تاریخی جائزہ

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت خلفائے راشدین وعشرہ مبشرہ کے بعد بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ خلافت کی صلح کے بعد ان کی خلافت کے دور میں اسلام کو بڑی ترقی ہوئی اور دین کو بہت فروغ نصیب ہوا اور دور دراز ممالک پر اسلام کا پرچم لہرایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لے کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح تک کے دور میں جو اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پھر پوری مستعدی کے ساتھ دوبارہ شروع ہوا اور دور دور تک اسلامی سلطنت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی حکومت کی حدود بخارا سے لے کر قیروان تک اور اقصائے یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیل چکی تھیں اور ان کے علاوہ حجاز، یمن، شام، مصر، عراق، الجزیرہ، آرمینیہ، فارس، خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت ہوئے۔[1] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بے شمار بری اور بحری فتوحات ہوئیں اور آپ کے ہاتھوں اقصائے عالم تک اسلام کا پرچم بلند ہوا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔

جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں حضرات صحابہ وتابعین کی مساعی جمیلہ سے اسلام کے احیا وابقا کا بہت بڑا کام ہوا۔ خلافت راشدہ کے دور کے بعد یہ دور اسلام کی ترقی کا بہترین دور ہے اور اس میں اسلام کے فروغ کی انتہائی کوششیں کی گئیں اور بحمد اللہ وہ بار آور ہوئیں اور اسلام ان ممالک پر غالب آ گیا اور فرمان خداوندی لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ کا بہترین نقشہ سامنے آ گیا۔

کثرت اعتراضات کے وجوہ

اس دور کے بعد بنو امیہ کے خلفاء وامراء یکے بعد دیگرے آتے رہے ہیں حتیٰ کہ ۱۳۲ھ بمطابق ۷۴۹ء میں بنی عباس کے ایک شخص ابو العباس سفاح نے بنی امیہ کی خلافت اور حکومت ختم کر کے بنو عباس کی حکومت قائم کر لی۔ ظاہر بات ہے کہ بنو عباس نے بنو امیہ کے اقتدار کو ختم کیا تھا اور خاندانی وقبائلی تعصبات

[1] کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۳۱ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ھ

کے تحت یہ لوگ بنو امیہ کے سخت خلاف تھے جیسا کہ بعد میں آنے والی حکومت پیشرو حکومت کے عموماً خلاف ہوتی ہے، اور ایک قوم کی حکومت کو ختم کر کے دوسری قوم کا غلبہ و اقتدار آتا ہے تو سابقہ حکومت کی خوبیوں کو بھی خرابیوں کے ساتھ بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کی اچھائیوں کو برائیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بہترین کارناموں کو فروتر شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور ان کے خلاف کئی قسم کے غلط صحیح الزامات لگائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں سابقہ حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے اور ان کے ساتھ بدظنی پھیلنے کے اسباب رونما ہوتے ہیں۔ گویا کہ سابق اقتدار میں یہ ایک قسم کی نظریاتی تفریق قائم ہو جاتی ہے اور پیش رو حکومت کے کار خیر کو بدنما شکل میں پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ دنیا میں قوموں کے معاشرے کا یہ ایک عام دستور چلا آ رہا ہے۔

نفسیاتی ضابطہ

اس فطری اور نفسیاتی ضابطے کے تحت یہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ بنو عباس کے دور (دوسری صدی ہجری) میں عموماً تاریخ کی تدوین کی ابتداء ہوئی اور مورخین نے عام طور پر تاریخی وقائع مرتب کرنے میں نظریات مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھا، اور وہ تاریخی واقعات جب مرتب کیے گئے تو ان کو عموماً ایسی شکل میں پیش کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی خوبیاں خرابیاں نظر آنے لگیں اور ان کے بہترین کارنامے عموماً داغدار کر کے ذکر کیے گئے اور ان کی اسلامی اور ملی خدمات کو غلط صورت میں دکھایا گیا اور آپ کے دور کے محاسن و مفاخر کو پس پشت ڈال کر ان میں معائب و نقائص کے پہلو پیدا کیے گئے اور ایسے واقعات تاریخ میں بھر دیے گئے جن سے امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر کئی قسم کے مطاعن قائم کیے جا سکیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمدہ کردار و اخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور ان کی کردار کشی کی پوری سعی کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کارناموں کو بدنما شکل میں دکھایا گیا۔

بعض مورخین نے اپنے دور کے حکام کی خوشنودی اور امراء کی رضامندی کو بھی پیش نظر رکھا اور ان کی نظروں میں اپنا مقام پیدا کرنے کی خاطر اپنی تصانیف میں مذکورہ طرز اختیار کیا اور اس طریقے سے انھوں نے اپنے معاشی و تمدنی حالات کو بھی مستحکم کیا۔ چنانچہ اس نہج پر تاریخ نویسی کے متعلق کئی واقعات ایسے دستیاب ہوتے ہیں جو مندرجہ بالا امور پر شاہد ہیں اور اس کے موید ہیں جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے کہ بنو عباس کے خلفاء کے دور حکومت میں عموماً تاریخ کی تدوین ہوئی اور عباسیوں نے خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے اور ان کے اعلیٰ مقام کو گرانے کے لیے علانیہ طور پر ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کو نظر انداز کر کے ایک مورخ کا صحیح واقعات پر قلم اٹھانا کوئی سہل کام نہیں تھا۔

مذکورہ بالا حقائق ہم نے مضمون نگاری کی خاطر تخیل کے درجے میں ہی ذکر نہیں کیے اس کی تائید میں

تاریخ میں واقعات پائے جاتے ہیں۔ قارئین کے اطمینان کی خاطر ذیل میں تاریخ سے چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں جو مسئلہ ہذا کے ثبوت میں ایک قوی دلیل ہیں:

① جس وقت ابوالعباس سفاح نے بنوامیہ کے آخری فرماں روا خلیفہ مروان بن محمد بن مروان وغیرہ کو قتل کروا دیا تو اس موقع پر مورخین نے لکھا ہے کہ ابوالعباس سفاح کی افواج کا امیر عبداللہ بن علی دمشق شہر میں تیغ برہنہ کے ساتھ داخل ہوا اس نے شہر میں قتل و غارت تین ساعات کے لیے مباح قرار دے دیا۔ شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے اصطبل کے طور پر ستر دن تک استعمال میں رکھا۔

اس چیز کو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالے سے بنی امیہ کے آخری خلیفہ (مروان بن محمد بن مروان) کے مقتل کے تحت عباسیوں کے مظالم ذکر کرتے ہوئے دمشق کے احوال میں لکھا ہے کہ

((وذکر فی ترجمة محمد بن سليمان بن عبدالله النوفلی قال کنت مع عبدالله بن علی اول ما دخل دمشق دخلها بالسيف واباح القتل فيها ثلاث ساعات وجعل جامعها سبعين يوما "اصطبلا" لدوابه وجماله...... الخ))

مزید برآں عباسیوں نے بنوامیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لیے اکابر بنوامیہ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، عبدالملک بن مروان، ہشام بن عبدالملک وغیرہم کی قبور کو اکھیڑ ڈالا اور ان کی بے حرمتی کی۔ چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ

((ثم نبش قبور بنی امية...... الخ))

مورخین نے لکھا ہے کہ ان حالات میں عبداللہ بن علی مذکور نے خلفائے بنوامیہ کی اولاد اور ان کے حامیوں کو تلاش کر کے ایک ہی دن میں سینکڑوں افراد کو قتل کروا دیا۔ یہ چیز البدایہ لابن کثیر میں مذکور ہے کہ

((ثم تتبع عبدالله بن علی بن امية من اولاد الخلفاء وغيرهم فقتل منهم فی يوم واحد اثنين وتسعين الفا عند نهر بالرملة...... الخ))

مذکورہ بالا حالات و واقعات سے واضح ہے کہ جس دور میں اسلامی تاریخ کی تدوین کی ابتدا ہو رہی تھی اس دور میں مخالفین کی طرف سے بنوامیہ کے ساتھ عداوت اور مخالفت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور ان کے قابل ذکر اشخاص و افراد کو چن چن کر ختم کر دیا تھا۔ ان حالات میں مورخین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حالات کو کسی صحیح نہج پر کیسے تحریر کر سکتے تھے؟ اور ان کے عہد کی شاندار خدمات وہ کس طرح زیر قلم لا سکتے تھے؟

② اسی طرح حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی متعدد تصانیف میں مامون الرشید (عباسی خلیفہ) کے عہد کا ایک

دیگر واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

① ((وفیها (۲۱۱ھ) اظهر المامون التشیع وامر ان یقال خیر الخلق بعد النبی ﷺ علی رضی اللہ عنہ وامر بالنداء ان براءت الذمته ممن ذکر معاویة بخیر)) [1]

② ((وفیها (۲۱۱ھ) امر المامون فنودی براءة الذمته ممن ذکر معاویة بخیر وان افضل الخلق بعد النبی ﷺ علی رضی اللہ عنہ))

ان ہر دو عبارات کا مطلب یہ ہے کہ ۲۱۱ھ میں مامون الرشید عباسی خلیفہ نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور اس نے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ نبی اقدس ﷺ کے بعد خیر الخلائق علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور اس امر کی منادی کرائی کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کے حق میں کلمات خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں)

تائید از شیعہ

اس واقعہ کی تائید شیعہ کے مشہور مورخ مسعودی نے اپنی تصنیف ''مروج الذہب'' میں مامون کے حالات کے تحت بالفاظ ذیل درج کی ہے:

((وفی سنة اثنتی عشرة ومائتین نادی منادی المامون براءة الذمته من احد من الناس ذکر معاویة بخیر او قدمه (علی احد) من اصحاب رسول الله ﷺ)) [2]

''یعنی ۲۱۲ھ میں مامون نے منادی کرائی کہ جو شخص بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیر کے ساتھ ذکر کرے گا یا اس کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا اس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے (اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار نہیں)۔''

علامہ شبلی رحمہ اللہ کی طرف سے تائید

قریبی دور کے ایک مشہور مورخ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''الانتقاد علیٰ تمدن الاسلامی'' میں اسلامی تاریخ کی تدوین پر ایک بہترین جائزہ ذکر کیا ہے جس سے ہمارے مضمون بالا کی تائید وتصدیق ہوتی ہے:

((ثم ان هناك امر اخر وهو ان المؤرخین بامرهم کانوا فی عصر بنی العباس

---

[1] دول الاسلام (ذہبی) ص ۹۴ تحت سنہ ۲۱۱ھ

العبر فی خبر من غبر (ذہبی) ا ص ۳۹۵ ج ۱ تحت سنہ ۲۱۱ھ مطبوعہ کویت

[2] مروج الذہب (مسعودی شیعی) ص ۴۰ ج ۴ تحت نداء المامون فی معاویہ (ذکر ایام المامون)

ومن المعلوم انه لم يكن يستطيع احد ان يذكر محاسن بنى امية فى دولة العباسيين فاذا صدر من احد شىء من ذالك فلتة كان يقاسى قائلها انواعا من الهتك والايذاء وخامة العاقبة وكم لنا من امثال هذه فى اسفار التاريخ))

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے مورخین عموماً بنی عباس کے عہد میں ہوئے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ عباسیوں کے عہد میں بنوامیہ کے محاسن ذکر کرنے کی کسی شخص میں استطاعت نہیں تھی کیونکہ اگر کسی سے بنوامیہ کی خوبی کی کوئی چیز اتفاقاً صادر ہو جاتی تو اس کے قائل کو کئی قسم کی ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا اور ہتک عزت کے علاوہ ناموافق انجام سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ دفتر تاریخ میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔''

ظاہر بات ہے کہ اس نوع کے سرکاری اعلانات اور متشددانہ عملی اقدامات کے بعد تاریخ مرتب کرنے والوں نے جو تواریخ مدون کی ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں معائب، نقائص اور مطاعن ہی درج کریں گے۔ ان سے آں موصوف کے فضائل ومحامد اور ملّی خدمات کے بیان کی امید رکھنا عبث ہے۔ الا ماشاء اللہ اگر کوئی مورخ ان فرامین شاہی سے متاثر نہ ہوا ہو اور وہ بہت قلیل اور شاذ کے درجہ میں ہوگا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے قارئین کو مطالعہ تاریخ کے وقت پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان کوائف وحالات کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تاریخی مواد میں کثرت سے اعتراضات پائے گئے اور معاندین صحابہ نے انھیں اپنے ذوق کے مطابق خوب نشر کیا اور اس مواد کو عوام میں پھیلا کر آں موصوف کی کردار کشی کی۔

تاریخ کے راویوں کا نظریاتی کردار

تاریخی واقعات کو نقل کرنے والے رواۃ میں مختلف نظریات اور رجحانات کے حامل لوگ ہوتے تھے بعض راوی خارجی اور بعض رافضی وغیرہ ذہن رکھتے تھے اور اسی طرح ناقلین واقعہ میں کئی قسم کے اپنے رجحانات پائے جاتے تھے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ روایت کو نقل کرنے میں راوی کے ذہن اور رجحانات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ اور واقعہ کو بیان کرنے میں معبر کی تعبیر بڑی اثر انداز ہوتی ہے۔ بات کچھ ہوتی ہے اور اس بات کے نقل کرنے والے کے الفاظ اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں، بالخصوص جب کہ روایت بالمعنی کی انھیں عام اجازت ہو۔ تاریخ کے ناقلین ان حالات میں حقیقت واقعہ کو نظر انداز کر کے اس میں اپنی روایات چلا دیتے ہیں اس وجہ سے بھی بہت سے اعتراضات کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور کئی مطاعن رونما ہو جاتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مورخین نے اپنے غیر محتاط رویے کی وجہ سے بہت

کچھ مواد تاریخ میں ذکر کر دیا جس سے مخالفین نے مطاعن پیدا کر لیے اور یہ چیزیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کثرت اعتراضات کا باعث ہوئیں۔

بعض قواعد وضوابط

طعن اور دفع طعن کے باب میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی صحیح روایت سے طعن پیش کیا جائے جو اصول روایات کے اعتبار سے قابل قبول ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے گا اور جس طعن کی روایت قواعد فن کے اعتبار سے قابل رد اور نا قابل اعتماد ہو اس سے پیدا کردہ الزام قابل سماعت نہیں ہوتا اور حسب ضابطہ اس کا جواب دینا ہمارے ذمہ نہیں۔ چنانچہ اکابر علماء فرماتے ہیں کہ

((فترد کل من روایات التاریخ ما یعود منها علی شین وعیب فی بعض اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم))[1]

''یعنی وہ تاریخی روایات جن میں سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عیب اور طعن پیدا کیا جاتا ہے وہ روایات قابل رد ہیں اور قبول کے لائق نہیں۔''

مزید برآں یہ چیز علمائے کرام نے اس موقع میں تصریحاً ذکر کر دی ہے کہ جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصول شرعی کے معارض ہوں ان کے متعلق یقین کیجیے کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے رواۃ کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو روایت حس اور مشاہدات کے خلاف پائی جائے اور کتاب وسنت کی نصوص متواترہ کے متباین ہو اور اجماع قطعی کے برخلاف پائی جائے ایسی صورتوں میں بھی وہ روایت قبول نہیں کی جاتی۔

چنانچہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے شرح الفیۃ الحدیث (عراقی) میں بعبارت ذیل یہ تصریحات ذکر کی ہیں:

((وکل حدیث رأیته یخالفه العقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا یتکلف اعتباره ای لا تعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم او یکون مما یدفعه الحس والمشاهدة او مباینا لنص الکتاب او السنة المتواترة او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیء من ذالك التاویل))[2]

مزید برآں کبار علمائے امت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کی متعلقہ احادیث کذب محض ہیں اور ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ چنانچہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المنار المنیف'' میں تحریر کیا ہے کہ:

---

[1] احکام القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کراچوی ص ۲۷۴ ج ۳ تحت بحث خاتمۃ الکلام فی مشاجرات الصحابہ

[2] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث (عراقی) تالیف علامہ سخاوی ص ۲۴۹ - ۲۵۰ ج ا طبع مدینہ منورہ تحت عنوان الموضوع

((ومن ذالك الاحاديث فى ذم معاوية رضي الله عنه...... وكل حديث فى ذمه فهو كذب))[1]

پس مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور تنقیص شان بیان کرنے والی روایات ناقابل اعتماد ہیں اور التفات کے ہرگز لائق نہیں۔

ایک اصول

اکابرین اہل سنت والجماعت کی عقائد اور قواعد کی کتابوں میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ذات بابرکات معصوم ہے اور یہ ان کا خاصہ ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے ماسوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابرین امت معصوم نہیں، ان سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔

((فان العصمة عن الخطاء مطلقا من خواص الانبياء ولا توجد فى الصحابة فضلا عن الاولياء))[2]

لیکن علمائے دین نے یہاں لکھا ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور اس کی تاویل ممکن ہو تو وہ تاویل کی جائے گی اور اگر تاویل ممکن نہ ہو تو روایت کو رد کرنا لازم ہوگا اور غلطی سے سکوت واجب ہوگا اور طعن کرنے سے بالیقین اجتناب کیا جائے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

((وان صدر عن احد من الصحابة ما لا يليق فلا يبعد عن الامكان ولما تشاجروا وقع بينهم التساب والتحارب وامور يتوحش المتامل فيها الا ان مذهبنا اهل السنة والجماعة هو بذل الجهد فى تاويلها واذا لم يمكن التاويل وجب رد الرواية و وجب السكوت وترك الطعن للقطع بان الحق سبحانه وعدهم المغفرة والحسنى))[3]

مذکورہ بالا اصول اور قواعد کے تحت جواب المطاعن میں کلام کیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدم معصومیت تسلیم کر لینے کے بعد یہ چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔

اگر ان سے فروگزاشتیں ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کے سامان کر دیے ہیں اور ان سے مغفرت کر دیئے اور جنت عطا فرمانے کے وعدے بھی فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے صادق ہیں اور وہ

---

[1] المنار المنیف فی الصحیح والضعیف (ابن قیم) ص ۱۱۷ فصل نمبر ۳۷ طبع حلب

[2] الرفع والتکمیل (مولانا عبدالحئی لکھنوی) ص ۱۷۱ تحت تذنیب نبیہ، طبع حلب

[3] الناہیہ عن طعن معاویہ، مولانا عبدالعزیز پرہاروی ص ۳۳ تحت فصل فی الاجوبہ عن مطاعنہ

یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ لیکن اسلامی قواعد کی رو سے ہم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے دفاع کرنا لازم ہے۔ اسی بنا پر ہماری یہ کوششیں جاری ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے مطاعن و اعتراضات کے جوابات اس سلسلے میں مرتب کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔

طاعنین کے اصناف

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سوء ظنی اور تنفر رکھنے والے کئی لوگ ہیں اور بدگمانی پھیلانے والے کئی طبقات ہیں:

① ان میں سے اپنے آپ کو شیعہ کہلانے والے (روافض) تو زمانہ قدیم سے ہی بدظنی کا شکار ہیں اور ان کی تمام مساعی کیا بلکہ تمام زندگی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور ان کی تنقیص شان میں صرف ہوتی ہے اور یہی ان کا محبوب مشغلہ ہے اور محاسبہ آخرت کا ان کو کچھ خوف نہیں۔

② اور بعض گروہ ایسے ہیں جو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت رکھتے ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنا اور ان سے سوء ظن رکھنا اہل بیت النبی کی محبت کا تکملہ اور تتمہ سمجھتے ہیں۔

مگر درحقیقت یہ چیز اہل سنت والجماعت کے مسلک اعتدال کے برخلاف ہے اور یہ طریق کار مسلک اہل سنت کے لیے ضرر رساں ہے اور اس اسلوب سے فرقہ ہائے شیعہ کے نظریات کی تائید ہوتی ہے جو دین کے تقاضوں کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ بھی صحیح نہیں اور بالکل غلط ہے۔

③ اور بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ظاہر روایات پر نظر کرنے کی وجہ سے ان پر طعن قائم کرتے ہیں اور بوجہ ظاہریت کے روایت کی تاویل اور اس کے صحیح مفہوم اور محمل تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ بھی سوء ظنی کا شکار ہیں اور اپنی کم فہمی کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

④ اور اس دور میں بعض طبقے ایسے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان اور عیب چینی کرنے میں تمام تر قوتیں صرف کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اہل السنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں یہ گروہ بڑے خطرناک ہیں اور اہل اسلام میں رخنہ ڈالنے والے ہیں اور گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت بخشے اور تمام صحابہ کرام اور اولادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نصیب فرمائے اور ان سے حسن ظن رکھنے کی ہمیں توفیق عنایت فرمائے اور سوء ظنی و بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین!

ان تمہیدی اور اصولی امور کے بعد ہم امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف وارد کیے گئے مطاعن کے جوابات پیش کرتے ہیں۔ یہ جوابات ان ہی مطاعن سے متعلق ہیں جو ہمارے سامنے مختلف طریق

سے آئے ہیں۔ تمام مطاعن کے جوابات کا دعویٰ نہیں۔ اللہ کریم ہماری یہ کوشش منظور و مقبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کی ہدایت کا باعث بنائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی رفع کرنے کا سبب قرار دے۔

ایک معذرت

مولف ناچیز ایک بہت کم علم آدمی ہے اور اس طریق کا ادنیٰ خادم ہے۔ بندہ نے کم و بیش اکتالیس مطاعن کے جوابات پیش کیے ہیں ان میں اپنی معلومات کی حد تک جواب باصواب کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ کوئی حرف آخر نہیں۔ اگر ان میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو علمائے کرام اور فاضلان عظام اس کی اصلاح فرمائیں اور مزید جوابات مرتب کر کے سعادت دارین حاصل کریں اور دفاع عن الصحابہ کا فریضہ ادا کریں۔ اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دفاع کرنا اور ان کے مقام و مرتبہ کی حفاظت کرنا نہایت اہم دینی کام ہے جو قیامت میں اجر کثیر کا موجب ہوگا۔

نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جتنے مطاعن کے جوابات پیش کیے گئے ہیں ان میں ترتیب زمانی صحیح طور پر قائم نہیں کی جا سکی۔ کیونکہ یہ امر نہایت دشوار ہے اور عادتاً مشکل ہے۔ پس کیف ما اتفق ان کو پیش کر دیا گیا ہے۔ ناظرین کرام (اہل انصاف) سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (سورۃالحدید)

''اللہ تعالیٰ نے (صحابہ میں سے) ہرایک سے حسنیٰ (جنت) کا وعدہ فرمایا ہے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (سورۃالانبیاء)

''بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے ہماری جانب سے الحسنیٰ (جنت) کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور ہوں گے۔''

جواب المطاعن

تالیف حضرت مولانا محمد نافع (محمدی شریف ضلع جھنگ)

اس پیشکش میں جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر وارد کردہ قدیم و جدید مطاعن اور وضع کردہ اعتراضات کا مسکت جواب پیش کیا گیا ہے اور حتی الوسع مجادلانہ و مناظرانہ نوک جھونک اور عبارتی گرفت سے اجتناب کرتے ہوئے تحقیقی انداز میں معلومات پیش کی ہیں اور دفاع عن الصحابہ کا فریضہ ادا کیا ہے۔ یہ تالیف بہ نظر انصاف ملاحظہ کرنے سے بہت سودمند ثابت ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور بہت سے شبہات کے ازالہ کا باعث بنے گی...... (بعونہ تعالیٰ)

فہرست جواب المطاعن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کردہ اعتراضات کے جوابات

روایت ''الفئۃ الباغیہ'' کے متعلقات

قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کے مباحث صفین میں بقدرِ ضرورت اس روایت کے مفہوم اور محمل کے متعلقات بیان ہو چکے ہیں۔ اب اس مقام پر کچھ بقایا چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جو مقام کے اعتبار سے نہایت سودمند ہیں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائے مسجد نبوی کے موقع پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا:

((ویح عمار! تقتلك الفئة الباغية))

اور بعض مقام پر صیغہ غائب کے ساتھ یہی کلام مذکور ہے یعنی تقتله الضيئة الباغية (او کما ذکر فی الحدیث) اس کا مطلب یہ ہے کہ (عمار کو) ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

روایت ہذا کے بعض طرق میں بعض مقامات پر اس طرح کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں کہ:

اول: ((يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار))

''یعنی (عمار) ان کو جنت کی طرف بلاتا ہے اور وہ (لوگ) اسے آگ کی طرف بلاتے ہیں۔''

پھر اس سے آگے بعض مقامات پر الفاظ ذیل کا اضافہ بھی پایا گیا ہے:

دوم: ((لا انا لها الله شفاعتی يوم القيامة))

''یعنی یہ لوگ قیامت کے دن میری شفاعت نہیں پا سکیں گے۔''

معترض لوگ روایت ہذا اور اس کے ان اضافہ جات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت پر باغی ہونے کے طعن کے ساتھ ساتھ ان کے جہنمی ہونے اور شفاعت سے محروم ہونے کا طعن تجویز کرتے ہیں...... مطلب یہ ہے کہ معترضین کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باغی ہے اور جہنم کی مستحق اور شفاعت سے محروم ہے۔

جن حضرات کی شیعہ کتب کے مباحث مطاعن پر نظر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس مسئلے میں روایت ہذا ان کے نزدیک مدارِ طعن اور محورِ اعتراض ہے۔

جواب

مذکورہ اعتراض کے جواب میں اس موقع پر چند امور پیش کیے جاتے ہیں بشرط انصاف ان پر نظر غائر

فرمانے کے بعد اعتراض کا ازالہ ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

❶ روایت ہذا میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیش گوئی کا ذکر خیر ہے جو اپنے مقام پر درست اور صحیح ہے۔ جمہور محدثین نے روایت ہذا کی صحت کا قول کیا ہے۔ اور اصل روایت کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اس روایت کی عدم صحت کا قول کرتے ہیں مگر یہ چیز درست نہیں اور جمہور محدثین کا موقف یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

❷ روایت بالا کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دراصل روایت ہذا دو طرح پر منقول ہے:

اس کی ایک شکل تو وہ ہے جو عام طور پر مروی ہے اور بخاری شریف وغیرہ میں ہے یعنی بنائے مسجد نبوی کے وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا کہ

((ویح عمار! تقتلك الفئة الباغية)).

اور اس کی دوسری صورت وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ صغیر میں ذکر کی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ

((قال سعد بن عامر القرظی قال حدثتنی ام عمار (حاضنة لعمار) قالت اشتکی عمار قال لا اموت فی مرضی حدثنی حبیبی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انی لا اموت الا قتلا بین فئتین مؤمنین))[1]

''یعنی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حضانت ونگہداشت کرنے والی خاتون کہتی ہیں کہ ایک بار عمار رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے (ہم لوگ ان کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے) تو عمار رضی اللہ عنہ کہنے لگے (پریشان نہ ہوں) اس بیماری میں میری موت نہیں آئے گی۔ وجہ یہ ہے کہ میرے حق میں میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ ایمانداروں کی دو جماعتوں کے درمیان میں مقتول ہوں گا اور اس صورت میں میری موت واقع ہو گی۔''

اس روایت کی روشنی میں ذیل اشیاء ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی موت قتل کی صورت میں ہو گی یعنی بستر پر موت نہیں آئے گی۔

۲۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی موت مومنین کی دو جماعتوں کے درمیان واقع ہو گی۔

۳۔ یہ دونوں جماعتیں ایماندار ہوں گی بے ایمان نہیں ہوں گی۔

۴۔ ان دو جماعتوں کا باہم تنازع یا مابہ الاختلاف کا معاملہ ایسا نہیں ہو گا کہ ان کو ایمان سے خارج کر

[1] تاریخ صغیر (امام بخاری) ص ۴۲ تحت من مات بعد عثمان فی خلافۃ علی

ڈالے اور یہ دینی حدود سے متجاوز ہو جائیں بلکہ وہ مجتہد فیہ مسئلہ کے درجے میں ہوگا۔

اصل روایت کی صحت مسلم ہونے اور اس کی دوسری شکل پیش کر دینے کے بعد یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ رواۃ اور ناقلین کی طرف سے روایت کی پہلی شکل میں ادراجات اور اضافے پائے گئے ہیں، اور یہ تمام ظن راوی ہے اصل روایت کا حصہ نہیں، اور مدار طعن یہی کلمات ہیں، ان کی وجہ سے طاعنین نے طعن پیدا کر لیے ہیں۔ ان کی نشاندہی کر دینے سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے اور قابل اشکال نہیں رہتا۔

یہ کلمات (يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار) صرف راوی عکرمہ نے نقل کیے ہیں۔ اس روایت کے نقل کرنے والے دوسرے راوی ان کلمات کو نہیں ذکر کرتے۔ یہ الفاظ صرف عکرمہ سے مروی روایات میں ہی پائے جاتے ہیں۔

بندہ کی ایک خام جستجو کے مطابق یہ روایت قریباً بیس سے زائد مصنفین[1] نے نقل کی ہے اور ان میں

---

[1] اہل علم کی تسلی کے لیے ان تصانیف کا ذکر کر دینا مفید سمجھا گیا ہے جن میں روایت ''الفئة الباغية'' نقل کی گئی ہے لیکن ان مقامات پر "يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار" اور کلمہ "لا انا لها الله شفاعتي يوم القيامة" وغیرہ میں سے کوئی ایک کلمہ بھی نہیں پایا گیا:

1. مسلم شریف ج ۲ کتاب الفتن باب اشراط الساعۃ (دو بار)
2. ترمذی شریف ابواب المناقب (مناقب عمارؓ)
3. خصاص علی (امام نسائی) (متعدد بار مروی ہے)
4. مصنف عبدالرزاق ج ۱۱
5. صحیح ابن حبان ج ۸، ۹ (متعدد بار)
6. مسند ابوداؤد طیالسی تحت احادیث زید بن ثابتؓ
7. مصنف ابن ابی شیبہ جلد ج ۱۵، کتاب الجمل، باب ما ذکر فی الصفین (دو بار)
8. مسند امام احمد ج ۲، ۳، ۴، ۵، ۶

ان مقامات پر صرف ایک روایت جو عکرمہ کے ذریعے سے مروی ہے اس میں (يدعوهم ..... الخ) کا اضافہ پایا گیا ہے باقی مقامات پر دستیاب نہیں ہوا۔

9. مستدرک حاکم ج ۳، ابواب فضائل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)
10. طبقات ابن سعد ج ۳ تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)
11. دلائل النبوۃ (بیہقی) ج ۲ (تین بار)
12. کتاب الاعتقاد علی مذہب السلف (بیہقی) ص ۳۷۴-۳۷۵ طبع بیروت (۲ عدد روایت)
13. شرح السنہ (بغوی) ج ۱۴ باب مناقب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
14. مجمع الزوائد (ہیثمی) ج ۹ باب فضل عمار (بحوالہ ابی یعلی، بزار، طبرانی) (متعدد بار)

←

سے بعض تصانیف میں روایت ہذا متعدد اسانید سے مروی ہے۔ حتی المقدور جستجو کر کے یہ چیز ان کتب سے اصل ماخذ ملاحظہ کرنے کے بعد پیش کی جا رہی ہے۔ اس تحقیق کو نقل در نقل پر محمول نہ کر لیا جائے۔ نیز یہ چیز بھی ملحوظ رہے کہ یہاں ہمارا کلام اس مسئلہ میں مرفوع و متصل روایات کے متعلق ہے اور جو روایات غیر مرفوع اور مرسل یا غیر متصل ہیں یہ بحث ان کے اعتبار سے نہیں کی جا رہی ہے۔

مندرجہ بالا مرویات میں سے قریباً دو تین اسانید جو عکرمہ عن ابن عباس منقول ہیں صرف ان میں یہ کلمات پائے گئے ہیں۔ بندہ کی ایک ناقص تلاش کے مطابق ان کے ما سوا کسی صحیح مرفوع و متصل روایت میں کلمات ہذا دستیاب نہیں ہو سکے جس میں عکرمہ راوی نہ ہو۔ تا حال یہی تحقیق ہے۔ والعلم عند اللہ۔ بنا بریں یہ واضح کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ کلمات (یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار) عکرمہ کی طرف سے ادراج فی الروایہ ہیں اور یہ اضافہ ظن راوی کے درجے میں ہے اور صرف اس کی طرف سے یہ کلمات اضافہ کیے گئے ہیں۔ یہ مرفوع اور متصل روایت کا حصہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد عکرمہ کے متعلق چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو اس ادراج کا پس منظر واضح کرنے میں ممد و معاون ہو سکتی ہیں:

① عکرمہ مولیٰ ابن عباس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا غلام اور شاگرد ہے اور اس کا اصل نام ابو عبداللہ عکرمہ البربری المدنی مولیٰ ابن عباس ہے۔

② عکرمہ کے متعلق علمائے رجال نے توثیق بیان کی ہے اور اس کی وثاقت اور عدالت کو کامل طور پر ذکر کیا ہے (جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے) اور یہ کوئی مخفی امر نہیں ہے۔

③ اس کے باوجود علمائے رجال نے مندرجہ ذیل چیزیں بھی عکرمہ کے بارے میں نقل کی ہیں:

الف: ((قال ابوخلف الخزار عن یحیی البکاء سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول لنافع اتق الله ویحك یا نافع ولا تکذب علی کما کذب عکرمة علی ابن

←

[۱۵] تاریخ ابن جریر طبری ج ۶ تحت مقتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

[۱۶] تاریخ ابن جریر طبری ج ۱۳ تحت من مات اوقتل فی سنہ ۳۷ھ

[۱۷] حلیۃ الاولیاء (ابونعیم) ج ۴ تحت عبداللہ بن ابی ہذیل (تین بار)

[۱۸] حلیۃ الاولیاء (ابونعیم) ج ۷ تحت شعبہ بن حجاج (متعدد بار)

[۱۹] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۲، ۵، ۱۱ (متعدد بار)

[۲۰] کنز العمال (متقی الہندی) ج ۶، باب صفین، فضائل عمار رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

[۲۱] کنز العمال، متقی الہندی ج ۷ کتاب الفضائل تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

[۲۲] تاریخ ابن عساکر ج ۱۲ ص ۶۳۴ (مخطوطہ قلمی) تحت تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

عباس))[1]

ب: ((عن سعيد بن المسيب انه كان يقول لغلامه برد: يا برد لا تكذب على كما يكذب عكرمة على ابن عباس))[2]

ج: ((على بن عبدالله بن عباس ...... انه قال عكرمة يكذب على ابى))[3]

د: ((قال على بن المدينى كان عكرمة يرى راى نجدة الحرورى))[4]

ھ: ((ولكنه كان يرى راى الخوارج راى الصفرية))[5]

و: ((قال وكان عكرمة يرى رأى الاباضية))[6] (فرقة من الخوارج تنسب الى عبدالله بن اباض)

ز: ((عكرمة مولى ابن عباس من اوعية العلم تكلموا فيه لراية لا لحفظه اتهم براى الخوارج وثقه غير واحد ...... الخ))[7]

ح: ((قال يحيى وبلغنا عن عكرمة انه كان لا يقول هذا (اى قول الخوارج) و هذا باطل))[8]

مندرجہ بالا چند امور جو عکرمہ کے متعلق پیش کیے ہیں ان سے مقصد یہ ہے کہ عکرمہ ذاتی طور پر اباضیہ صفریہ اور نجدہ حروری کی رائے رکھتا تھا۔ اور یہ لوگ جس طرح نظریاتی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے بھی فکری اور نظری طور پر مخالف تھے۔ ان کو تاریخ میں خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان حالات کے اعتبار سے اگر عکرمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ اور ان کی جماعت کے

---

۱ تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما

۲ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۵ ج ۲ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما
تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما

۳ تہذیب التہذیب ص ۲۷۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما

۴ کتاب المعرفہ والتاریخ ص ۷ ج ۲ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما

۵ الکامل (ابن عدی) ص ۱۹۰۵ ج ۱ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما
طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ (طبع لیڈن) تحت عکرمہ

۶ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۱۲ ج ۲ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما

۷ المغنی فی الضعفاء (ذہبی) ص ۴۳۸ ج ۲ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما

۸ التاریخ (یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ) ص ۴۱۲ ج ۲، ص ۱۰۶ ج ۳

خلاف کوئی بات اپنی طرف سے روایت میں درج کرے تو یہ ممکن ہے۔ یہ چیز ادراج شمار ہوگی، افترا نہیں۔ اور ہم اسے بھی ایک احتمال کے درجے میں ذکر کر رہے ہیں۔

④ اس مقام پر یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ مذکورہ کلمات نقل کرنے میں عکرمہ کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اسے ادراج نہ کہتے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس راوی کا روایت کے متعلق متابع نہ پایا جائے وہ قابل تسلیم نہیں سمجھی جاتی اور اس پر کامل اعتماد نہیں ہوتا۔ اس بنا پر یہ مدرج کلمات لائق اعتبار نہیں ہیں۔

علیٰ سبیل التنزل

اگر اس نقد سے قطع نظر کر لی جائے تو علمائے کرام نے ان کلمات کے محمل کے لیے متعدد توجیہات ذکر کی ہیں:

① عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اسلام کے ابتدائی دور میں کفار کی طرف سے ایذا رسانی کی جاتی تھی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اسلام ترک کرنے پر مجبور اور مقہور کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود آپ توحید اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس ابتدائی اور آزمائشی دور میں بعض دفعہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

①((فان رسول الله ﷺ قال لعبت قريش بعمار "ما لهم ولعمار؟ عمار يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار))[1]

''یعنی اس حال میں کہ قوم قریش عمار کے ساتھ ایذا رسانی کرتے ہوئے کھیل بناتے تھے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لیے اور عمار کے لیے کیا ہے؟ عمار ان کو جنت کی طرف دعوت دیتا ہے اور یہ لوگ اسے دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔''

② اور بعض جگہ اسی روایت کے آخر میں مزید یہ کلمات بھی پائے جاتے ہیں وذالك داب الاشقياء الفجار[2]

''یعنی یہ فاجر اور شقی لوگوں کا طریقہ ہے جو انھوں نے اختیار کر رکھا ہے۔''

اسی مفہوم کو صاحب فیض الباری الشیخ الکبیر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل عبارت میں بیان کیا ہے۔

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۸ ج ۷ تحت بحث صفین
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۶۲۶ ج ۱۲ تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

[2] فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۸۵۸ ج ۲ تحت فضائل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما
کنز العمال (علی متقی الہندی) ص ۵۔ ج ۷ تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کتاب الفضائل
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۶۲۶ ج ۱۲ تحت تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

۲((اما قوله "يدعوهم الى الجنة" فاستيناف لحاله مع المشركين و قريش العرب و اشارة الى المصائب التى اتت عليه من جهة قريش و تعذيبهم والجاءهم اياه على ان يكفر بربه فابى الا ان يقول الله احد وفيه قلت بادہ نوشان غمت داودؒ ومعروفؒ وجنیدؒ جاں فروشان ورت عمارؓ وسلمانؓ و بلالؓ فهذه حكاية للقصة الماضية ومنقطعة عما قبلها لا اخبار عن حال قاتليه))[1]

''یعنی يدعوهم الى الجنة والا جملہ مستانفہ ہے اور مشرکین وقریش عرب کے حال کو بیان کرنے کے لیے ہے اور وہ مصائب جو قریش کی طرف سے تعذیب اور جبر کی صورت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے تھے ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ عمار رضی اللہ عنہ کو اپنے رب کے ساتھ کفر پر مجبور کرتے تھے اور عمار انکار کرتے ہوئے ''اللہ احد'' پکارتے تھے۔ پس یہ جملہ گزشتہ قصہ کی حکایت کے طور پر منقول ہے اور اپنے ماقبل سے منقطع ہے اور عمار رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے حال کے ساتھ اس جملے کا تعلق نہیں۔ اور اسی کیفیت کے مناسب جناب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ فارسی شعر ذکر فرمایا ہے۔''

مختصر یہ ہے کہ یہ جملہ اگر واقع میں روایت کا جز ہے تو اس کا محمل اور محل سابقہ ابتلائی آزمائشی دور ہے اور رواۃ نے اپنے تصرفات کی بنا پر اہل اسلام کے باہم قتال کی طرف لگا دیا ہے جو مقام ''صفین'' میں پیش آیا تھا۔

۳ اور اگر ان کلمات کا سابق دور کے ساتھ تعلق نہ بھی بنایا جائے تو علمائے کرام نے ان کلمات کا مفہوم ذیل صورت میں ذکر کیا ہے:

((فالجواب انهم كانوا ظانين انهم يدعون الى الجنة وان لم يكونوا كذالك بحسب الواقع لكنهم معذورون للتاويل الذى ظهر لهم لكونهم مجتهدين لا لوم عليهم))[2]

اور اسی طرح شارح بخاری شریف علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے بھی یہی توجیہ ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

((قلت انهم كانوا ظانين انهم يدعونه الى الجنة وان كان فى الواقع دعاء الى

---

[1] فیض الباری (الشیخ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری) ص ۵۲ ج ۲ تحت الحدیث (طبع مجلس علمی، ڈابھیل)

[2] فتح الباری شرح صحیح البخاری (ابن حجر) ص ۴۳۰ ج ۱، کتاب الصلوۃ باب التعاون فی بناء المسجد
فیض الباری حاشیہ بخاری شریف ص ۵۲ ج ۲ باب التعاون فی بناء المسجد
لامع الدراری علی جامع البخاری ص ۱۷۴ ج ۱ طبع اول (ہند)

النار وھم مجتھدون یجب علیھم متابعۃ ظنونھم))[۱]

''ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مقاتلہ کرنے والے اپنے زعم میں جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اگرچہ واقع کے اعتبار کے غلطی پر تھے لیکن وہ اپنی تاویل فکر کی بنا پر مجتہد معذور کے درجے میں تھے۔ ان پر اپنے ظن و گمان کی متابعت لازم تھی فلہٰذا یہ لوگ قابل ملامت و مذمت نہیں۔''

۳ دیگر توجیہ

روایت مذکورہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت پر بغاوت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر جماعت تھے فلہٰذا ان پر بھی اطلاق بغاوت ہوتا ہے۔

اس چیز کے متعلق اہل علم حضرات دیگر توجیہات کے علاوہ ایک یہ توجیہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ ان ایام میں جو حالات پیدا ہو گئے اور اس دور کے جو تقاضے سامنے آئے وہ بہت ہی نازک مراحل تھے، ان کی صحیح کیفیات کا اندازہ بعد والے لوگ نہیں لگا سکتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت خلیفہ برحق کے خلاف جو اقدام کیا تھا وہ بہ تقاضائے حالات ایک امر مجبوری تھا۔ اس کی مثال اس مسئلے کی شکل میں سمجھ لی جائے کہ نمازی کے لیے نماز کو بلاوجہ توڑ دینا ناجائز اور ممنوع ہے لیکن اگر دیکھے کہ نابینا شخص ہے اور آگے کنواں ہے یا بچے کا چھت پر سے گر جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ، تو ایسے وقت میں ان کو بچانے کے لیے نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہے۔

اسی طرح بغاوت کے مسئلے میں یہ یہی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس وقت بغاوت ایسی ہی ضروری تھی جیسا کہ مذکورہ بالا مسئلے میں نقض صلوٰۃ ہے۔ فلہٰذا انھوں نے ان تقاضوں کے تحت خلیفہ وقت سے اختلاف اپنے اجتہاد فکر کی بنا پر کیا تھا۔ تاہم علماء نے اس خلاف کے متعلق درج ذیل قول تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں مباحث صفین کے تحت ذکر کیا ہے کہ

((ان اھل السنۃ اجمعوا علی ان من خرج علی علی کرم اللہ وجھہ خارج علی الامام الحق الا ان ھذا البغی الاجتھادی معفو عنہ))[۲]

''یعنی اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہونا بنا بر اجتہاد ہے اور وہ ان کے حق میں معاف ہے۔''

---

۱ شرح کرمانی علی البخاری ص ۱۰۷-۱۰۸ ج ۴ کتاب الصلوٰۃ باب التعاون فی بناء المسجد

۲ الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۳۸ تحت الجواب التاسع، طبع ملتان

دوسرا جملہ

روایت مذکورہ میں بعض مقامات پر یہ کلمات (لا انا لها الله شفاعتی یوم القيامة) پائے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق کبار علماء نے صاف فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ بالکل بے اصل اور موضوع ہیں اور دروغ محض ہیں۔ چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں:

① ((واما قوله "لا انا لها الله شفاعتی" فكذب مزيد فی الحديث لم يروه احد من اهل العلم باسناد معروف))[1]

②((ومن زاد فی هذا الحديث بعد تقتلك الفئة الباغية لا انا لها الله شفاعتی يوم القيامة فقد افتری فی هذه الزيادة علی رسول الله ﷺ فانه لم يقلها اذ لم تنقل من طريق تقبل والله اعلم))[2]

③ ((وما زاده الروافض فی هذا الحديث بعد قوله "الباغية" "لا انا لها الله شفاعتی يوم القيامة" فهو كذب و بحت علی رسول الله ﷺ فانه قد ثبت الاحاديث عنه صلوات الله عليه وسلامه بتسمية الفريقين مسلمين))[3]

''مطلب یہ ہے کہ روایت مذکورہ بالا میں اس نوع کے کلمات بعض مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اضافہ کر دیے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی طرف غلط انتساب کیا ہے کیونکہ نصوص میں باہم قتال کرنے والے دونوں فریقوں کو آنجناب ﷺ نے ''مسلمان اور مومن'' فرمایا ہے اور یہ اہل اسلام کے دونوں فریق ہیں (اگرچہ ایک فریق حقیقت میں حق پر ہے اور دوسرا فریق اپنے زعم میں حق پر ہے)۔''

اہل اسلام کے لیے نبی اقدس ﷺ کی شفاعت علیٰ حسب الاذن سب کے لیے ہوسکتی ہے فلہٰذا قیامت کے دن مسلمان کے لیے شفاعت نبوی کی نفی کرنا درست نہیں۔

اختتام بحث ہذا میں

① اولاً یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ مسئلہ ہذا کے یہ تمام مراحل روایت کی شکل اول پر مبنی تھے (جس میں "الفئة الباغية" کے الفاظ پائے جاتے ہیں) اور اس روایت کی دوسری شکل جو حاضنہ عمار سے منقول ومروی ہے (انی لا اموت الا قتلا بين فيئتين مومنين) جس طرح کہ ابتدائے بحث میں بیان کر دیا گیا

---

[1] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۹۴ ج ۳ تحت بحث ہذا

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت فصل فی بناء المسجد ...... الخ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۱ ج ۷ تحت بحث قتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ...... الخ (طبع اول مصر)

ہے۔ اس روایت کی روشنی میں معاملہ بالکل واضح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی جماعت سمیت صفت ایمان سے متصف ہیں اور باغی و طاغی نہیں۔

روایت کی ایک صورت اختیار کر کے اس پر کئی نتائج اپنی طرف سے متفرع کرنا اور اس فرمان نبوی کے دیگر پہلو کو نظر انداز کر دینا دین و انصاف کے تقاضوں کے برخلاف ہے۔ نیز اختلاف رائے کے ایک وقتی دور کے گزر جانے کے بعد ان پر یہ الزامات قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

(۲) ثانیاً یہاں یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ ان مشاجرات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ۴۰ھ میں صلح و مصالحت[1] ہو گئی تھی پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ کی بھی ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح ہو گئی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی۔ اس ''صلح'' اور ''بیعت'' کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام اہل اسلام کے لیے خلیفہ برحق تجویز ہو گئے اور صحیح امام المسلمین اور امیر المومنین ٹھہرے۔ اس ابتلائی دور کے گزر جانے کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہیں، نہ طاغی ہیں، نہ فاسق ہیں نہ جائر ہیں اور نہ ظالم ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زیر بحث روایت کا تعلق ایک خاص دور کے ساتھ ہے اس کے ختم ہو جانے کے بعد پھر ان مسائل کو کھڑا کرنا اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے اور محاسبہ آخرت سے بے فکری کا مظاہرہ ہے۔ اس چیز کو قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' (مباحث صفین) میں تحت روایت ہذا ذکر کر دیا ہے اور یہاں یہ چیز اہم اضافہ جات کے ساتھ بطور یاد دہانی کے دہرائی گئی ہے۔

---

[1] تاریخ طبری ص ۸۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ
الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۱۹۳ ج ۳ تحت سنہ ۴۰ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

طلقاء کی بحث

معترض لوگ طلقاء کی بحث کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا ''طلقاء'' حقارت اور نفرت کا کلمہ ہے اور جن لوگوں کے حق میں یہ کلمہ استعمال کیا گیا وہ قابل نفرت اور حقارت تھے۔ اور طاعنین ان حضرات کو طلیق ابن طلیق کہہ کر مذمت کے عنوانات سے نوازتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو اس طعن کا خاص مورد گردانتے ہیں۔

جواب

اس بحث کے لیے ذیل میں ہم چند امور بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرما کر قارئین کرام اطمینان حاصل کر سکیں گے۔

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے یہ چیز معلوم کرنا ضروری ہے کہ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات کس موقع پر اور کس صورت میں ارشاد فرمائے؟ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کون لوگ تھے؟ چند مخصوص افراد تھے یا عام جماعت تھی؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "انتم الطلقاء" کو کلمہ حقارت و نفرت سمجھتے تھے؟ اور کیا طلقاء منصب خلافت کے اہل ہیں یا نہیں؟

کلمہ "انتم الطلقاء" کا مورد

کلمہ "انتم الطلقاء" ارشاد فرمانے کا موقع اس طرح پیش آیا کہ رمضان المبارک ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باب کعبہ کے پاس قیام فرما ہوئے اور وہاں مختلف احکامات صادر فرمائے۔ ان فرامین میں سے ایک فرمان درج ذیل ہے:

> ''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے دور جاہلیت کا تکبر و غرور اور اپنے آباء واجداد کے ساتھ فخر و تفاخر دور فرما دیا ہے۔ تمام لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی...... پھر فرمایا اے گروہ قریش! تمھارا کیا خیال ہے میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے کہا: آپ بہتر معاملہ کریں گے کیونکہ آپ مہربان اور شریف ہیں اور مہربان اور شریف کی اولاد ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ((اذهبوا انتم

طلقاء))[۱] یعنی تم سب کو معافی دی گئی، رخصت ہو جاؤ۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ:

((ثم قال یا معشر قریش! ما ترون انی فاعل فیکم؟ قالوا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم قال اذھبوا فانتم الطلقاء))[۲]

''یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قریش کی جماعت! تمھارا کیا خیال ہے کہ میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ آپ ہمارے ساتھ خیر و سلامتی سے پیش آئیں گے۔ آپ مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے فرزند ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ رخصت ہو جاؤ، تمھیں معافی دی گئی ہے۔''

پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ (عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ تھے)۔ پس ان کو بلایا گیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کلید کعبہ عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((الیوم یوم بر و وفاء))[۳]

''یعنی آج احسان و وفا کا دن ہے (بدلہ لینے اور سزا قائم کرنے کا دن نہیں ہے)۔''

ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس مقام پر اسی مضمون کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((ثم منّ علی قریش بعد ان ملکھم یومئذ وقال اذھبوا فانتم طلقاء واسلموا))[۴]

''یعنی سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز قریش پر قابو پانے کے بعد احسان جتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم کو معافی دی گئی ہے رخصت ہو جاؤ اور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

طلقاء کے مخاطبین

یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ خطبہ مذکورہ کے وقت قریش مکہ کے متعدد قبائل پیش خدمت تھے۔ ان تمام حاضرین سے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا، کوئی ایک قبیلہ یا چند مخصوص افراد مخاطب نہیں تھے اور خواص افراد کے لیے کوئی خصوصی خطاب نہ تھا بلکہ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے قبائل[۵]

---

۱ سیرت ابن ہشام ص ۴۱۲ ج ۲ تحت طواف الرسول بالبیت

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۱ ج ۴ تحت احوال فتح مکہ طبع مصر

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۱ ج ۴ تحت احوال فتح مکہ

۴ تاریخ ابن خلدون ص ۵ ج ۳ قسم اول تحت دولۃ بنی امیہ طبع بیروت

۵ علمائے کرام نے اس مقام پر یہ صراحت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن جو قبائل مسلمان ہوئے تھے وہ دو ہزار کے قریب قریب ←

حاضر تھے مثلاً بنی تیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی خزیمہ، بنی اسد، بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی ہاشم اور بنی عبدالشمس (بنوامیہ) وغیرہ وغیرہ قبائل موجود تھے۔

ان تمام حاضرین کے حق میں فرمان نبوت صادر ہوا تھا کہ اذھبوا انتم الطلقاء اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنے خطبے میں یا معشر قریش کے الفاظ متعدد بار استعمال فرمائے تھے چنانچہ یہی الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص افراد یا مخصوص قبیلہ سے خطاب کرنا مقصود نہ تھا۔ فلہٰذا بنوامیہ کے مخصوص چند افراد مثلاً ابوسفیان، امیر معاویہ، ولید بن عقبہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وغیرہ رضی اللہ عنہم کو طلقاء طلقاء کہہ کر عوام میں نفرت پھیلانا درست نہیں۔

نیز ''الطلقاء'' کا کلمہ صرف معافی کے الفاظ ہیں، یہ کلمات کوئی مذمت یا حقارت وتحقیر کے لیے نہیں کہ جن سے عوام میں تنفر ونفرت پیدا کی جائے۔ مزید برآں یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں باہمی حقارت اور تنفر قائم نہیں تھا اور نہ یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطور طعن استعمال کیے جاتے تھے۔

طلقاء کے لیے مناصب

اب اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے والے احباب اس مسئلے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں کہ طلقاء جس طرح منصب خلافت کے لیے اہل نہیں اسی طرح کسی دیگر منصب کے بھی اہل نہیں۔

← افراد تھے۔ ان میں سے بعض حضرات اسلام لانے کے بعد اخیار المسلمین میں شمار کیے گئے مثلاً حارث بن ہشام، سہل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، یزید بن ابی سفیان، حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (ہاشمی)، عتاب بن اسید اور معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ۔ یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ان کا اسلام مقبول ومنظور ہوا۔[1]

مزید برآں اس مقام پر یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیر محترمہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بھی اسی موقع پر مشرف باسلام ہوئیں اور بقول خود طلقاء کے خطاب میں شامل تھیں۔[2] اور دیگر ہاشمی حضرات کے ساتھ معافی پانے والے افراد کے زمرے میں داخل تھیں۔ کیونکہ کلمہ ''انتم الطلقاء'' میں دیگر قبائل کے ساتھ بنی ہاشم کے وہ افراد بھی وہ جو قبل ازیں اسلام نہ لا سکے تھے شامل وشریک تھے۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کا مختصر حال ہم نے سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں عنوان ''خواہران'' (بہن) کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

---

1. منہاج السنۃ ص ۲۰۲ ج ۲ تحت قول الرافضی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعن معاویہ طلیق ابن طلیق
2. تاریخ الخمیس ص ۱۶۳ ج ۱ تحت اولاد ابی طالب، ص ۱۷۱ ج ۲ تحت ذکر من خطب علیہ السلام من النساء..... الخ

گویا معترضین کے نزدیک اسلامی معاشرے میں طلقاء کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں اور نہ وہ کسی منصب دیے جانے کے اہل ہیں اور ان کو اہل اسلام ہمیشہ حقارت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اسلام میں اور مسلمانوں میں ان کو کوئی اعزاز حاصل نہیں۔

طاعنین کے ان نظریات کے جواب میں مختصراً ہم مندرجہ ذیل چیزیں پیش کرتے ہیں، بنظر انصاف انھیں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں سے ان حضرات کا مقام و مرتبہ خود بخود واضح ہو جائے گا، کسی سوال و جواب کی حاجت نہ رہے گی:

① عہد نبوی میں فتح مکہ کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ (جو طلقاء میں سے ہیں) کو مکہ مکرمہ کا والی اور حاکم مقرر فرمایا۔

((وعتاب بن اسید رضی اللہ عنہ الذی ولاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ لما فتحھا))[1]

② ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ جو طلقاء میں سے تھے اور بنی امیہ کے روساء میں سے تھے ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اہم مناصب عنایت فرمائے مثلاً:

① قبیلہ بنی ثقیف میں ایک لات نامی بت کو گرا کر پاش پاش کرنے کے لیے ان کو روانہ فرمایا۔

((وبعثہ (مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد اسلام اھل الطائف ھو و ابوسفیان بن حرب فھدما اللات))[2]

② جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے علاقے پر ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو عامل اور حاکم بنا کر ارسال فرمایا

((واستعملہ (ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی نجران))[3]

③ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جو ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر کبیر ہیں ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی فراس کے صدقات پر عامل بنا کر بھیجا۔

① ((واستعملہ (یزید بن ابی سفیان) النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صدقات بنی فراس وکانوا اخوالہ))[4]

---

[1] منہاج السنۃ النبویہ ص ۲۰۲ ج ۲ تحت قال الرتضی مع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن معاویہ الطلیق بن الطلیق

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰ تا ۳۳ ج ۵ تحت قدوم وفد ثقیف
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۹ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ تحت احوال مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

[3] کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۲ تحت ولد حرب بن امیہ

[4] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۲ ج ۱ تحت عمال نبوی

ابو جعفر بغدادی رحمہ اللہ نے کتاب المحبر میں لکھا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو تیما کے علاقے کا امیر مقرر فرمایا۔

۲ ((یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (امرہ) علی تیماء))[۱]

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جو طلقاء میں سے ہیں ان کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر کاتبان وحی مثلاً زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتابت وحی کے منصب پر فائز فرمایا۔

۱ ((و کان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ من الزم الناس لذالك ثم تلاہ معاویة بعد الفتح فکانا ملازمین للکتابة بین یدیه صلی اللہ علیہ وسلم فی الوحی وغیر ذالك لا عمل لهما غیر ذالك))[۲]

''یعنی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (فتح مکہ کے بعد) اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کتابت کے لیے حاضر باش خادم تھے، چاہے وحی کی کتابت ہو یا غیر وحی کی کتابت ہو۔ ان کے ذمہ دیگر کام نہیں تھا۔''

۲ اور عہد نبوی میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ اراضی دینے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ (یمن کے علاقے میں حضرموت کے مقام پر سے یہ قطعہ زمین عنایت فرمایا گیا تھا)۔

((واقطعه ارضا وارسل معه معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وقال اعطها ایاہ))[۳]

یہ چند ایک مناصب وعہدہ جات (برائے طلقاء) جو عہد نبوت میں عطا فرمائے گئے تھے بطور نمونہ ذکر کیے گئے ہیں اور حضرات شیخین کے عہد میں بھی طلقاء کو متعدد مناصب عطا کیے گئے لیکن اس مسئلے کی تفصیلات میں ہم نہیں گئے۔ رفع اعتراض کے لیے اسی قدر کافی خیال کیا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ طلقاء حضرات عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حقارت و ذلت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھے جاتے تھے بلکہ اسلام و اہل اسلام کی نظروں میں صاحب وقار اور باعزت افراد تھے۔ اسی بنا پر طلقاء کو یہ مناصب عطا

---

۱ الاصابہ مع الاستیعاب ص ۶۱۹ ج ۳ تحت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
کتاب المحبر، ص ۱۲۶ تحت امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲ جوامع السیرۃ (ابن حزم اندلسی) ص ۲۷ تحت کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم
سیرۃ حلبیہ ص ۳۶۴ ج ۳ باب ذکر المشاہیر من کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳ الاصابہ ص ۹۶ ج ۳ مع الاستیعاب تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۷۵ ج ۴ تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
مشکوٰۃ شریف ص ۲۹۵ باب احیاء الموات والشرب، الفصل الثانی، طبع نور محمدی، دہلی

فرمائے گئے۔ نیز بنی امیہ اور غیر بنی امیہ کا امتیاز بھی اس مسئلے میں روانہیں رکھا گیا۔ اموی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف یہ غلط پروپیگنڈا ہے کہ یہ لوگ نگاہ نبوت میں کوئی مقام نہیں رکھتے تھے۔

مندرجہ بالا واقعات ہی ان کے جواب کے لیے کافی شواہد ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیلات اگر ملاحظہ کرنی مقصود ہوں تو ہماری کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' (ص۳۱۶ تا ۳۲۴) کی طرف رجوع کریں اور ہمارے کتابچہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' میں بھی اس مضمون کی وضاحت مل سکے گی۔ بقدر ضرورت مناصب کی تشریحات وہاں درج کر دی ہیں۔

کیا طلقاء خلافت کے اہل ہیں یا نہیں؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر اعتراض قائم کرنے والے احباب ایک یہ اعتراض بھی بڑی آب و تاب سے ذکر کرتے ہیں کہ بعض اکابرین (عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ) نے ان کے حق میں فرمایا کہ:

((وهو من الطلقاء الذين لا تجوز لهم الخلافة))

''یعنی امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) طلقاء میں سے ہیں جن کے لیے خلافت جائز اور صحیح نہیں۔''

اور عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کا یہ کلام درج ذیل واقعہ میں مذکور ہے:

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما دونوں بطور قاصد کے تشریف لے گئے اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو حمص کے مقام پر ان دونوں حضرات کی عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں سے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی اور کہا: تعجب کی بات ہے کہ تمھارے لیے یہ کس طرح جائز ہے کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ وہ خلافت کے معاملہ میں شوریٰ بنائیں، حالانکہ تم جانتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور اہل حجاز و عراق نے بیعت کر لی ہے۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر رضا مند ہو گئے ہیں وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو ان کو ناپسند کرتے ہیں، اور جن لوگوں نے ان سے بیعت کی ہے وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جنھوں نے بیعت نہیں کی۔ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے شوریٰ کے معاملے میں کیا دخل ہے؟ حالانکہ وہ تو ''طلقاء'' میں سے ہیں جن کے لیے خلافت جائز نہیں۔ وہ اور ان کے باپ احزاب کے سرداروں میں سے تھے۔

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے جب یہ کلام ان دونوں حضرات نے سنا تو انھیں اپنے فعل (پیغام رسانی) پر ندامت ہوئی اور انھوں نے اس معاملہ سے رجوع کر لیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ بقول مذکور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل نہ تھے۔

جواب

اس مقام پر بعض چیزیں پیش نظر رکھنے کے قابل ہیں ان کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد مذکورہ بالا شبہ کا جواب پورا ہو جائے گا مزید کسی بحث کی حاجت نہ رہے گی۔

ناظرین کرام مطلع رہیں کہ سوال میں جو واقعہ عبدالرحمٰن بن غنم اور ابوہریرہ و ابو درداء رضی اللہ عنہم کے مابین عتاب اور سرزنش مذکور ہے وہ فی الحقیقت درست نہیں اور غلط ہے۔ اس کے متعلق اکابر علماء نے کلام کر دیا ہے جو ہم ذیل میں ناظرین کرام کے لیے پیش کرتے ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جن کا نام عویمر ابن عامر ہے ان کے متعلق اکابر تذکرہ نویسوں نے اصح الاقوال (یعنی صحیح ترین قول) کی بنا پر تصریح کر دی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قریباً دو سال قبل ان کی وفات ہو چکی تھی۔ جب کہ یہ عتاب کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو جانے کے کافی بعد کا ہے۔ فلہٰذا عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے ابوہریرہ اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کے جس مکالمے کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت صحیح نہیں۔

● پہلی بات یہ ہے کہ صاحب ''الاستیعاب'' یعنی ابن عبدالبر رحمہ اللہ خود اپنی کتاب میں ابو درداء یعنی عویمر ابن عامر کے ترجمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قریباً دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے اور اہل اخبار میں سے ایک طائفہ نے کہا ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ صفین کے بعد ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں فوت ہوئے لیکن......

((والاکثر والاشهر والاصح عند اهل الحديث انه توفى فى خلافة عثمان بعد ان ولاه معاوية قضاء دمشق))[1]

[1] الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۱۱۰۷، ج ۳ تحت عویمر بن عامر بن قیس (ابی درداء رضی اللہ عنہ)

الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۶۰-۶۱ ج ۴ تحت ابی درداء رضی اللہ عنہ، طبع مصر مع الاصابہ

یہاں ایک مختصر سی چیز اہل علم کے فائدہ کے لیے درج کرنی مناسب خیال کی گئی ہے جو کتاب ''الاستیعاب'' کے مقام و مرتبہ پر ایک علمی تنقید ہے اور اکابر علماء نے اسے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔

ومن اجلها واكثرها فوائد كتاب الاستيعاب، ابن عبدالبر لولا ما شانه به من ايراده كثيرا مما شجر بين الصحابه وحكاياته عن الاخباريين لا المحدثين۔ وغالب على الاخباريين الاكثار والتخليط فيما يروونه[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب الاستیعاب اس فن کی کتابوں میں سے بڑی اہم اور کثیر الفوائد کتاب ہے لیکن اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کی کثیر چیزوں کے متعلق محدثین کے ماسوا اخباری لوگوں کی روایات میں مواد ←

[1] علوم الحدیث، ابن صلاح (مقدمہ ابن صلاح) ص ۲۶۲-۲۶۳ تحت النوع ۳۹ (معرفۃ الصحابہ)

''یعنی ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث کے نزدیک اکثر زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو چکے تھے اور اس دور (عہد عثمان) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کی قضا کا والی بنایا تھا۔''

۲ نیز ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر ابودرداء رضی اللہ عنہ کی کنیت کی بحث کے تحت آپ کی وفات کے متعلق متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد یہ الفاظ درج کیے ہیں:

((والصحیح انه مات فی خلافة عثمان رضی اللہ عنہ وانما ولی القضاء لمعاویة فی خلافة عثمان......))

''یعنی صحیح قول یہ ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو گئے اور خلافت عثمانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قضا کے والی رہے تھے۔''

تھوڑا سا آگے چل کر پھر یہی عبارت ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تحریر کی ہے۔ کہتے ہیں کہ:

((والصحیح انه مات فی خلافة عثمان))

اور اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((وتوفی فی خلافة عثمان قبل قتل عثمان رضی اللہ عنہ بسنتین))

یہاں سے واضح ہو گیا کہ خود ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی تحقیق کے مواقف ابو درداء رضی اللہ عنہ کی وفات یقیناً خلافت عثمانی میں ہو چکی تھی۔ گویا مصنف کے اپنے قول کے ذریعے سے معاتبت اور عتاب کے واقعہ کی تردید ہو گئی۔ فلہٰذا اس واقعہ سے استدلال کرنا درست نہیں۔

اور جن حضرات نے الاستیعاب سے عتاب والا واقعہ نقل کیا ہے اگر وہ اسی کتاب کے دیگر مواقع پر نظر فرما لیتے تو ان پر اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی حقیقت واضح ہو جاتی مگر انھوں نے توجہ نہیں کی۔ یہ ان سے تسامح ہو گیا ہے۔

۳ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اسد الغابہ میں عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اس عتاب اور معاتبت کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کر دی ہے:

((قلت الذی ذکره ابو عمر (ابن عبدالبر) من معاتبة عبدالرحمن ابا الدرداء وابا هریرة رضی اللہ عنہما عندی فیه نظر فان ابا الدرداء رضی اللہ عنہ تقدمت وفاته عن الوقت الذی بویع فیه علی فی اصح الاقوال))[1]

← کی کثرت اور (ردی مواد کی) تخلیط ہوتی ہے۔''

چنانچہ عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کے تحت عتاب کا مذکورہ واقعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور واقعات کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

[1] اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۱۹ ج ۳ تحت عبدالرحمٰن بن غنم الاشعریؓ۔

''یعنی ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ابودرداء اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر عتاب کا واقعہ جو ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک قابل غور اور لائق تأمل ہے کیونکہ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی ہے اس سے قبل ابودرداء رضی اللہ عنہ کی وفات ہو چکی تھیں اصح الاقوال بات یہی ہے۔''

۴ اور بیشتر اکابر علمائے رجال نے یہی تحقیق ذکر کی ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات سے قریباً دو سال قبل دمشق میں فوت ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:

① کتاب الجمع بین رجال الصحیحین (ابن قیسرانی) نصف الاول ص ۴۰۵ طبع دکن، تحت عویمر بن عامر (ابی درداء رضی اللہ عنہ)

② الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۶ ج ۳ تحت عویمر بن عامر مع الاستیعاب

③ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۱۷۶ ج ۸ تحت عویمر (ابی درداء رضی اللہ عنہ)

مندرجات بالا کے ذریعے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کے عتاب والا واقعہ بے اصل ہے اور واقعات کے برخلاف ہے کیونکہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے مسائل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلافات بعد میں پیش آئے۔ فلہٰذا اس ''معاتبت اور عتاب'' کی کوئی حقیقت نہیں۔

علی سبیل التسلیم

اگر بالفرض عتاب کا مذکورہ واقعہ ابودردا رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تسلیم کر لیا جائے اور عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ان ہر دو اصحاب کے ساتھ کلام کیا تھا تب بھی اس روایت میں راویوں کی طرف سے آمیخت کر دی گئی ہے یعنی روایت میں ادراج ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ کلمات (وھو من الطلقاء الذین لا تجوز لھم الخلافۃ) واقعات کے برخلاف پائے گئے ہیں اور جو چیز واقعات کے برخلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے اکابر ساتھیوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے بیعت خلافت کر دی۔

ان تمام حضرات میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی اس وقت یہ مسئلہ نہیں پیش کیا کہ طلقاء کے ساتھ بیعت خلافت ناجائز ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طلقاء میں سے ہیں فلہٰذا بیعت خلافت کا انعقاد صحیح نہیں۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ مذکورہ بالا کلمات (وھو من الطلقاء الذین لا توز لھم الخلافۃ) بعد میں کسی بزرگ نے روایت میں الحاق کر دیے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے اور یہ اس منصب کے اہل ہیں۔

مولفۃ القلوب ہونے کی تشریح

جس وقت فتح مکہ ہوئی ہے اس وقت قریش کے بہت سے قبائل اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے نبی اقدس ﷺ نے بعض حضرات کے ساتھ ''تالیف قلب'' کا معاملہ فرماتے ہوئے دیگر مسلمانوں سے زائد بعض چیزیں عنایت فرمائی تھیں اور جہاد کے غنائم میں سے بہ نسبت دوسروں کے ان لوگوں کو حصہ وافر عنایت فرمایا تھا۔

صاحب نبوت ﷺ کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی۔ یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے بلکہ سردار انبیاء ﷺ کی طرف سے مشفقانہ اور کریمانہ طرز عمل تھا جس سے جدید الاسلام لوگ بہت متاثر ہوئے، ان کی عزت افزائی ہوئی اور قوت اسلام کے لیے اس کا بڑا نفع ہوا اور یہ طرز عمل ان کے لیے تقویت کا باعث ہوا اور ان کا تذبذب دور ہو کر اسلام مضبوط ہوا۔

اس سلسلے میں مولفۃ القلوب کی فہرست اہل علم پیش کرتے ہیں جن میں حضرت معاویہ اور ان کے والد ابوسفیان اور یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم شمار کیے گئے ہیں۔

اس مقام پر ایک بات تو یہ قابل لحاظ ہے کہ مولفۃ القلوب ہونا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ نبی اقدس ﷺ کی طرف سے خصوصی عنایات کے شرف سے مشرف ہونا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کبار علماء نے ایک دوسری چیز بھی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ''مولفۃ القلوب'' میں سے نہیں تھے بلکہ ان کے متعلق کبار علماء نے تحریر کیا ہے:

((اما معاوية فبعيد ان يكون منهم فكيف يكون منهم؟ وقد ائتمنه النبي ﷺ على وحي الله وقراءته وخلطه بنفسه واما حاله في ايام ابي بكر فاشهر من هذا واظهر))[1]

[1] احکام القرآن (قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ مالکی ابن العربی) ص ۳۹۵ ج ا تحت مولفۃ القلوب
الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) ص ۱۸۱ ج ۸ سورۃ توبہ تحت آیت انما الصدقات للفقراء...... الخ

"یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفۃ القلوب میں سے ہوں حالانکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی قراءت پر امین قرار دیا اور ان کو اس مسئلہ میں اپنے ساتھ ملایا اور معتمد بنایا۔ اور خلافت صدیقی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال زیادہ مشہور اور بیان کرنے سے زیادہ ظاہر ہے۔ (یعنی یہ حالات اس بات کا قرینہ ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام وایمان پختہ تھا اور وہ دینی امور میں معتمد علیہ تھے ان کے لیے تالیف خاطر کی حاجت نہ تھی واللہ اعلم)"

ایک الزام

مولفۃ القلوب میں جس طرح بنو امیہ کے چند مشہور افراد مثلاً ابوسفیان، یزید بن ابی سفیان، معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ رضی اللہ عنہم ذکر کیے جاتے ہیں اسی طرح دیگر قبائل میں سے بھی کئی مشاہیر مولفۃ القلوب میں ذکر کیے گئے ہیں۔ مثلاً قبیلہ بنی اسد سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے برادر زادے حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد برادر ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ بھی مولفۃ القلوب میں مذکور ہیں۔ فلہٰذا اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفۃ القلوب میں شمار ہوں تو ان پر اعتراض قائم کرنا اور ان کو حقیر قرار دینے کی خاص کیا وجہ ہے؟

مختصر یہ ہے کہ صرف اموی حضرات کو اس مسئلے میں ہدف طعن بنایا جاتا ہے اور ہاشمیوں سمیت دیگر قبائل کے لوگوں کو تالیف قلب کے طعن سے مطعون نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ غور فرمالیں۔ یہ قبائلی تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

سب وشتم کرنے کا طعن پھر اس کا جواب

بعض روایات میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اس میں مذکور ہے کہ

((فقال ما منعك ان تسب ابا تراب...... الخ))

بقول معترض مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''سب'' کرنے سے تم کو کیا چیز مانع ہے؟

معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب کرتے تھے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر آمادہ کرتے تھے۔

جواب

مسئلہ ''سب وشتم'' کے متعلق قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں ص ۲۱۱ تا ۲۲۳ درج کر دیا ہے اور بعد ازاں بقدر ضرورت ''سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں مسائل صفین میں ''چند اہم مباحث'' کے عنوان کے تحت بھی یہ مسئلہ ذکر ہو چکا ہے اور اس مسئلہ کا الزامی جواب بھی ہو چکا ہے۔ تاہم روایت بالا کے متعلقات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے یہ بحث بقدر ضرورت پوری ہو جائے گی۔ (بعونہ تعالیٰ)

اس مقام پر چند اہم تشریحات ذکر کر دینا مناسب ہے جو ازالہ طعن میں فائدہ مند ہوں گی:

① حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ مذکور ہے اس میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ شریف میں حج کے موقع پر پیش آیا۔ اور بعض روایات میں مکالمہ ہذا کے مقام کے متعلق معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ کس مقام پر پیش آیا؟

بہر کیف حضرت سعد اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی ملاقات ہوئی اور دوران گفتگو میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا۔ اس مسئلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ناقدانہ کلام کیا اور ان کے خلاف رائے کا تقاضا کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی رائے حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کے نظریہ کے برخلاف تھی اور ان کو یہ ناگوار گزری تو انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہم نوائی نہیں کی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعدد فضائل کا ذکر کیا جو اس روایت میں مذکور ہیں اور اپنی جگہ پر صحیح ہیں مثلاً:

① ((لاعطین الرایة......)) (یوم خیبر)

② ((اما ترضی ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ)) (غزوۂ تبوک)

③ ((اللھم ھؤلاء اھلی......)) (دعوت مباہلہ یا دیگر مقام میں) وغیرہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ ان فضائل کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف میں اظہار رائے نہیں کرسکتا کہ ان کے موقف کو غلط اور آپ کے نظریہ کو درست کہنے لگوں۔

② واقعہ ہذا متعدد مصنفین نے ذکر کیا ہے پھر اس میں رواۃ کی طرف سے تعبیروں کا اختلاف الفاظ موجود ہے۔ بعض روایات میں تو ما منعك ان تسب ابا تراب کے الفاظ منقول ہیں، اور بعض مقامات پر اس طرح مذکور ہے کہ فذکروا علیا فنال منه معاویة ، اور بعض روایات میں ہے کہ فذکروا علیا فقال سعد له ثلاث خصال ، اور بعض دیگر روایات میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا فضائل مذکور ہیں لیکن وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی کلمہ نقد و جرح مذکور نہیں۔ جب کہ ان تمام روایات میں ایک ہی واقعہ منقول ہے۔

یہ رواۃ کی طرف سے اصل واقعہ کی تعبیرات کا فرق توجہ کے قابل ہے۔ کیونکہ معترض انسان اسی کو ایک مناقشہ کی شکل میں پیش کرسکتا ہے۔

اب مسئلے کی وضاحت کے لیے روایت ہذا کے مفہوم کو کبار علماء اور محدثین نے جس طرح ذکر کیا ہے، اس چیز کو ہم پہلے ذکر کرتے ہیں اس کے بعد مزید چیزیں جو لائق بیان ہوں گی وہ ذکر کر دی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

③ ا۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا روایت کی تشریح میں یہ ذکر کیا ہے کہ مذکورہ بالا جملہ (ما منعك ان تسب ابا تراب) میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سب علی رضی اللہ عنہ کرنے کی تصریح نہیں ہے بلکہ اس میں سب کرنے سے مانع امر کا سبب دریافت کیا گیا ہے۔ گویا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کر رہے ہیں کہ آپ اس بات سے تورع اور خوف کی بنا پر اجتناب کر رہے ہیں یا کوئی اور چیز آپ کے پیش نظر ہے؟ اگر تورع کی بنا پر آپ اجتناب کر رہے ہیں تو آپ مصیب ہیں، اور اگر کوئی اور بات ہے تو اس کا جواب دوسرا ہوگا۔

۲۔ نیز ایک دوسرا محمل اس طریقہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جملہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو علی (رضی اللہ عنہ) کی رائے اور ان کے اجتہاد کو خطا قرار دینے میں کون سی چیز مانع ہے؟ اور ہماری رائے کی خوبی اور

درستی کو ظاہر کرنے سے کون سی چیز آپ کو روکتی ہے۔ مفہوم بالا کو اکابر علماء نے بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

① ((فقول معاوية هذا ليس فيه تصريح بانه امر سعدا بسبه انما سأله عن السبب المانع له من السب كانه يقول هل امتنعت منه تورعا او خوفا؟ او غير ذالك؟ فان كان تورعا واجلالا له عن السب فانت مصيب وان كان غير ذالك فله جواب اخر))[1]

② ((لانه ليس بصريح فى انه امره بسبه انما سأله عن المانع وقد سئل عنه من لا يجيز السب))[2]

۳۔ ((ومنه ما منعك ان تسب ابا تراب، هذا لا يستلزم امر معاوية بالسب بل سوال عن سبب امتناعه عنه، انه تورع او اجلال او غير ذالك))[3]

۴۔ ((اما بانه ليس فيه الامر بل سوال من السبب المانع عنه وتكنيه رضي الله عنه بابى تراب ليس طعنا فانه كان يحب ان يكنى به))[4]

④ اور لفظ ''سب'' ہمیشہ گالی گلوچ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ زبان عرب میں متعدد معانی کا حامل ہے مثلاً:

۱۔ بعض دفعہ لفظ ''سب'' کا استعمال ''عار دلانے'' کے معنی میں پایا جاتا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں آیا ہے کہ

((فقال انى سابيت رجلا فعيرته بامه فقال لى النبى ﷺ يا ابا ذر! اعيرته بامه))[5]

اس مقام پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو اس کی ماں کے متعلق کہہ دیا کہ تیری ماں سیاہ رنگ کی ہے یا تو سیاہ رنگ کی عورت کا بیٹا ہے۔ تو اس پر آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اسے ماں کے متعلق عار دلائی ہے۔ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے لفظ "سابيت" استعمال کیا جس سے مراد یہاں ''عار دلانا'' ہے۔

۲۔ اسی طرح لفظ ''سب'' کا استعمال دیگر معانی میں بھی اہل عرب استعمال کرتے ہیں مثلاً عیب جوئی

---

[1] شرح مسلم شریف، نووی ص ۲۷۸ ج ۲ تحت الحدیث، باب فضائل علی رضی اللہ عنہ طبع دہلی
[2] اکمال اکمال المعلم (شرح مسلم) امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی الابی تحت الحدیث طبع اول
[3] مجمع البحار (شیخ محمد طاہر الفتنی الہندی الپرہاروی) ص ۸۳ ج ۲ تحت لفظ ''سب'' طبع نول کشور لکھنو
[4] الناہیہ عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پرہاروی) ص ۳۷ تحت جواب طعن ہذا، طبع ملتان
[5] بخاری شریف ص ۹ ج ۱، باب المعاصی من امر الجاہلیہ، کتاب الایمان طبع دہلی۔

کرنا، نکتہ چینی کرنا اور دوسرے کی رائے کا تخطیہ کرنا اور غلط قرار دینا اور اپنی رائے کو درست کہنا وغیرہ۔
روایت ہذا میں مذکورہ تعبیر اگر درست تسلیم کر لی جائے تو یہاں بھی رائے کا تخطیہ کے معنی میں مستعمل ہے۔
یہ چیز کبار علماء نے بیان فرمائی ہے چنانچہ اس پر ذیل میں حوالہ جات ملاحظہ فرما کر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

① ((ان معناه ما منعك ان تخطيه فى رأيه واجتهاده وتظهر للناس حسن راينا واجتهادنا وانه اخطا))[1]

② ((ان يحمل السب على التغير فى المذهب والرأى فيكون المعنى ما منعك من ان تبين للناس خطاه وان ما نحن عليه اسد و اصوب و مثل هذا يسمى سبا فى العرف))[2]

③ ((المعنى ما منعك ان تخطئه فى اجتهاد وتظهر للناس حسن اجتهادنا))[3]

④ ((بان المراد بالسب اظهار خطاء اجتهاده وصواب اجتهادنا))[4]

مختصر یہ ہے کہ کبار علماء نے اس روایت کا محمل اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ لفظ ''سب'' یہاں بمعنی گالی گلوچ نہیں بلکہ دوسرے کی رائے کو خطا قرار دینے کے معنی میں مستعمل ہے اور اسی کو عرف میں ''سب'' بھی کہتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا لوگوں کے نظریات میں اختلاف رائے کا پایا جانا مسلمات میں سے ہے۔ ان ہر دو فریق کے موقف میں نظریاتی اختلاف موجود تھا۔ وہی بعض مواقع اور مجالس میں اختلافی شکل میں پایا جاتا ہے اور ہر ایک فریق اپنی رائے کو صواب قرار دیتا ہے اور فریق مقابل کی رائے کو خطا پر محمول کرتا اور غلط قرار دیتا ہے۔

نیز اس مقام پر علماء فرماتے ہیں کہ باہمی سب وشتم اور قبیح اقوال کا ارتکاب جہال بنی امیہ (جو صحابہ کے زمرہ میں نہیں ہیں) اور سفلہ قسم کے لوگ کرتے ہوں تو اور بات ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ان چیزوں سے بعید اور بالاتر ہے۔ ان کا صحابی ہونا، ان کی دیانت اور ان کے اخلاق فاضلہ کے اعتبار سے یہ چیز ان کے شایان شان نہیں۔

---

۱ شرح مسلم شریف (نووی) ص ۲۷۸ ج ۲ تحت الحدیث باب فضائل علی رضی اللہ عنہ (طبع دہلی)
۲ اکمال اکمال المعلم شرح مسلم (امام ابی عبداللہ محمد بن خلفۃ الوشتانی الابی المالکی) طبع اول تحت الحدیث
۳ مجمع البحار (شیخ محمد طاہر الفتنی الہندی) ص ۸۳ ج ۲ تحت ''سب''
۴ الناہیہ عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پرہاروی) ص ۷۳ تحت الجواب الرابع (طبع ملتان)

چنانچہ صاحب اکمال اکمال المعلم شارح مسلم شریف نے اسی چیز کی تصریح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ
((والتصریح بالسب وقبیح التول انما کان یفعله جهال بنی امیة و سفلتهم...... واما معاویة فحاشاه من ذالك لما كان عليه من الصحبة والدين ذا الفضل و كرم الاخلاق))[1]

⑥ نیز یہ چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ روایت بالا کی بحث کے آخر میں علمائے کرام نے یہ فہمائش کی ہے کہ سب وشتم کے باب میں یہی روایت صحیح تھی جس کے جوابات درجہ بدرجہ علماء نے ذکر کیے ہیں۔ عموماً اس کے ماسوا روایات کے درمیان فریقین میں جو مناقشہ اور سب وشتم کی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں وہ درست نہیں، ان میں دروغ گوئی اور مبالغہ آرائی کو بڑا دخل ہے اس لیے ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے اور ایسی بات کرنے والے کے کلام کو غصہ سے رد کر دیا جائے اور اسے تسلیم نہ کیا جائے۔
((وما يذكر عنه من ذلك فكذب))[2]
((وكل ما يروى سوى هذا فيما جرى بين الطائفتين وبين الرجلين فلا تصنعوا اليه اذنا ولا تلتفتوا اليه واسمعوا المتكلم بذالك تكبيتا))[3]

⑦ روایت بالا کے متعلقات کے آخر میں دفع وہم کے طور پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مکالمہ پیش آیا تھا اس کی بنا پر طرفین میں کسی قسم کا انقباض واقع نہیں ہوا تھا اور ان کے درمیان کوئی عناد نہ تھا اور نہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کبیدہ خاطر تھے اور نہ ان کے درمیان روابط کشیدہ تھے۔ وہ ایک وقتی مسئلہ تھا جو ان کے درمیان بعض اوقات پیش آیا اور معاملہ ختم ہو گیا کیونکہ ہر دو حضرات کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں تھا۔ اس چیز پر قرائن موجود ہیں۔ چنانچہ علماء نے اس کے بعد کے متعدد واقعات ذکر کیے ہیں ان میں سے بعض ناظرین کی خدمت میں اطمینان کی خاطر درج کیے جاتے ہیں:

① حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بحوالہ عبدالرزاق لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں انھوں نے رمضان شریف کا تمام مہینہ قیام فرمایا۔ ان ایام میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ قصر نماز ادا کرتے تھے اور فطر صوم بھی کرتے تھے، اور بعض رواۃ نے کہا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور حضرت سعد

---

[1] اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف (امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی الابی المالکی) تحت الحدیث
[2] اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف (امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی الابی المالکی) تحت الحدیث
[3] شرح ترمذی (ابن العربی) ص ۲۳۱ ج ۱۳ تحت مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ

رضی اللہ عنہ نے جن چیزوں کے تقاضے کیے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام پورے کر دیے۔ اس طرح خوش اسلوبی کے ساتھ دونوں حضرت کے درمیان تعلقات قائم تھے۔

((وقال عبدالرزاق عن ابن جریج حدثنی زکریا بن عمرو ان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وفد علی معاویة فاقام عنده شهر رمضان یقصر الصلوة ویفطر وقال غیره فبایعه وما سأله سعد شیئا الا اعطاه ایاه))[1]

(۲) نیز ایک دیگر وثاقت و دیانت کی چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

((عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال ما رأیت احدا بعد عثمان اقضی بحق من صاحب هذا الباب یعنی معاویة))[2]

''یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت انصاف کرنے والے اور حقوق کو احسن طریقہ سے ادا کرنے والے تھے اس معاملے میں ان سے بہتر میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔''

یہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ ذہن صاف رکھتے تھے اور کوئی مخالفانہ جذبات نہیں رکھتے تھے اور نہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اعراض و انقباض تھا بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے حق و انصاف کی شہادت دیتے تھے۔

یہ روایت قبل ازیں کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ۱۵۴-۱۵۵ پر تحت عنوان ''عدل و انصاف پر شہادت'' درج ہو چکی ہے۔

مسئلہ ہذا کا دیگر پہلو

گزشتہ سطور میں سب و شتم کے متعلق جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس مسئلہ کا ایک پہلو تھا۔ اب اس مسئلہ کا دوسرا پہلو فرمان نبوی کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے:

وہ اس طرح ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اموات کے متعلق یہ تعلیم تلقین فرمائی ہے کہ فوت شدگان کو سب و شتم مت کیا کرو اس لیے کہ ان لوگوں نے جو عمل کیے تھے ان کی طرف وہ پہنچ چکے ہیں اور مکافات عمل پا چکے ہیں۔ چنانچہ مشکوۃ شریف میں یہ فرمان نبوی بالفاظ ذیل موجود ہے:

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۲ ج ۸ تحت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تحت سنہ ۵۵ھ طبع مصر

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع اول

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ذکر معاویہ طبع اول مصر

تاریخ ابن عساکر ص ۷۴۲ ج ۱۶ (مخطوط) تحت ترجمہ معاویہ

((عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الى ما قدموا)) (رواه البخاری)[1]

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کو ارشاد مبارک ہے کہ اپنے متوفین کے محاسن ذکر کیا کرو اور ان کی برائیوں (کے بیان) سے زبان کو روک رکھو۔

((عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذكروا محاسن موتاكم وكفوا عن مساويهم)) (رواه ابوداود والترمذی)[2]

اس نوع کے متعدد فرمودات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امت کے لیے واضح طور پر موجود ہیں۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ان فرمودات کے خلاف نہیں پایا گیا بلکہ ان پر عمل درآمد کرنا ان کا مقصد زندگی رہا ہے۔

اس مقام پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض واقعات ثابت ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فوت شدگان رشتہ داروں کے متعلق بدگوئی اور برائی ذکر کرنے سے منع فرمایا:

① چنانچہ حدیث شریف میں واقعہ مذکور ہے کہ فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اپنی جان کے خوف سے فرار ہو گئے ان کی زوجہ ام حکیم بنت حارث رضی اللہ عنہا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے شوہر (عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ) کے متعلق امان طلب کی تو آنجناب ؑ نے امان مرحمت فرمائی اس کے بعد وہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس لائیں۔

جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے عکرمہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو اس وقت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بطور نصیحت فرمایا کہ عکرمہ بن ابی جہل کفر چھوڑ کر ایمان لانے کی خاطر حاضر خدمت ہو رہا ہے تو اس کے والد (ابوجہل) کے متعلق کوئی سب وشتم نہ کرے، کیونکہ میت کو سب وشتم کرنے سے زندہ آدمی کو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے لیکن میت کو نہیں پہنچتی۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل مذکور ہے:

((فلما دنا من مكة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاصحابه ياتيكم عكرمة بن ابى جهل مؤمنا مهاجرا فلا تسبوا اباه۔ فان سب الميت يؤذى الحى ولا يبلغ الميت)) [3]

---

[1] مشکوۃ شریف طبع دہلی ص ۱۴۵ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہا (فصل اول)

[2] رواہ ابوداود والترمذی بحوالہ مشکوۃ شریف طبع دہلی ۱۴۷ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہا، فصل ثانی۔

[3] مستدرک حاکم ص ۲۴۱ ج ۳ تحت مناقب عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

کنز العمال ص ۷۵ ج ۷ تحت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ طبع اول دکن

(۲) انھی عکرمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک بار یہ واقعہ پیش آیا کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ منورہ میں ایک مقام پر گزر رہے تھے کسی شخص نے ان کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ "اللہ کے دشمن ابوجہل کا یہ بیٹا ہے"۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ پریشان ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی بطور شکوہ گزارش کی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ پر ایک مستقل خطبہ دیتے ہوئے اہل اسلام کو ارشاد فرمایا کہ لوگ معدن (کان) کی طرح ہیں۔ جاہلیت کے دور میں بھی جو لوگ خیار اور پسندیدہ افراد تھے جب دین میں خوب سمجھ پیدا کر لیں تو وہ لوگ اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں۔ کسی زندہ مسلمان شخص کو اس کے کافر رشتہ دار کی وجہ سے ایذا رسانی نہ کی جائے۔

چنانچہ مستدرک حاکم میں واقعہ ہذا اس طرح درج ہے کہ:

((وقال رسول الله ﷺ شكا اليه عكرمة انه اذا مر بالمدينة قيل له "هذا ابن عدو الله ابى جهل" فقام رسول الله ﷺ خطيبا فقال: ان الناس معادن خيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الاسلام اذا فقهوا لا تؤذوا مسلما بكافر۔ صحيح الاسناد ولم يخرجاه))[1]

اور کنز العمال میں ہے کہ

((فقال رسول الله ﷺ لا تؤذوا الاحياء بسب الاموات))[2]

ان واقعات کے پیش نظر یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اموات کو قبیح (برے) الفاظ سے ذکر کرنے سے زندہ اہل اسلام کو اگر تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے مسلمان اجتناب کریں۔

یہ تمہیدی امور پیش کرنے کے بعد اصل مسئلے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ یہ مسائل اور یہ واقعات کوئی مخفی امور نہیں تھے اور نہ فرد واحد کے لیے خصوصی احکام تھے۔ یہ تو تمام امت مسلمہ کے حق میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مسائل سے بخوبی متعارف اور واقف تھے اور ان سے ان فرمودات نبوت کے خلاف کرنے کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور ان کے ولاۃ و حکام مذکورہ بالا فرمودات نبوی کی موجودگی میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں سب وشتم یا لعن طعن کیسے کر سکتے ہیں؟ اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اعزہ و اقارب کی دل آزاری اور ایذا رسانی کا باعث کیسے بن سکتے ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تو دور نبوی کے قریب تر دور ہے اس میں مذکورہ ہدایات نبوت کو یکسر کیسے فراموش کر دیا گیا؟ (اور اس مسئلے میں اسلامی تعلیمات کو کس طرح پس پشت ڈال دیا گیا؟) حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

۱۔ مستدرک حاکم ص ۲۴۳ ج ۳ تحت ذکر مناقب عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

۲۔ کنز العمال ص ۷۵ ج ۷ تحت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ طبع اول دکن

حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بطور نصیحت موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک روز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سر مبارک اٹھا کر ارشاد فرمایا:

((فقال یا معاویة! ان ولیت امرا فاتق الله عزوجل واعدل))[1]

''یعنی اے معاویہ! اگر تمھیں مسلمانوں کے امور کا والی بنایا جائے تو معاملات میں اللہ عزوجل سے خوف کرنا اور عدل و انصاف سے پیش آنا۔''

سنت نبوی کی رعایت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر مرحلہ پر اطاعت اور فرمانبرداری کو مقدم رکھتے تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی رعایت کرنا ان کی زندگی کا معمول تھا۔

اس سلسلے میں بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں جن میں انھوں نے فرمان نبوت کو پیش نظر رکھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک خاص مدت تک جنگ نہ کرنے کا عہد و پیمان ہوا تھا۔ مدت عہد ختم ہونے میں کچھ وقت باقی تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی تیاری کے ساتھ رفقاء سمیت بلاد روم کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تا کہ اختتام مدت عہد پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ ان حالات میں ایک صحابی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تیزی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور فرماتے تھے الله اکبر الله اکبر وفاء لا غدر (عہد پورا کرنا چاہیے بدعہدی جائز نہیں)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جن کے درمیان کوئی باہمی معاہدہ ہو تو اس کی مدت اختتام سے قبل عہد کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔

((فلا یحلن عهدا ولا یشدنه حتی یمضی امده))

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی معلوم کرنے کے بعد اپنے اقدام کرنے سے اپنے رفقاء سمیت فوراً واپس آ گئے تا کہ اختتام مدت عہد کا انتظار کیا جائے۔ قال فرجع معاویة بالناس۔[2]

ان امور کی روشنی میں اموات کے حق میں سب وشتم کرنا وہ کیسے روا رکھے ہوئے تھے؟ یہ چیز ان کی دیانت، عدالت اور اطاعت نبوی کے خلاف ہے۔ چنانچہ اکابر علمائے امت اس بات کی شہادت دیتے ہیں

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۸٦ ج ۵ تحت امراۃ معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۰ ج ۸ تحت خلافۃ حسن بن علی رضی اللہ عنہما

[2] مشکوۃ شریف ص ۳۴۷ باب الایمان فصل ثانی، طبع دہلی

کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں امام عادل تھے اور حقوق اللہ وحقوق المسلمین کے ادا کرنے والے تھے۔

① امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ بحوالہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقد صح انه كان اماما عادلا فى حقوق الله وحقوق المسلمين كما فى الصواعق))[1]

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سب وشتم کرنے کے انتسابات بالکل بے جا ہیں اور روایات کی صداقت مخدوش ہے۔

② دوسری گزارش یہ ہے کہ شیعہ کے اکابر مورخین نے بھی یہ چیز برملا تسلیم کی ہے کہ حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام دور خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی۔ ان حضرات اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے کسی شرط کو ضائع نہیں کیا اور نہ کسی احسان اور بھلائی کو تبدیل کیا۔

چنانچہ شیعہ مورخ ابوحنیفہ دینوری نے اخبار الطوال میں یہ چیز بعبارت ذیل درج کی ہے:

((قالوا ولم ير الحسن ولا الحسين طول حياة معاوية منه سوء فى انفسهما ولا مكروها ولا قطع عنهما شيئا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن بر))[2]

③ تیسری یہ چیز ہے کہ اہل سنت والجماعت کے اکابر مورخین کے ایسے بیانات موجود ہیں جن میں یہ بات واضح طور پر پائی جاتی ہے کہ اکابر ہاشمی حضرات اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین بہتر روابط تھے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قدر کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کم وبیش بیس سال ہم پر والی اور حاکم رہے اور انھوں نے ہمیں کوئی تکلیف نہیں دی اور ہمارے لیے اذیت وتکلیف کا باعث نہیں ہوئے، نہ منبر پر اور نہ فرش زمین پر۔ انھوں نے اپنی اور ہماری عزت رکھی اور ہمارے ساتھ صلہ رحمی کا عمدہ معاملہ کیا اور ہماری ضروریات پوری کرتے رہے۔

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لله در ابن هند ولينا عشرين سنة فما اذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانته منه لعرضه واعرضنا ولقد كان يحسن صلتنا ويقضى حوائجنا))[3]

---

[1] مکتوبات امام ربانی ص ۶۸-۶۹ تحت مکتوب نمبر ۲۵۱ بنام مولانا محمد اشرف، دفتر اول حصہ چہارم طبع نور کمپنی لاہور

[2] الاخبار الطوال (ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۲۲۵، طبع قاہرہ تحت بحث بین معاویہ وعمرو بن عاص رضی اللہ عنہما

[3] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مخطوطہ ابن عساکر (قلمی عکس شدہ) ص ۳۶ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

مندرجات بالا کے پیش نظر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد شریف اور اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ کسی قسم کی کوئی بدسلوکی یا ایذا رسانی نہیں کی جاتی تھی اور کوئی برا معاملہ ان کے ساتھ روا نہیں رکھا گیا اور معاشرتی روابط ان حضرات کے درمیان درست تھے۔ فلہٰذا سب وشتم کی روایات قابل تسلیم نہیں ہیں اور اس چیز پر عقلی قرائن ہم قبل ازیں ''کتاب اقربا نوازی'' کے ص ۲۱۸-۲۱۹ پر ثانیاً کے عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں اطمینان حاصل ہوگا۔ اور بحث ہذا کے آخر میں باعتبار درایت کے کلام کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

متعلق ''سب'' بعض دیگر روایات اور اس کا جواب

معترض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معائب ومثالب کے سلسلے میں جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں مندرجہ ذیل روایت بھی ہے:

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے بعد میں ایک مشہور صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ مجلس میں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ اہل کوفہ میں سے ایک شخص جسے قیس بن علقمہ کہتے تھے اس مجلس میں آیا اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں بدگوئی کرنے لگا۔ اس پر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے سامنے صحابہ کو سب کیا جاتا ہے اور آپ اس کو برا نہیں جانتے اور اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے۔

معترضین اس روایت کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم نوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف سب وشتم کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں۔

جواب

واقعہ ہذا سے متعلق جو روایات ذکر کی جاتی ہیں ان کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں درج ہیں جن سے اعتراض کی خفت واضح ہو جائے گی اور جواب پورا ہو سکے گا۔ تمام مندرجات پر ایک بار نظر انصاف فرمالیں:

① حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس واقعہ سے متعلق ہماری معلومات کی حد تک جتنی روایات ہمارے سامنے آئی ہیں ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر تک موجود نہیں، اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو اس مجلس میں موجود تھے اور نہ ان کے ایما پر یہ فعل سرزد ہوا۔

② اور یہ ایک فطری امر ہے کہ بعض حضرات نہایت تیز طبع ہوتے ہیں ایک حبہ بھر بات مزاج کے خلاف برداشت نہیں کرتے، اور بعض اشخاص متحمل و بردبار طبیعت کے حامل ہوتے ہیں کہ خلاف مزاج

چیزوں کو سننا بھی گوارا کر لیتے ہیں۔ اگر یہ واقعہ درست ہے تو غالباً یہاں بھی یہی صورت رونما ہوئی کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن علقمہ کی ناروا گفتگو پر تحمل سے کام لیا، اس لیے کہ علمائے تراجم نے کہا ہے کہ کان المغیرۃ فیه حلم واناۃ (یعنی ان کی طبیعت نہایت متحمل و بردبار تھی) اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ یہ کلام سن کر فوراً برافروختہ ہو گئے اور مغیرہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کرنے لگے۔ تاہم یہ احتمال موجود ہے کہ اس موقع پر نقد و رد کے اعتبار سے مزید گفتگو ہوئی ہو (جس کو ناقلین واقعہ نے ذکر نہیں کیا) کہ اس سے واقعہ کی اصل نوعیت اور حقیقت حال کا سراغ مل سکتا۔

③ نیز قیس بن علقمہ کوفی جو غالباً خوارج کے نظریات کا حامل تھا اس کا یہ ذاتی نظریہ تھا جو اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدگوئی کی شکل میں ظاہر کیا۔ اور ہم بھی اس نظریے اور اس طرز عمل کو سو فیصد برا جانتے ہیں۔

اس دور میں بعض لوگ اپنے اپنے نظریاتی اختلافات کی بنا پر اپنے مخالف فریق کے لوگوں سے پرخاش رکھتے تھے اور موقع بہ موقع اس قسم کے غلط نظریات کا اظہار کرتے تھے۔ یہ ایک نفسیاتی چیز ہے کہ انفرادی نظریات پر کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔

ان حالات میں اکابر صحابہ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) پر طعن و تشنیع کرنے کا جواز نہیں پایا جاتا۔

④ اس مقام پر طعن قائم کرنے والے بزرگوں نے ایک اور روایت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ انھوں نے ابوعبداللہ جدلی سے فرمایا کہ تمھارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا سب کیا جاتا ہے تو اس نے کہا: سبحان اللہ معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ام المومنین نے فرمایا کہ کیا تمھارے ہاں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سب نہیں کیا جاتا؟ اور کہنے لگیں

((قالت سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سب علیا فقد سبنی......الخ))

''یعنی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے علی بن ابی طالب کو سب کیا اس نے مجھے برا کہا۔''

اور بعض روایات میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم علی (ابن ابی طالب) سے محبت فرماتے تھے (اور تم لوگ ان کو سب کرتے ہو)۔

روایت ہذا کے ذریعے سے معترض احباب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کرنے کے مسئلے کو مکمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت متعدد صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے۔

جواب

اس روایت کے متعلق بعض ضروری چیزیں قابل ذکر ہیں ان پر نظر انصاف فرما لینے کے بعد روایت ہذا کے مزید جواب کی حاجت نہ رہے گی۔

ناظرین کرام پر واضح ہے کہ اعتراض قائم کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ قابل اعتراض روایت اپنے مقام پر صحیح ہو اور فریق مقابل کے سامنے قواعد کے لحاظ سے قابل قبول ہو۔ اور جو روایت اس فن کے قواعد کے لحاظ سے درست نہ ہوگی وہ طعن کے مقام پر قابل حجت نہیں ہو سکتی۔

مندرجہ بالا روایت جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس کو نقل کرنے والا ابو عبداللہ جدلی ہے۔ معترض احباب نے جن باسند کتابوں سے اس روایت کو نقل کیا ہے ان مقامات پر ہماری معلومات کی حد تک بنیادی راوی ابو عبداللہ جدلی ہے اور باقی مصنفین کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ ان ہی باسند کتابوں سے ناقل ہیں۔ فلہٰذا ان کے الگ جواب کی حاجت نہیں جب کہ اصل روایت کا جواب پیش کر دیا جائے۔

ابو عبداللہ جدلی

اسماء الرجال کے اکابر علماء نے ابو عبداللہ جدلی کے متعلق مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں۔ اہل علم کی تسلی کے لیے ان کی مختصراً عبارات نقل کی جاتی ہیں:

① طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((ویستضعف فی حدیثه وکان شدید التشیع……))[1]

②((ابو عبدالله الجدلی شیعی…… بغیض……))[2]

③ ((شیعی ثقل……))[3]

④((یستضعف فی حدیثه و کان شدید التشیع ویزعمون انه کان علی شرطة المختار……))[4]

''مندرجہ بالا حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ ابو عبداللہ جدلی حدیث کے بیان میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے اور وہ سخت اور شدید قسم کا شیعہ تھا۔ ابو عبداللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد رکھنے والا شیعہ تھا، نیز وہ مختار ثقفی کی جماعت کا سربراہ تھا۔''

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۵۹ ج ۶ تحت ابی عبداللہ الجدلی، طبع لیڈن

[2] میزان الاعتدال ص ۵۴۴ ج ۴ تحت ابی عبداللہ الجدلی، نمبر ۱۰۳۵۷

[3] المغنی (ذہبی) ص ۷۹۴ ج ۲ تحت نمبر ۷۵۷۳

[4] تہذیب التہذیب ابن حجر ص ۱۴۸-۱۴۹ ج ۱۲ تحت باب الکنی ابو عبداللہ الجدلی

اہل علم کے نزدیک یہ مسئلہ واضح ہے کہ اہل بدعت کی روایت جو ان کے مسلک کی موید اور ان کے مذہب کی تائید میں جاتی ہو وہ مقام طعن میں قبول نہیں کی جاتی اور اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ مذکورہ بالا جرح وتنقید اور پیش کردہ ضابطہ کی روشنی میں ابوعبداللہ جدلی کی یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔

شیعہ رواۃ اپنے نظریات کے دائرہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے حق میں حد درجے کا غلو رکھتے ہیں اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان میں کوئی کمی نہیں کرتے اور ان کے خلاف روایات نشر کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر مندرجہ بالا روایت ان کے مزعومات کے مطابق تصنیف شدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں انھوں نے یہ ظاہر کرنے کی سعی کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو برا کہنا (معاذ اللہ) سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کرنے کے برابر ہے۔ (استغفر اللہ العظیم)

عقد الفرید کی ایک روایت پر کلام

نیز معترض لوگوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ "انھوں نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو خط لکھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر برسر منبر لعنت کرتے ہو۔ وہ اس طرح کہ تم علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) اور ان کے محبین پر لعنت کرتے ہو...... معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اس کلام کی طرف توجہ نہ دی۔"

اعتراض کرنے والے دوستوں نے یہ روایت عقد الفرید لابن عبدربہ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اس طعن کو خوب بنا سجا کر پیش کیا ہے۔

جس طرح کہ پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ روایت پر باعتبار قواعد کے کلام کر دیا ہے اسی طرح یہاں بھی یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ روایت ہذا کو بقول معترض احمد بن عبدربہ نے عقد الفرید میں ذکر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ابن عبدربہ کی روایات قابل اعتماد ہیں؟ اور کیا ان روایات پر اعتبار کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہے؟ اور ابن عبدربہ کیسا بزرگ ہے اور کن نظریات کا حامل ہے؟ اس چیز کے لیے ہم کبار علماء کا کلام پیش کرتے ہیں جن میں اس طعن کا جواب مکمل موجود ہے۔

چنانچہ البدایہ والنہایہ میں احمد بن عبدربہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ

((یدل کثیر من کلامه علی تشیع فیه ومیل علی حط بنی امیة وهذا عجیب منه لانه احد موالیهم وکان الاولی به ان یکون ممن یوالیهم لا ممن یعادیهم))[1]

"یعنی احمد بن عبدربہ کا بیشتر کلام اس کے شیعہ ہونے پر دال ہے اور بنو امیہ کو گرانے یعنی ان کی تحقیر و تذلیل کرنے پر اس کا میلان و رجحان ہے۔ اور یہ چیز اس کے حق میں عجیب ہے کیونکہ وہ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹۳-۱۹۴ ج ۱۱ تحت سنہ ۳۲۸ھ صاحب کتاب العقد الفرید

بنوامیہ کے موالی (غلاموں) میں سے ایک شخص تھا۔ اس کو چاہیے تھا کہ وہ بنوامیہ کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتا، لیکن وہ بنوامیہ کے ساتھ پوری عداوت اور دشمنی رکھتا ہے۔''

اسی طرح علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر احمد بن عبدربہ کے متعلق لکھا ہے کہ

((لان صاحب العقد كان فيه تشيع شنيع ومغالاة فی اهل البيت وربما لا يفهم احد من كلامه ما فيه من التشيع))[1]

''کیونکہ صاحب عقد الفرید (احمد بن عبدربہ) میں قبیح تشیع اور اہل بیت کے حق میں بے جا غلو پایا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے کلام سے کوئی شخص اس کے تشیع کو نہیں سمجھ سکتا۔''

مختصر یہ ہے کہ احمد بن عبدربہ کے کلام پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اہل بیت کے حق میں بے جا غلو اور صحابہ بنوامیہ کے سخت خلاف جذبات رکھتا تھا۔ فلہٰذا اس شخص کے دیگر حوالہ جات کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اور اس کی مرویات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف منقول ہیں ان کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

معترض کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ روایت ہذا کے متعلق علماء نے صحت کا قول کیا ہے اس لیے اس روایت کی قبولیت میں کیسے شبہ کیا جا سکتا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ ہم نے جو کچھ کلام کیا ہے وہ مذکورہ ضابطہ کے تحت ذکر کیا ہے جو علماء میں مقبول ہے، اور راوی کے شدید قسم کے تشیع پر بھی حوالہ جات پیش کر دیے ہیں۔ ایسے سخت قسم کے غالی شیعوں کی روایت مقام طعن پر قابل اعتماد و قابل استدلال نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس سلسلے میں اس فن کے علماء کا طریقہ کار یہ ہے کہ کئی مقامات پر راوی کے شیعہ اور رافضی ہونے کی وجہ سے روایت کو رد کیا جاتا ہے اور اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اس مسئلے پر بطور مثال کے ایک حوالہ کتاب تنزیہ الشریعہ لابن العراق سے پیش کیا جاتا ہے:

((من لم يقل علی رضی الله عنه خير الناس، فقد كفر (خط) من حديث علی وفيه محمد بن كثير الكوفی، وهو المتهم به لانه كان شيعيا))[2]

یہاں روایت کو راوی کے تشیع کی بنا پر علمائے فن نے قبول نہیں کیا۔ یہ حوالہ بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے ورنہ بے شمار مقامات پر اسی ضابطہ پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور جن علماء نے مندرجہ روایت کی صحت کا قول کیا ہے ان میں سے بعض حضرات نے اپنی رجال اور تراجم کی کتاب میں اس راوی (ابوعبداللہ جدلی) کے حق میں غالی شیعہ ہونے کے نقد و جرح کے الفاظ بھی

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱ ج ۱۰ تحت خالد بن عبداللہ بن یزید

[2] تنزیہ الشریعہ (ابن عراق کنانی) جز اول ص ۳۵۳ تحت باب مناقب الخلفاء الاربعہ الفصل الاول روایت نمبر ۳۸۔

درج کیے ہیں اور ساتھ صحت روایت کا قول کر دیا...... یا للعجب!

ہم نے اس معاملے میں علماء کے قواعد اور ضوابط اور اقوال پیش نظر رکھ کر مسئلے کے دو پہلو واضح کر دیے ہیں اور تحقیق کی طرف توجہ دلا دی ہے۔ اب کبار علمائے فن کا کام ہے کہ اس مسئلے میں توفیق یا ترجیح قائم کریں۔ عوام کی حیثیت سے یہ چیز بالاتر ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس دور کے سیاسی حالات کے پیش نظر بعض لوگ دو طبقوں میں تقسیم تھے اور اپنے اپنے نظریات کے مطابق دونوں فریق اپنے مخالف فریق کے خلاف نفرت کا اظہار کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اپنی نفرت وعداوت کا اظہار سب وشتم کی صورت میں ہوتا تھا۔

۱۔ چنانچہ سب وشتم کا یہ معاملہ یکطرفہ نہیں تھا بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آپ کے حامی لوگ اپنے مخالف فریق (حامیان عثمان) کے خلاف بدگوئی کیا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے واضح ہے:

((ولبنی الارقم مسجد بالکوفة فلما قدم الکوفة علی رضی اللہ عنہ جعل اصحابه یتناولون عثمان۔ فقال بنو الارقم: لانقیم ببلد یشتم فیه عثمان۔ فخرجوا الی الجزیرة فنزلوا الرهاء وشهدوا مع معاویة صفین))[۱]

''یعنی کوفہ میں قبیلہ بنی ارقم کے لیے ایک مسجد تھی۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو آپ کے ہم نوا لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدگوئی کرتے تھے۔ قبیلہ بنو ارقم کے لوگ کہنے لگے ہم ایسے شہر میں مقیم نہیں رہ سکتے جس شہر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا جاتا ہو۔ چنانچہ وہ لوگ کوفہ سے نکل کھڑے ہوئے اور الجزیرہ کے ایک مقام ''الرہا'' میں مقیم ہو گئے۔ بعد میں وہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شامل ہوئے۔''

یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ سب وشتم کا سلسلہ صرف ایک فریق ہی کی طرف سے نہیں تھا بلکہ دونوں فریق کی جانب سے بعض لوگ اس قسم کی ناروا حرکات کرتے تھے جو دوسرے فریق کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتی تھیں۔

۲۔ نیز سابق واقعہ کی طرح ایک اور واقعہ بھی ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

کوفہ میں جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ۵۰ھ میں انتقال ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ زیاد کو کوفہ کا والی و حاکم مقرر کیا۔ حجر بن عدی ان احکام کی سخت مخالفت کرتے تھے (جیسا کہ اس کی تفصیلات اپنے مقام پر درج ہیں) چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حامیوں کی جماعتیں در جماعتیں حجر کے پاس جمع ہونے لگیں۔

۱۔ کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۲۹۵ تحت عدی بن عمیرہ بن فروہ تحت عنوان من شہد صفین مع معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

((ویسبون معاویة ویتبرون منه))

''یعنی خلیفہ اسلام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتیں اور ان سے تبرا و بیزاری کا اعلان کرتی تھیں۔''[1]

مطلب یہ ہے کہ فریقین میں ایک نظریاتی تخالف اور فکری تقابل کا مسئلہ تھا جو اس دور میں بعض دفعہ جانبین کی طرف سے پایا جاتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اسی طرح کئی دیگر روایات بھی معترض لوگوں نے اس باب میں فراہم کی ہوئی ہیں لیکن یہ تمام اخبار احاد ہیں یا بعض تاریخی ملغوبات ہیں قابل اعتناء نہیں اور ان کے پیش نظر کسی صحابی کو مطعون کرنا درست نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام کتاب وسنت کی روشنی میں بہت رفیع ہے۔ فلہذا اس قسم کی روایات کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقار کو مجروح اور ان کے دامن دیانت کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بالفرض اس چیز کو بعض روایات کے اعتبار سے درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا محمل وہی ہے جو کبار علمائے کرام نے اپنی تحقیق کی شکل میں ذکر کیا ہے۔ (اسے ہم صفحات گزشتہ میں نقل کر چکے ہیں)

یعنی یہ روایات، اختلاف رائے کرنے اور ردوسرے فریق کی رائے کا تخطیہ کرنے یا ان کے طریق کار اور معاملات پر نقد وتنقید کرنے کے معانی پر محمول ہیں۔ اور کسی قسم کا معروف سب وشتم (گالی گلوچ) مقصود نہیں۔

مسئلہ ہذا درایت کی روشنی میں

سب وشتم کے مسئلے کے متعلق روایت کے اعتبار سے اور معانی ومحامل کے لحاظ سے چند چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اب درایت کے اعتبار سے بعض چیزیں اس مسئلے کے متعلق پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے متعلق سب وشتم کیے جانے کا جو پروپیگنڈا روایات میں پایا جاتا ہے وہ کس حد تک درست ہے؟ اور اس عہد کے واقعات کے ساتھ اس کی کس درجہ تک مطابقت پائی جاتی ہے؟ اور مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں سب وشتم کا یہ مسئلہ کہاں تک صحیح ہے؟ اہل فکر حضرات اس پر نظر غائر فرمائیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض اشیاء قبل ازیں کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۲۱۸-۲۱۹ وغیرہ میں درج ہو چکی ہیں لیکن یہاں بعض حوالہ جات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ قارئین کرام کو معلوم ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہادنت ومصالحت کر لی تھی تو سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۱ھ میں خلافت کا معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وقت سے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال رجب ۶۰ھ تک یہ انیس سال

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

چند ماہ کا عرصہ دراز ہے۔ اس عرصہ میں دونوں فریق کے باہمی تعلقات اور روابط درست تھے اور معاملات میں ان کی سیاسی کشیدگی فرو ہو گئی تھی۔ چنانچہ واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ہاشمی حضرات کو حکومت کے معاملات میں عدالت کے مناصب بھی دیے گئے اور اکابر ہاشمی حضرات اس دور میں منصب قضا پر فائز رہے۔

مدینہ منورہ میں اول ہاشمی قاضی

﴿۱﴾ علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم ۴۲ھ میں جب پہلی بار مدینہ منورہ کا والی تھا تو اس وقت منصب قضا کے لیے ایک قاضی کی ضرورت پیش آئی چنانچہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی بزرگ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس دور کے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ میں اسلام کے پہلے قاضی عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی رحمہ اللہ ہیں۔

① ((هذا اول قاضی رأیته فی الاسلام))[1] (قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

② ((وهو اول قاض بالمدینة من التابعین))[2]

غزوات میں ہاشمی غازی

﴿۲﴾ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ ان کے تعلقات اور معاملات بہتر طریقے سے استوار تھے۔ مورخین اور اہل تراجم نے اس نوع کے متعدد واقعات ذکر کیے ہیں جو ان کے عمدہ روابط پر شاہد ہیں۔

مثلاً اس فن کے علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے رضاعی برادر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ جن کا شمار صغار صحابہ میں کیا جاتا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جہاد کی خاطر خراسان کے علاقے میں تشریف لے گئے اور جہاد میں شریک ہوئے۔ پھر جب غزوہ سمرقند پیش آیا تو اس غزوہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے فرزند سعید بن عثمان رحمہ اللہ کمانداد تھے۔ ان کی ماتحتی میں غزوہ میں شریک ہوئے اور کارہائے نمایاں سرانجام دے کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

((قال ابن سعد غزا قثم بن عباس خراسان وعلیها سعید بن عثمان بن عفان...... قال الزبیر (بن بکار) سار قثم (بن عباس) فی ایام معاویة مع سعید بن عثمان الی سمرقند فاستشهد بها))[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۳ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل

[2] کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۵ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل

[3] طبقات ابن سعد ص ۱۰۱ ج ۷ قسم ثانی، تحت ذکر قثم بن عباس بن عبدالمطلب طبع لیڈن۔
کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۲۷ تحت اولاد عباس بن عبدالمطلب
اسد الغابہ ص ۱۹۷ ج ۴ تذکرہ قثم بن عباس رضی اللہ عنہ — سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ علماء نے بھی قثم بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما کے غزوہ سمرقند میں شریک جہاد ہوکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شہید ہونے کو بالوضاحت تحریر کیا ہے۔ چنانچہ ابن میثم بحرانی لکھتے ہیں کہ

((واستشهد بسمرقند في زمن معاوية))[1]

''یعنی (قثم بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما) (حضرت) امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے عہد خلافت میں غزوہ سمرقند میں شریک جہاد ہوکر شہید ہوئے۔''

اور عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال میں اسی مسئلے کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فسار قثم الى سمرقند فمات بها شهيدا))[2]

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور انتقال کے بعد سمرقند کے علاقے میں غزوہ کے لیے حضرت قثم رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور وہاں غزوہ میں شہید ہوگئے۔''

یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاشمی حضرات اس دور کے غزوات میں بخوشی شریک ہوکر ثواب دارین حاصل کرتے تھے۔

(۳) اور حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غزوات اور جنگی مہمات میں شریک و شامل ہوکر جہاد میں حصہ لیا اور امیر وقت کے ساتھ آپ کا عملی تعاون رہا۔ اس میں کسی مجبوری یا مقہوری کو کوئی دخل نہیں تھا۔ چنانچہ مورخین نے اسے بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

۱۔ ((ووفد على معاوية وتوجه غازيا الى القسطنطينية في الجيش الذي كان اميره يزيد بن معاوية))[3]

۲۔ ((ولما توفي الحسن كان الحسين يفد الى معاوية في كل عام فيعطيه ويكرمه وقد كان في الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد في سنة احدى و خمسين))[4]

(۴) اور یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے کہ عام الصلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سیدنا حسن

---

[1] شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی شیعی) ص ۲۷ ج ۵ تحت عنوان من کتاب لہ علیہ السلام الی قثم بن عباس وہو عاملہ علی مکہ (طبع جدید تہران)

[2] تنقیح المقال ص ۲۸ ج ۲، ابواب القاف تحت قثم بن عباس

[3] تہذیب تاریخ ابن عساکر (شیخ عبدالقادر بن بدران آفندی) ص ۳۱۱ ج ۴ تذکرہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما

[4] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ تذکرہ خروج الحسینؓ الی العراق وکیفیت مقتلہ

اور سیدنا حسین اور دیگر ہاشمی حضرات مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان حضرات کی مالی معاونت کی جاتی تھی اور بطور وظائف کے ان کو مالی عطیات پیش کیے جاتے تھے اور یہ حضرات بخوشی انھیں قبول اور وصول کیا کرتے تھے۔ مالی وظائف کا یہ مسئلہ شیعہ سنی دونوں مورخین کی کتابوں میں موجود ہے۔ تفصیلات میں جائے بغیر ہم ناظرین کے سامنے اسے اجمالی شکل میں پیش کرتے ہیں:

① ((فاعطاه اربعمائة الف درهم وروى المبرد ان الحسن كان يفد كل سنة على معاوية فيصله بمائة الف درهم))[1]

② ((كان له (الحسن بن على) على معاوية فى كل عام جائزة وكان يفد اليه فربما اجازه باربعمائة الف درهم وراتبه فى سنة مائة الف))[2]

③ ''حسین وے را گفت بنشیں کہ مارا رزقی درراہ است تا بیارند۔ بسے بر نیامد کہ پنج صرہ از دینار بیاوردند از معاویہ۔ اندر ہر صرہ ہزار دینار بود وگفتند کہ معاویہ از تو عذر می خواہد۔''[3]

④ ((فلما استقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكرام زائدا ويقول لهما مرحبا واهلا ويعطيهما عطاء جزيلا وقد اطلق لهما فى يوم واحد مائتى الف يعنى فى بعض الايام))[4]

مذکورہ بالا حوالہ جات کا بالاختصار مفہوم درج ذیل ہے:

[1] (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ درہم عطیہ پیش کیا اور مبرد نے لکھا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو ایک لاکھ درہم پیش کرتے تھے۔

[2] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ہر سال وظیفہ دیا جاتا تھا اور آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے بعض اوقات چار لاکھ درہم بھی ان کو دیا گیا اور ایک لاکھ درہم تو لازماً ہر سال دیا جاتا تھا۔

---

[1] تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۲۰۰ ج ۴ تذکرہ حسن ابن علیؓ

[2] الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۲۹ ج ۱ تحت تذکرہ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
البدایہ ص ۳۷ ج ۸ تذکرہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ، ص ۴۱-۴۲ ج ۸ تذکرہ حسن بن علیؓ؛ ص ۱۳۷ ج ۸ تذکرہ امیر معاویہؓ

[3] کشف المحجوب (شیخ علی بن عثمان غزنوی ہجویری ثم لاہوری المتوفی ۴۵۶ھ) ص ۹۲-۹۳ باب ۸ تحت فی ذکر ائمتہم من اہل البیت، طبع سمرقند

[4] البدایہ، ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ طبع اول مصر، تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ من مکہ الی العراق

۳ (حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک سائل نے سوال کیا تو) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جائیے، امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے ہمارا وظیفہ پہنچنے والا ہے۔ اسی اثنا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ تھیلیاں پہنچیں جو ایک ایک ہزار دینار کی حامل تھیں۔ پہنچانے والوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قلت مقدار کی معذرت کی۔

۴ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے برادر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کا بہت احترام کرتے تھے اور ان دونوں بزرگوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مرحباً اہلاً وسہلاً (خوش آمدید) کے باعزت الفاظ سے استقبال کرتے اور ان دونوں حضرات کو عطیات کثیرہ سے نوازتے تھے، اور بعض اوقات تو ایک ایک دن میں ان دونوں کو دو دو لاکھ درہم بھی پیش کیے جاتے تھے۔

مزید برآں اس مسئلے کی تائیدات اور شواہد کے متعلق ہم تفصیل میں نہیں جا سکتے، تاہم ناظرین کرام کے لیے ذیل میں ہم شیعہ اور سنی کتب سے صرف حوالہ جات ذکر کر دیتے ہیں تا کہ قارئین ان مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی فرمالیں:

سنی کتب سے

① مستدرک حاکم ص ۵۶۷ ج ۳ تحت ذکر عبداللہ بن جعفر طیار

② لطائف المعارف (ابومنصور عبدالملک بن محمد ثعالبی) ص ۲۱-۲۲ طبع مصر۔

شیعہ کتب سے

① شرح نہج البلاغہ، ابن ابی حدید ص ۷۰۵-۷۰۶ ج ۳ طبع قدیم بیروت تحت بحث فی المقارنہ بین جود ملوک بنی امیہ وملوک بنی ہاشم

② الفخری ص ۶۴ آخری فصل اول طبع مصر

③ جلاء العیون (ملا باقر مجلسی) طبع قدیم ص ۲۷۰، تحت باب دربیان نصوص امامت و معجزات امام حسن

④ امالی (شیخ طوسی) ص ۳۳۴ ج ۲ طبع نجف اشرف

⑤ فروع کافی ص ۲۶۲ ج ۲ طبع لکھنؤ تحت کتاب العقیقہ باب الاسماء والکنی

⑥ ناسخ التواریخ ص ۴۰، ج ۱۱ کتاب دوم طبع قدیم ایران، تحت مکالمہ مروان و آنحضرت (امام زین العابدین)

⑦ ناسخ التواریخ ص ۳۸۰ ج ۹ طراز المذہب مظفری، (طبع قدیم ایران) در بیان احتجاج عبداللہ بن جعفر با معاویہ و حکایت او با معاویہ و یزید

مندرجہ بالا تمام حوالہ جات میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اکابر ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ یہ چیز حسن روابط پر مستقل قرینہ ہے۔

② اور اس دور کے اہم معاملات مثلاً منصب قضا وغیرہ قبول کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاون رہتے تھے۔

③ عہد خلافت معاویہ کے جنگی معاملات میں پوری طرح تعاون کرتے تھے اور اس دور کے غزوات جہاد میں شریک و شامل ہو کر باقاعدہ غنائم سے حصہ حاصل کرتے اور مراتب شہادت کی سعادت پاتے تھے۔

④ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ اکابر ہاشمی حضرات بشمول حسنین شریفین رضی اللہ عنہما بیت المال سے باقاعدگی کے ساتھ وقتی عطیات اور سالانہ وظائف حاصل کرتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اس بات پر قوی قرائن ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے حق میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سب و شتم نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو منبروں پر برملا برا بھلا نہیں کہا جاتا تھا۔

بالفرض اگر سب و شتم کا پروپیگنڈا درست ہے اور واقعی منبروں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سب و شتم کی بوچھاڑ ہوتی تھی (جیسا کہ معترض احباب ذکر کرتے ہیں) تو پھر یہ اکابر حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مندرجہ بالا تعلقات و روابط کس طرح قائم کیے ہوئے تھے اور دینی امور میں ان کے ساتھ کس طرح تعاون رکھے ہوئے تھے؟

ناظرین کرام! اندریں حالات معترض کی جانب سے پیش کردہ سب و شتم کی روایات یا مذکورہ بالا واقعات (جو قرائن میں پیش کیے گئے ہیں) ان میں سے کوئی ایک بات ہی درست ہو سکتی ہے۔ دونوں چیزوں کا بیک وقت صحیح ہونا مشکل امر ہے۔ غور فرمائیں۔

وجہ یہ ہے کہ یہ ایک فطری امر اور نفسیاتی چیز ہے کہ جس شخص کے اکابر اور آباء کو سب و شتم کیا جائے یا ان کے حق میں علیٰ روس الاشہاد بدگوئی کی جائے تو ایک باغیرت انسان اپنی حمیت کی بنا پر ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق بھی قائم نہیں رکھ سکتا اور

① نہ ان لوگوں کی جانب سے مناصب و اعزاز حاصل کر سکتا ہے۔

② نہ ان کے ساتھ مل کر جہاد و غزوات میں شامل ہو سکتا ہے۔

③ اور نہ ان کے ساتھ میل و ملاقات پسند کر سکتا ہے۔

④ نہ ان سے مالی عطیات و ہدایا و وظائف حاصل کر سکتا ہے۔

⑤ حتیٰ کہ ایسی جماعت اور ایسے افراد و اشخاص کے ساتھ باہم سلام و کلام تک کا روا دار نہیں ہوتا۔

یہ امور معاشرہ کے مشاہدات میں سے ہیں۔ فلہٰذا معروضات بالا کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ معترض دوستوں کا اس مسئلے میں پروپیگنڈا درست نہیں ہے اور واقعات و مشاہدات بھی اس چیز کی نفی کرتے ہیں اور اس کے برعکس ہیں۔ فلہٰذا یہ قابل قبول نہیں۔ مسئلہ ہذا میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ورنہ درایت کے لحاظ سے اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ پس اس بات میں جمہور علمائے امت نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہی صحیح ہے اور اس کو ہم نے سابقاً متعدد بار تحریر کر دیا ہے، رجوع فرما کر تسلی کر لیں۔

قول "لا اشبع الله بطنه" سے پرخوری کا اعتراض پھر اس کا حل

بعض روایات میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک بار میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں (ازراہ شرم و حیا) دروازے کے پیچھے چھپنے لگا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ لیا اور گردن سے پکڑا اور ازراہ تلطف خفیف سی ضرب لگائی اور اس کے بعد فرمایا کہ معاویہ بن ابی سفیان کو بلا لاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں چلا گیا۔ اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، مجھے اس سے کام ہے۔ میں (دوبارہ) گیا اور وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ وہ ابھی کھانا کھا رہے ہیں۔ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لا اشبع الله بطنه" یعنی اللہ تعالیٰ اس کے شکم کو سیر نہ کرے۔

اس روایت کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے والے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرخوری کی بددعا فرمائی تھی اور وہ کھانے سے سیر نہیں ہوتے تھے (یہ اخلاقی اعتبار سے ایک قبیح خصلت ہے)۔

ازالہ اشکال

اعتراض کو حل کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر توجہ کر لینے سے طعن مذکورہ بالا زائل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

اولاً...... اصل واقعہ ہذا دیگر روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قال اذهب فادع لی معاوية وكان كاتبه قال فسعيت فقلت اجب نبی الله صلی اللہ علیہ وسلم فانه على حاجة))[1]

---

[1] مسند امام احمد ص ۲۹۱ ج اتحت مسندات ابن عباسؓ

مسند امام احمد ص ۳۳۵ ج اتحت مسندات ابن عباسؓ، طبع مصر

''یعنی آنجناب ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو میرے لیے بلا لاؤ۔ معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب ﷺ کے کاتب اور منشی تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں دوڑ کر گیا اور امیر معاویہ کو جا کر میں نے کہا کہ آنجناب ﷺ آپ کو بلاتے ہیں، جناب کو ضرورت ہے، آپ حاضر خدمت ہوں۔''

اس روایت میں اصل واقعہ کی نشاندہی اچھی طرح ہوگئی کہ

① ایک تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بار بار روانہ کرنا اصل واقعہ میں شامل نہیں، ایک دفعہ ہی آنجناب ﷺ نے بھیجا ہے۔

② کلمہ "لا اشبع الله بطنه" کا فرمان بھی اصل واقعہ میں مذکور نہیں بلکہ بعد میں رواۃ کی طرف سے اضافہ شدہ جملہ ہے۔

روایت ہذا کے ذریعے سے ان ہر دو چیزوں کی سراغ رسانی ہوئی اور معلوم ہوا کہ اصل واقعہ اسی قدر ہے کہ جتنا کہ مسند احمد کی روایت میں مذکور ہے۔ لیکن بعض راویوں نے اس کو بڑھا کر طعن کی شکل میں ذکر کر دیا اور تعبیر راوی نے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

ثانیاً...... زیر بحث روایت میں مذکورہ تصرفات جس راوی کی طرف سے پائے گئے ہیں ان کا نام ''عمران بن ابی عطاء الاسدی الواسطی القصاب ابوحمزۃ'' ہے۔ اس راوی پر علمائے رجال نے نقد اور کلام کیا ہے:

① ((قال ابوزرعة لين وقال العقيلى لا يتابع على حديثه...... هو ضعيف))[1]

② ((قال ابوزرعة لين و ذكر له عقيلى حديثا استنكره))[2]

③ ((عن ابن عباس رضي الله عنهما لا يتابع على حديثه ولا يعرف الا به))[3]

''حاصل یہ ہے کہ ابوزرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کمزور ہے۔ عقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث پر متابعت نہیں پائی گئی...... یہ ضعیف ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو اس نے روایت نقل کی ہے اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہو سکی۔''

امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس چیز کو درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:

((وليس له عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبى ﷺ غير هذا الحديث...... هذا

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۳۹ ج ۳ تحت عمران بن ابی عطاء (طبع بیروت)

[2] المغنی (ذہبی) ص ۴۷۹ ج ۲ تحت عمران بن ابی عطاء (طبع بیروت)

[3] کتاب الضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۲۹۹ ج ۳ طبع جدید، تحت عمران بن ابی عطاء، ابوحمزہ قصاب

القصاب فله فی مسلم هذا الحدیث وحده ولا ذکر له فی البخاری))[1]

ثالثاً...... جستجو کرنے سے مزید یہ تصریح بھی دستیاب ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر پرخوری کا طعن اولاً قائم کرنے والے اور اس کار خیر کے نشر کرنے والے بھی یہی بزرگ ہیں اور یہ ان کا متفردانہ قول ہے اور راوی کا متفرد قول قابل اعتنا نہیں ہوتا۔

چنانچہ بلاذری رحمہ اللہ نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

((قال ابو حمزة فکان معاویة بعد ذالك لا یشبع))[2]

مسئلہ صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ اصل طعن ثبت کرنے والے یہی بزرگ ہیں۔ اسی بنا پر علمائے کبار نے فرمایا کہ اس مسئلے میں اس کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ یہ شخص ضعیف ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرنے میں متفرد ہے اور مسلم نے اس کی دیگر حدیث نہیں لی اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ذکر نہیں کیا۔[3]

بصورت دیگر اگر بالفرض روایت پر نقد اور تنقید سے قطع نظر کر لیا جائے اور اس جملہ کو برحال رکھا جائے تاہم اس جملہ کو بددعا پر محمول کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کے لیے دیگر محامل ہو سکتے ہیں۔ اس کی خاطر معروضات ذیل پر نظر فرمائیں:

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ الکبیر میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((کان معاویة ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا معاویة! ما یلینی منك؟ قال بطنی۔ قال اللهم املأه علما وحلما))[4]

''یعنی ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک سواری پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ارشاد فرمایا کہ تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا شکم آپ کے نزدیک ہے۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! اسے علم اور حلم (بردباری) سے پر فرما دے۔''

اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بطن کے لیے علم وحلم کی دعائے خیر فرمائی گئی ہے۔ یہ مذکورہ بالا روایت کے بالمقابل ہے کیونکہ اسی بطن کو اس روایت میں بددعا دی جا رہی ہے اور روایت ہذا میں اسی بطن کو

---

[1] شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ تحت باب من لعنه النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوسبه...... (طبع دہلی)

[2] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۶ ج ۴ ق ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع یروشلم۔

[3] شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ باب من لعنه النبی اوسبه اودعا علیه

[4] التاریخ الکبیر (بخاری) ص ۱۸۰ ج ۴ ق ۲ باب وحشی (وحشی حبشی) مولی جبیر بن مطعم۔

علم وحلم سے پر کرنے کی دعا فرمائی ہے۔ روایات کا تقابل خود اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں حقیقتاً بددعا مقصود نہیں۔

۲۔ نیز کسی مسلمان کو بددعا دینا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت مبارک کے خلاف ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم عموماً دعا ہی دیا کرتے تھے۔

۳۔ بلاقصور اور بغیر کسی غلطی کے بددعا کرنا شان نبوت کے خلاف ہے۔ اور خصوصاً فعل مباح پر بددعا کرنا تو عجیب تر بات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کھانے میں دیر لگانا نہ شرعاً برا ہے اور نہ اخلاقاً ناروا ہے۔ ایک فعل مباح پر ایسے زجر کے کلمات فرمانا عام دستور مبارک کے خلاف ہے۔

۴۔ کبار محدثین نے اس نوع کے کلمات کے محامل ذکر کرتے ہوئے ان کو زبان زد محاورات اور غیر ارادی کلمات کے درجے میں شمار کیا ہے۔ اہل لسان کے نزدیک ایسے کلمات بغیر قصد کے متکلم سے صادر ہوتے ہیں اور ان سے لغوی معانی مقصود نہیں ہوتے، مثلاً:

ثقلتك امك۔ عقری وحلقی۔ تربت یداك۔ علی رغم انفك وغیرہ وغیرہ۔ ان کلمات میں بددعا مقصود نہیں ہوتی۔ اسی نوع کے کلمات میں لا اشبع الله بطنه کو داخل کیا جاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ھذا دعاء لا یراد وقوعه بل عادة العرب التکلم بمثله علی سبیل التلطف..... ثم ھذا و امثال ذالك مثل تربت یداہ وثقلته امه مما یقع فی کلامھم لدلالة علی تھویل الخبر وان ما سمعه لا یوافقه لا للقصد الی وقوع مدلوله الاصلی والدلالة علی التماسه))[۱]

شرح مسلم نووی[۲] اور تطہیر الجنان[۳] لابن حجر مکی میں یہی مضمون منقول ہے۔

نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوۃ میں "ثقلتك امك" کے تحت یہ چیز ذکر کی ہے۔

((ای فقدتك امك وھو دعاء علیه بالموت علی ظاھرہ ولا یراد وقوعه بل ھو تأدیب و تنبیه من الغفلة وتعجیب وتعظیم للامر)) [۴]

"یعنی بظاہر تو یہ کلمات "موت کی بددعا" ہیں لیکن متکلم کے نزدیک اس کا وقوع مراد نہیں ہوتا بلکہ

۱۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ص ۳۷۲ ج ۵ باب خطبۃ یوم النحر، الفصل الاول طبع ملتان

۲۔ شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوسبہ ..... الخ، طبع دہلی

۳۔ تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) مع الصواعق المحرقۃ ص ۲۹ الفصل الثالث فی الجواب عن امور ..... الخ

۴۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ، علی بن سلطان محمد قاری ص ۱۰۶ ج ۱، تحت لفظ "ثقلتك امك" کتاب الایمان الفصل الثانی۔

اس قسم کی تادیب اور غفلت سے تنبیہ ہوتی ہے اور معاملہ کو قابل تعجب اور بڑا جتلانا مقصود ہوتا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ "لا اشبع اللہ بطنہ" کے کلمات بھی بطور تنبیہ یا تعجب وغیرہ کے ہیں، ان سے بددعا مراد نہیں۔

۵۔ نیز محدثین کرام اس روایت کی ایک عمدہ توجیہ ذکر کرتے ہیں اور وہ دیگر صحیح روایات کی روشنی میں بالکل درست ہے وہ اس طرح ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں انسان ہوں اور لوگوں کے ساتھ بعض دفعہ راضی ہوتا ہوں اور بعض اوقات ناراض ہو جاتا ہوں اور سخت کلمات بھی صادر ہو جاتے ہیں، تو میں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ شرط کر رکھی ہے کہ

((فایما احد دعوت علیه من امتی بدعوة لیس لها باهل ان تجعلها له طهورا وزکاة وقربة تقربه بها منه یوم القیامة))[1]

"یعنی فرمایا کہ میری امت میں سے جس کے خلاف میں ایسے کلمات کہہ دوں جن کا وہ مستحق نہیں ہے تو اے اللہ! (ایسی صورت میں) ان کلمات کو اس شخص کے حق میں پاک اور صاف کر دینے والے بنا دے اور قیامت کے دن ان کی نزدیکی اور تقرب کا باعث بنا دے۔"

پس فرمان ہذا کے اعتبار سے اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفرض بددعا کے طور پر یہ مذکورہ جملہ (لا اشبع اللہ بطنہ) ارشاد فرمایا ہو تو پھر بھی وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے باعث تطہیر ہوا اور قیامت میں تقرب کا سبب بنے گا۔

بہرکیف محدثین کرام نے اس مقام پر واضح الفاظ میں تصریح کر دی ہے کہ

((ان هذا الحدیث من مناقب معاویة الجلیلة لانه بان بما قررته انه دعاء لمعاویة رضی اللہ عنہ لا علیه وبه صرح الامام النووی))[2]

"یعنی یہ مذکورہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں گراں قدر مناقب میں سے ہے۔ کیونکہ

---

[1] مسلم شریف ص ۳۲۴ ج ۲ باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او سبہ او دعاء علیہ ..... الخ
مسند ابی یعلی الموصلی ص ۸۹ ج ۲ تحت مسندات ابی سعید خدری
شرح مسلم، نووی ص ۳۲۵ ج ۲ تحت الحدیث
اکمال اکمال المعلم شرح مسلم ص ۴۷ ج ۷ باب دعاہ صلی اللہ علیہ وسلم لمن دعا علیہ ..... الخ
تطہیر الجنان، ابن حجر مکی ص ۲۹ الفصل الثالث فی الجواب عن امور طعن علیہ ..... الخ
الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۳۵ تحت جواب طعن ثانی۔ طبع ملتان۔

[2] تطہیر الجنان واللسان مع الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۹ تحت الفصل الثالث۔

(جیسا کہ ہم نے اس کی تشریح لکھی ہے) یہ ان کے حق میں دعائے خیر ہے نہ کہ بددعا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔''

اور یہ دیگر شارحین مسلم شریف نے اسی طرح تحریر کیا ہے۔

⑥ ناظرین کرام! توجہ فرمائیں کہ اصل واقعہ جو روایت میں مذکور ہے اس سے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''اعتماد نبوی'' اور ''امانت داری'' عمدہ طریقہ سے ثابت ہوتی ہے اور یہ ان کی کمال خوش نصیبی ہے کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کتابت و انشاء کی خدمات جلیلہ سرانجام دیتے تھے اور اسی سلسلے میں اس موقع پر بھی بلائے گئے۔ لیکن مخالفین نے الٹا اس واقعہ کو اعتراض کی شکل دے دی اور اس سے ''پرخوری'' کا طعن تجویز کر لیا۔ (فیا للعجب) سچ ہے کہ

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است

بسر بن ارطاۃ کے مظالم کے متعلقات

اعتراض قائم کرنے والے احباب بسر بن ارطاۃ کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے اس موقع پر درج ذیل واقعہ لکھتے ہیں:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ حجاز و یمن پر آپ کے چچا زاد برادر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حاکم تھے۔ اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو اس علاقے کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ جب بسر بن ارطاۃ اس علاقہ میں پہنچا تو اس نے بہت مظالم کیے اور کئی لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور کوفہ چلے گئے تو بسر بن ارطاۃ نے ان کے دو صغیر السن فرزندوں عبدالرحمٰن اور قثم کو قتل کر ڈالا جن کا کوئی قصور نہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کے مظالم پر کوئی کارروائی نہیں کی اور اسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس طرح انھوں نے اپنے حکام وولاۃ کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور قانون کی بالاتری کا خاتمہ کیے ہوئے تھے۔

شبہ کا ازالہ

مندرجہ بالا اعتراضات کو صاف کرنے کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں پر نظر فرمائیں، امید ہے کہ ان شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔

جس دور میں یہ واقعات مذکورہ بالا پیش آئے ہیں وہ ایک ابتلائی دور تھا اور اس میں ہر ایک فریق دوسرے سے مسابقت اور تجاوز کرنے کی کوشش میں تھا۔ ہر فریق ایک دوسرے کے علاقے پر اپنے ہم نوا لوگوں کی حمایت پر زور دے رہے تھے۔ ان حالات میں بعض دفعہ زیادتیوں اور مظالم کا پایا جانا ایک فطرتی امر ہے اور ہر ایک فریق سے اس نوع کی ناروا کارروائیوں کا صادر ہونا کچھ بعید نہیں۔

نیز یہ چیز بھی ہے کہ بسر بن ارطاۃ وغیرہ کے مظالم جو معترض دوستوں نے ذکر کیے ہیں اسی نوع کے واقعات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت کی طرف سے بھی بعض اوقات پائے گئے ہیں اور ان لوگوں کے تجاوزات اور زیادتیوں پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی گرفت اور مواخذے کا ذکر ہماری معلومات کی حد تک نہیں پایا جاتا۔ مورخین نے اس نوع کے چند ایک واقعات نقل کیے ہیں، ان پر نظر فرمالیں:

① مثلاً مورخین نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جو بنی فزارہ کے ایک شخص کے قتل کے متعلق ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی معاون اشتر نے لوگوں کو اہل شام کے خلاف قتال پر آمادہ کرنا چاہا تو بنی فزارہ کے ایک شخص اربد نے اس معاملے میں مخالفت کی۔ اس پر اشتر اٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں سے کہا کہ فزاری کو پکڑو، جانے نہ پائے۔ اربد بھاگ کھڑا ہوا اور بازار کے ایک مکان میں جا داخل ہوا۔ اشتر کے آدمیوں نے اسے وہاں جالیا اور لاتوں مکوں اور تلوار کی میانوں سے خوب مارا، حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ اسے ہمدانیوں نے قتل کیا اور کچھ دوسرے لوگ بھی شامل تھے۔ آپ نے فرمایا یہ بلوہ میں قتل ہوا ہے اور اس کا قاتل مشتبہ ہے، متعین نہیں۔ چنانچہ اس کی دیت مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کی جائے۔

مشہور شیعی مورخ نصر بن مزاحم کہتا ہے کہ:

((فقام الاشتر فقال من لهذا ايها الناس! وهرب الفزاری واشتد الناس على اثره فلحق بمكان من السوق تباع فيه البرازين فوطوه بارجلهم وضربو بايديهم ونعال سيوفهم حتى قتل فاتى على فقيل يا امير المومنين! قتل الرجل قال ومن قتله؟ قالوا قتله همدان و فيهم شوبة من الناس فقال قتيل عمية لا يدرى من قتله ديته من بيت مال المسلمين))[1]

② اسی طرح مورخین لکھتے ہیں کہ بصرہ کے علاقے سے جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کوفہ کی طرف تشریف لے گئے تو زیاد کو اپنا قائم مقام چھوڑا۔ اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو حضرمی ایک مکتوب اہل بصرہ کے لیے لائے جس میں ان کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے تعاون کا جو اقرار تھا اس کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ عبداللہ بن عمرو حضرمی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب لے کر بصرہ میں بنی تمیم کے ہاں آ کر ٹھہرے اور انھوں نے انھیں پناہ دی۔ اس دوران میں زیاد کے ساتھ بنی تمیم کا تنازع اور معارضہ ہوا جس میں بنی تمیم کا ایک شخص مارا گیا۔ زیاد نے ان حالات سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا۔

((فبعث عند ذالك على جارية بن قدامة التميمى فى خمسين رجلا الى قومه بنى تميم...... وقصده جارية فحصره فى دار هو وجماعة معه...... فحرقهم بالنار......))[2]

---

[1] وقعۃ الصفین (نصر بن مزاحم المنقری الشیعی الرافضی) ص ۱۰۵-۱۰۶ طبع مصر (تحت مقتل اربد الفزاری خطبۃ الاشتر)

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۶ ج ۷ تحت واقعہ ہذا، سنہ ۳۸ھ

''یعنی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو اس کی قوم کی طرف پچاس آدمیوں کے ہمراہ بھیجا تا کہ بنی تمیم عبداللہ بن عمرو حضرمی کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ مگر بنی تمیم اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور ابن حضرمی کی حمایت پر قائم رہے۔ اس وقت جاریہ بن قدامہ نے حضرمی اور ان کے ساتھیوں کا ایک گھر میں محاصرہ کر لیا (بعض کہتے ہیں کہ وہ چالیس افراد تھے اور بعض کے نزدیک ان کی تعداد ستر تھی) اور ان تمام کو آگ میں جلا دیا۔''

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس واقعہ کو بالفاظ ذیل کیا ہے:

((فاحرق عليه الدار فاحترق فيها خلق))[1]

''یعنی جس گھر میں عبداللہ بن عمرو حضرمی اور ان کے ساتھی تھے اس کو جاریہ بن قدامہ نے جلا ڈالا اور ایک مخلوق اس میں جل کر راکھ ہو گئی۔''

(۳) فتنہ اور ابتلائی دور کا ایک اور مشہور واقعہ مورخین اس طرح ذکر کرتے ہیں (جس طرح کہ سوال میں معترض نے ذکر کیا) کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو علاقہ حجاز کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ جب یہ یمن پہنچا تو عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی یمن سے معارضہ ہوا۔ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مقابلے کی تاب نہ لا کر کوفہ چلے گئے۔ بعد میں بسر بن ارطاۃ نے کئی مظالم کیے حتیٰ کہ بقول مورخین اس نے عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو صغیر السن فرزندوں عبدالرحمٰن اور قثم کو قتل کر ڈالا۔ بسر کے مقابلے اور جوابی کارروائی کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو روانہ کیا۔

طبری لکھتے ہیں:

((فسار جارية حتى اتى نجران فحرق بها واخذ ناسا من شيعة عثمان فقتلهم وهرب بسر واصحابه منه واتبعهم حتى بلغ مكة))[2]

''یعنی جب جاریہ بن قدامہ نجران پہنچا تو اس نے وہاں لوگوں کو جلا ڈالا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بے شمار حامیوں کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ جاریہ نے ان کا مکہ تک تعاقب کیا۔''

اور ذہبی رحمہ اللہ نے اس چیز کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((فبعث جارية هذا فجعل لا يجد احدا خلع عليا الا قتله وحرقه بالنار حتى

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۴ ج ۲ تحت ترجمہ جاریہ بن قدامہ

[2] تاریخ ابن جریر طبری ص ۸۰-۸۱ ج ۶ تحت توجیہ معاویہ بسر بن ارطاۃ سنہ ۴۰ھ
البدایہ ص ۳۲۲ جلد ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

انتھی الی الیمن فسمی محرقا))[1]

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جاریہ بن قدامہ کو روانہ فرمایا۔ جاریہ یمن پہنچا۔ جس شخص کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف معلوم کرتا اس کو قتل کر دیتا تھا اور آگ میں جلا دیتا تھا۔ اس بنا پر لوگ جاریہ کو محرق کہنے لگے (یعنی جلا ڈالنے والا)۔''

جاریہ بن قدامہ کے اس قتل عام اور مظالم کو قدیم شیعہ مورخین یعقوبی و مسعودی وغیرہ نے بھی اپنے انداز میں ذکر کیا ہے:

((وقتل من اصحابه خلقا واتبعهم بقتل واسر حتى بلغ مكة))[2]

''یعنی بسر کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت کو جاریہ نے قتل کیا اور قید کیا اور یہ سلسلہ اس نے جاری رکھا حتیٰ کہ مکہ پہنچا۔''

مدینہ میں فساد

جاریہ بن قدامہ حسب معمول قتل و غارت کرتا ہوا مدینہ شریف پہنچا۔ یہاں ان ایام میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جاریہ کے قتل و غارت کے متعلق سن چکے تھے اس لیے جب جاریہ بن قدامہ وہاں پہنچا تو آپ مدینہ شریف سے فرار ہو گئے۔ جب جاریہ کو آپ کے فرار کی خبر ملی تو وہ کہنے لگا: اگر میں ابوسنور (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) پر قابو پا لیتا تو اس کی گردن اڑا دیتا۔

جاریہ نے اہل مدینہ سے کہا کہ جناب حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کے لیے بیعت کرو۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے حکم پر بیعت کی پھر یہ مدینہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے اور حسب معمول نمازیں پڑھانے لگے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ

((ثم سار حتى اتى المدينة وابوهريرة يصلي بهم فهرب منه فقال جارية والله لو اخذت ابا سنور لضربت عنقه ثم قال لاهل المدينة بايعوا لحسن بن علي فبايعوه واقام يومه ثم خرج منصرفا الى الكوفة وعاد ابوهريرة فصلى بهم))[3]

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص۲۱۴ ج۲ (سنہ ۵۰ھ) تحت تراجم اہل ہذہ الطبقہ ترجمہ جاریہ بن قدامہ

[2] تاریخ یعقوبی شیعی ص۱۹۹ ج۲ تحت حالات بسر بن ارطاۃ

مروج الذہب (مسعودی شیعی) ص۳۱ ج۳ تحت ذکر ایام معاویہ بن ابی سفیان

[3] تاریخ ابن جریر طبری ص۸۱ ج۲ تحت توجیہ معاویہ بسر بن ارطاۃ سنہ۴۰ھ

البدایہ (ابن کثیر) ص۳۲۲ ج۷ تحت سنہ۴۰ھ

نتائج وفوائد

گزشتہ واقعات کی روشنی میں مندرجہ ذیل چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

① بنی فزارہ کے ایک شخص اربد کا قتل اشتر نخعی کے لوگوں کو برانگیختہ کرنے پر وقوع پذیر ہوا۔ حالانکہ وہ گردن زدنی سزا کا مستحق نہیں تھا۔ پھر اس کی دیت کا مسئلہ آیا تو قتل پر ابھارنے والوں اور قتل کرنے والوں سے دیت نہیں دلوائی گئی بلکہ مسلمانوں کے بیت المال سے دلوائی گئی۔ لیکن اسی نوع کا معاملہ اگر حضرت امیر معاویہ ؓ کے دور میں پایا جاتا ہے اور معاملہ مشتبہ ہونے کی بنا پر دیت مسلمانوں کے بیت المال سے دلوائی جاتی ہے تو معترضین حضرت معاویہ ؓ پر بیت المال سے دیت ادا کرنے کا طعن قائم کرتے ہیں اور حضرت علی ؓ کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے۔ دراصل حضرت معاویہ ؓ پر بھی طعن قائم نہیں کیا جانا چاہیے جس طرح حضرت علی ؓ پر اس مقام پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس موقع کے واقعات کو ان حضرات کی صوابدید پر چھوڑنا مناسب ہے۔

② عبداللہ بن عمرو حضرمی کے واقعے میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ بنی تمیم کا عمرو بن عاص ؓ کے ساتھ عہد کا مسئلہ تھا جو بظاہر حضرت علی ؓ کے خلاف تھا لیکن وہ اس کا خلاف نہیں کرنا چاہتے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے فرستادہ شخص جاریہ بن قدامہ نے کم وبیش چالیس یا ستر آدمیوں کا محاصرہ کر کے جلا ڈالا اور بقول بعض مورخین ایک بڑی مخلوق کو نذر آتش کر دیا۔ مختصر یہ ہے کہ بنی تمیم کا نظریاتی اختلاف تھا۔ وہ حضرت علی ؓ کے خلاف رائے رکھتے تھے۔ اسلام میں اس جرم کی سزا کیا احراق وتحریق ہے؟

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ اپنی جگہ پر ایک بڑا سنگین واقعہ ہے۔ اس میں بھی مورخین کے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے نہ اس شخص (جاریہ بن قدامہ) سے باز پرس کی نہ کوئی سزا دی اور نہ اسے معزول ہی کیا۔

اسی طرح کا مسئلہ اگر حضرت معاویہ ؓ کے دور خلافت میں پیش آجائے تو معترض احباب طعن و تشنیع کرتے کرتے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ آخر اس یکطرفہ طریق کار کی وجہ کیا ہے؟

③ تیسرا واقعہ بسر بن ارطاۃ کے مقابلے کے لیے جاریہ بن قدامہ کا علاقہ یمن میں پہنچنا اور لوگوں کو جلا ڈالنا اور شیعان عثمان کو پکڑ کر قتل کر ڈالنا یہ اپنی جگہ اگرچہ جوابی کارروائی ہے مگر شیعان عثمان کو بے دریغ جلانا اور قتل کر ڈالنا جاریہ بن قدامہ کے مظالم اور تجاوزات سے ہیں جن پر حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی طرف سے کوئی محاسبہ یا گرفت اور کوئی سزا یا سرزنش ہمارے مطالعہ کی حد تک مورخین نے ذکر نہیں کی۔

مدینہ شریف میں حضرت ابوہریرہ ؓ کے خلاف جاریہ بن قدامہ کا یہ کہنا کہ اگر میں اس پر قابو پالیتا تو گردن اڑا دیتا، یہ گردن اڑا دینا آپ کے کون سے جرم کی شرعی سزا ہے؟

بسر بن ارطاۃ کے مظالم ذکر کرنے والے حضرات کو جاریہ بن قدامہ کے اس قسم کے تجاوزات اور مظالم کیا نظر نہیں آتے؟ اور اشتر نخعی کے تجاوزات اور اس کی چیرہ دستیاں معترض احباب کو فراموش ہو جاتی ہیں جو مورخین نے ذکر کی ہیں؟ اگر یہ لوگ اپنی فطرت سے مجبور ہیں تو ان کو دونوں طرف نظر ڈالنی چاہیے اور طعن کے معاملے میں ان کو توازن قائم رکھنا چاہیے۔ ہمارا مشورہ تو معترض احباب کے لیے یہ ہے کہ دونوں جانب اعتراض کرنے سے اجتناب کریں اور ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔

انتباہ

ما قبل میں ناظرین نے تاریخی روایات کی روشنی میں چند واقعات ملاحظہ کر لیے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات دونوں فریق کے خلاف اعتراضات قائم کرنے کے لیے تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس مقام پر ہمارا موقف اور مسلک یہ ہے کہ ہم ایسے تاریخی واقعات کو جو کسی طرح بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت عظمت اور علو مرتبت کے منافی ہوں اور ان سے عیب اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں سمجھتے خواہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اس نوع کی تاریخی روایات سے بالاتر ہے اور ان سے صحابہ کے دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

تنبیہ

معترض احباب نے مذکورہ واقعہ کو بڑی اہمیت دی ہے جس میں عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صغیر السن فرزندوں (عبدالرحمٰن اور قثم) کو قتل کر دینا مذکور ہے۔ اس کے متعلق ہم یہاں چند چیزیں ذکر کرنا چاہتے ہیں جس سے اس واقعہ کا بے اصل ہونا واضح ہو جائے گا:

① پہلی چیز یہ ہے کہ اکابر مورخین نے اس مقام پر بسر کے حالات کو تو ذکر کیا ہے مگر بچوں کا یہ قتل بالکل ذکر نہیں کیا:

(الف) تاریخ خلیفہ ابن خیاط تحت سنہ ۴۰ھ تحت واقعہ ہذا

(ب) طبقات ابن سعد ج ۷ قسم ثانی تحت بسر بن ارطاۃ

(ج) نسب قریش (مصعب زبیری) تحت حالات عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(د) الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۳۰-۴۳۱ ج ۲ تحت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

مندرجہ بالا اکابر مورخین و محدثین نے بسر کا واقعہ ہذا اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عامل یمن ہونا وغیرہ تحریر کیا ہے مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی فرزندوں کے قتل کا واقعہ ذکر نہیں کیا حالانکہ ایسے دردناک واقعہ کا ذکر کرنا نہایت اہم اور ضروری تھا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس واقعہ کو نقل کرنے والوں میں اونچا بزرگ ابن جریر طبری ہے جس نے ۴۰ھ کے تحت بچوں کے قتل کا یہ واقعہ ذکر کیا ہے اور طبری نے روایت ہذا کی جو سند ذکر کی ہے (عن زیاد بن عبداللہ البکائی عن عوانہ قال ارسل معاویۃ) اس میں واضح انقطاع پایا جاتا ہے۔ مذکورہ رواۃ میں سے عوانہ (ابن الحکم) کی وفات بقول بعض مورخین ۱۴۷ھ اور بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ۱۵۸ھ میں ہے جبکہ واقعہ ہذا بقول طبری ۴۰ھ میں پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ عوانہ اس کے بعد ایک سو سات سال اور زندہ رہا۔ اگر یہ نہیں تو پھر عوانہ مذکور اس واقعہ کے حاضرین میں سے یا اس کے براہ راست ناقلین میں سے نہیں ہے۔ فلہٰذا ایسی منقطع روایت سے واقعہ کا اثبات اور پھر اس سے اعتراض کا تیار کرنا درست نہیں۔ اس انقطاع کے دوران میں معلوم نہیں کس قسم کے لوگ واقعہ کو نقل کرنے والے ہیں۔ بنا بریں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) پھر اس کے بعد قابل ذکر چیز یہ ہے کہ ابن جریر طبری اور اس سے ناقلین نے اس واقعہ کو بڑی، آب و تاب سے ذکر کیا ہے لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے کبار علماء نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

((ھذا الخبر مشھور عند اصحاب المغازی والسیر وفی صحتہ عندی نظر ...... واللہ تعالی اعلم))[1]

''یعنی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ (فرزندوں) کے قتل کی خبر اگرچہ علمائے مغازی و سیر کے ہاں شہرت یافتہ ہے لیکن میرے نزدیک اس کا صحیح ہونا مشتبہ اور قابل تامل ہے۔''

وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے ناقلین میں ابن جریر طبری ہے (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) اور ابن انباری، مبرد، ابن کلبی اور ابن وردی اور مدائنی وغیرہم اس قسم کے واقعات کو نقل کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اس قسم کے بے اصل قصہ جات کو بہت بنا سجا کر نقل کیا کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اس نوع کی روایات پر اخباری لوگ ہی اعتماد کر سکتے ہیں۔ محدثین اور اہل دین ان کی اس نوع کی مرویات پر اعتماد نہیں کرتے اور نہ قابل وثوق سمجھتے ہیں۔

(۱) اور یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ جس وقت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اسی سال ۴۰ھ میں مصالحت ہوئی تھی اس وقت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کے ناحق قتل کے متعلق ان کے قصاص اور دیت وغیرہ کا مسئلہ کیوں پیش نظر نہیں رکھا گیا؟ اور اس کے تصفیہ کے بغیر صلح کیسے تسلیم کر لی گئی؟ حالانکہ یہ اس دور کا بڑا اہم اور سنگین معاملہ تھا۔

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ اس مصالحت کا ذکر ہم قبل ازیں اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۲۶

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ تحت واقعات ہذا

پر کر چکے ہیں اور حوالہ جات بھی وہاں لکھ دیے ہیں۔ مورخین ابن جریر، ابن اثیر، ابن کثیر وغیرہ ان تمام لوگوں نے یہ مصالحت درج کی ہے۔

(۴) نیز یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی اور اس کے بعد حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی باقاعدہ صلح ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں ہوگئی اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کا پورا معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اس صلح میں جناب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بڑی اہم شرائط پیش کی گئیں۔ اس وقت بھی ان چچا زاد صغیر السن بچوں کے ناحق قتل پر دیت اور طلب قصاص وغیرہ کا کوئی مطالبہ پیش نہیں کیا گیا۔ حالانکہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تا حال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مقامات پر حاکم اور والی تھے بلکہ بقول ابن اثیر جزری رحمہ اللہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس صلح میں خود حاضر تھے۔

((وانما کان الذی شهد صلح الحسن عبیدالله بن عباس رضی الله عنهما))[1]

یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا اور ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ اس پر گفتگو کے بغیر صلح کا معاملہ کس طرح طے کر لیا گیا؟ فافہم

ایک لطیفہ

اس مقام پر شیعہ کے علمائے رجال متقدمین و متاخرین نے عبیداللہ بن عباس کے متعلق ایک ایسا واقعہ ذکر کیا ہے جو کسی طرح بھی لطیفہ سے کم نہیں۔

شیعہ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اپنے چچا زاد برادر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک پرچم دے کر بطور امیر جیش ایک مقام کی طرف روانہ فرمایا۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ فلاں مقام پر پہنچے ہیں تو آپ نے ایک لاکھ درہم عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ارسال کیے۔ اس کے بعد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہی علم ساتھ لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے اور ان کے ساتھ لاحق ہو گئے۔ اس حالت میں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا لشکر بغیر قائد و امیر کے رہ گیا۔

((فبعث الیه معاویة بمائة الف درهم فمر بالرایته ولحق بمعاویة وبقی العسکر بلا قائد ولا رئیس))[2]

ہم اس بات کی طرف نہیں جاتے کہ شیعہ علماء نے کس انداز سے اکابر ہاشمی حضرات کی کردار کشی کی ہے

---

[1] الکامل، ابن اثیر جزری ص ۱۹۴ ج ۳ تحت ذکر فراق ابن عباس البصرہ

[2] رجال کشی ص ۷۰ تحت عبیداللہ بن عباس طبع قدیم ممبئی

رجال مامقانی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت عبیداللہ بن عباس، طبع اول تہران۔

اور ان کے مقام اخلاق کو کس طرح گرایا ہے۔ یہ مسئلہ ان کے سپرد ہے۔ ہم اس واقعہ سے یہ تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کا ناحق قتل ہو چکا تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارندوں نے ہی کیا تھا تو پھر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیسے مل گئے؟ کیا ان کی دیانت اور اخلاق کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی اور عزیز فرزندوں کے ناحق قتل کی کچھ اہمیت نہ تھی؟

④ مزید قابل غور یہ بات بھی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے بعد اکابر ہاشمی حضرات مع عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسب دستور عمدہ تعلقات قائم رکھے ہوئے تھے۔ ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی طرف سے ہدایا و عطایا وصول کرتے تھے۔

یہ چیزیں بھی واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کے قتل کا واقعہ بے اصل ہے اور تاریخی افسانہ کے درجے میں ہے۔ ناظرین کرام مطلع ہوں کہ اکابر ہاشمی حضرات کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات کو ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۸۷ سے ص ۲۰۹ تک ذکر کر دیا ہے، تسلی کے لیے رجوع فرما سکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ واقعات بھی اس بات کا قرینہ ہیں کہ اگر کوئی اس قسم کا سفاکانہ و ظالمانہ قتل خصوصاً معصوم بچوں کا قتل ہو چکا تھا تو اس کو کیسے فراموش کر دیا گیا؟ اور اپنے مفادات کو مقدم رکھتے ہوئے مندرجہ نوعیت کے تعلقات کس طرح استوار کر لیے گئے؟ ناظرین کرام غور فرمائیں۔

⑤ نیز علمائے انساب نے ایک رشتہ ذکر کیا ہے جو عبیداللہ بن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے خاندان میں پایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی لبابہ کا رشتہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عباس کے ساتھ تھا پھر ان سے اولاد ہوئی۔ لیکن جب وہ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے تو اس کے بعد لبابہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر زادے ولید بن عتبہ ابی سفیان سے شادی کر لی۔ وہ اس وقت مدینہ اور مکہ کے والی تھے۔ اور پھر ان سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

((واما لبابة بنت عبيدالله (بن عباس) فانها كانت عند عباس بن على بن ابى طالب فولدت له فقتل عنها مع حسين بن على، فتزوجها الوليد بن عتبة بن ابى سفيان وهو يومئذ وال على المدينة ومكة، فولدت له القاسم بن الوليد بن عتبة بن ابى سفيان))[1]

---

[1] کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۳۲ تحت اولاد عبیداللہ بن عباس، و ص ۱۳۳ تحت ولد عتبہ بن ابی سفیان، طبع مصر
کتاب المحبر (ابو جعفر بغدادی) ص ۴۴۱
(شیعہ) حواشی عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عنبہ جمال الدین) ص ۴۳ تحت اولاد جعفر بن ابی طالب طبع نجف اشرف

یہ رشتہ داری بھی اس چیز کا قرینہ ہے کہ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حاکم بسر نے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے فرزندوں کے قتل کا ظلم کیا تھا تو پھر یہ رشتہ داری کیسے قائم ہوئی؟ لبابہ نے اپنے بھائیوں کے قاتل خاندان کے ساتھ رشتہ داری کس طرح قبول کر لی؟ اور خود عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیسے آمادہ ہو گئے؟ یہ چیز قابل غور ہے۔ نیز یہ نسبی تعلق ہم نے قبل ازیں اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۲۸-۱۲۹ پر بھی ذکر کر دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ فرزندوں کے قتل کا واقعہ بے بنیاد ہے۔

(۶)

ماقبل میں چند ایک قرائن ''کم سن فرزندوں کے قتل'' کے واقعہ کے بے اصل ہونے پر ہم نے ذکر کیے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک بیان ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر بطور تبصرہ کے ہے اور ان کی صفائی کے متعلق ہے۔ اس سے بھی یہی چیز واضح ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے برادر زادوں کے قتل کا قصہ بے اصل اور بے سروپا ہے۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ

((ان ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لله در ابن هند ولينا عشرين سنة فما اذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانة منه لعرضه واعراضنا، ولقد كان يحسن صلتنا ويقضى حوائجنا))[1]

''یعنی (عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ امیر معاویہ کی خوبی اور خیر کثیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ قریباً بیس سال ہمارے والی اور حاکم رہے۔ اپنی اور ہماری عزت کے تحفظ کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے، خواہ وہ منبر پر تھے یا فرش پر، ہمیں کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہیں پہنچائی۔ انھوں نے ہمارے ساتھ صلہ رحمی اچھی طرح قائم رکھی اور ہماری ضروریات کو پورا کرتے رہے۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس بیان سے جس طرح آپ کے کم سن برادر زادوں کے قتل کا تاریخی افسانہ بے سروپا معلوم ہوتا ہے اسی طرح منبروں پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف سب وشتم کی روایات کا بے اصل اور غلط ہونا بھی واضح ہو رہا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اگر یہ واقعات صحیح ہوتے اور ان میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ایسے صفائی کے بیانات کیسے دے سکتے تھے؟

آخر میں گزارش ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے قتل مذکور کے حق میں جو کلمات "فی صحته عندی نظر" فرمائے ہیں (جیسا کہ اوپر ہم نے درج کر دیا ہے) وہ بجا طور پر صحیح اور درست معلوم ہوتے ہیں۔

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۸ قسم اول جزء رابع تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (طبع یروشلم)

حاصل کلام یہ ہے کہ معترض حضرات نے عہد معاویہ میں ''قانون کی بالاتری کا خاتمہ'' کے تحت کم سن بچوں کے قتل کا جو واقعہ نقل کیا ہے اور اس پر اعتراض کی بنیاد قائم کی ہے وہ واقعہ ہی بے اصل ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ فلہذا اعتراض ساقط ہے۔ ان بزرگوں نے تاریخی بے سرو پا روایات کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ (انما للامرء ما نوی)

لونڈیاں بنانے کا اعتراض

بسر بن ارطاۃ کی کارگزاریوں کی بنا پر اس مقام پر معترض دوست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اور طعن قائم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال اور سپہ سالار شرعی احکام کے پابند نہیں تھے اور ان کو ظلم و زیادتی کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ چنانچہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک سپہ سالار بسر بن ارطاۃ نے اہل ہمدان پر حملہ کر کے یہ ظلم عظیم کیا کہ وہاں آزاد مسلمان عورتیں قید کی گئیں، انھیں لونڈیاں اور باندیاں بنالیا گیا، حالانکہ شریعت میں اس کا کوئی جواز نہیں۔ یہ شرعی احکام کی خلاف ورزی ہے۔

جواب

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ بسر بن ارطاۃ کے متعلق قبل ازیں چند چیزیں ذکر ہو چکی ہیں۔ ہم اس کی معصومیت کے قائل نہیں ہیں اور نہ اس بات کے دعویدار ہیں کہ اس سے کسی ظلم و زیادتی کا صدور نہیں ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے انتظامی معاملات میں کئی غلطیاں صادر ہوئی ہوں۔

اس گزارش کے بعد ہم مندرجہ بالا اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور پیش کرتے ہیں ان سے اعتراض کی خفت اور سبکی نمایاں ہو جائے گی:

① معترض حضرات نے اس واقعہ پر کتاب الاستیعاب لابن عبدالبر کا حوالہ دیا ہے۔ الاستیعاب لابن عبدالبر کی تاریخی مرویات کے متعلق قبل ازیں ہم "طلقاء کی بحث" میں مقدمہ ابن صلاح کا حوالہ درج کر چکے ہیں اور اس سے استیعاب کی تاریخی مرویات کا عدم وثوق کا درجہ معلوم ہو چکا ہے۔ اب مزید برآں اسی نوع کا کلام استیعاب کی تاریخی مرویات کے متعلق اکابر علماء سے نقل کرتے ہیں:

اصول حدیث کی کتاب تقریب النووی میں امام نووی رحمہ اللہ نے اور اس کی شرح تدریب الراوی میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے درج ذیل الفاظ میں تنقید ذکر کی ہے:

((ومن احسنها واكثرها فوائد الاستيعاب لابن عبد البر لو لا ما شانه بذكر ما شجر بين الصحابة وحكاية عن الاخباريين))

اور شارح مذکور نے مذکورہ بالا عبارت پر مزید درج ذیل الفاظ کا اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((والغالب علیهم الاكثار والتخليط فيما يروونه))[1]

''یعنی ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب ''الاستیعاب'' (معرفت صحابہ میں) بڑی عمدہ اور کثیر الفوائد تالیف ہے لیکن اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات کی کثیر چیزوں کے متعلق (محدثین کے ماسوا) اخباری لوگوں کی حکایات ذکر کر کے مصنف نے اپنی کتاب کو داغدار بنا دیا ہے۔ اخباری لوگوں کی روایات میں مواد کی کثرت اور تخلیط پائی جاتی ہے۔''

اس فن کے اکابر حضرات کے بیانات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استیعاب کے تاریخی قصوں کا کوئی وزن نہیں ہے اور نہ یہ قابل وثوق ہیں فلہٰذا ان کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن پیدا کرنا اور اعتراض کی بنیاد بنانا درست نہیں ہے۔

نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا یہ واقعہ اس مقام پر التاریخ لابن جریر طبری، الکامل لابن اثیر جزری اور البدایہ لابن کثیر وغیرہ میں مفقود ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک ان میں اس کا کوئی ذکر تک نہیں مل سکا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کے ہاں بھی لونڈیوں والا یہ واقعہ کوئی متفق علیہ امر نہیں ہے بلکہ بعض تواریخ میں ہے جسے لوگوں نے آگے نقل کر دیا اور صاحب استیعاب نے اس کو ذکر کیا۔ پھر استیعاب کی یہ روایات بھی بعض تو منقطع ہیں اور بعض کے راوی مجروح پائے جاتے ہیں۔ پس یہاں سے محل طعن والی مرویات کی خفت و بکی واضح ہو رہی ہے۔

④　نیز گزارش یہ ہے کہ بسر بن ارطاۃ کے مظالم کے متعلق تاریخی روایات میں بے شمار چیزیں مورخین نے ذکر کی ہیں اور ان کے صدق و کذب کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مواد کس قدر صحیح ہے اور کیا کچھ غلط اور بے اصل ہے۔

جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے دراصل یہ دور حضرت معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں فریقین کے لیے ابتلا کا دور تھا۔ اس دور میں کئی قسم کے مسابقات اور تجاوزات کے واقعات پیش آئے اور کئی چیزیں مدافعانہ طور پر پیش آتی رہیں جن کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر کے تجزیہ کرنا کسی صورت میں سہل نہیں۔ چنانچہ کبار علماء اس مقام پر فرماتے ہیں کہ

((وقد ذكرت الحادثة فى التواريخ فلا حاجة الى الا طالة))[2]

''یعنی یہ واقعہ (لونڈیاں بنانے کا) تواریخ میں مذکور ہے اس کی طوالت کی طرف جانے کی حاجت

---

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی (سیوطی) ص ۳۹۵، طبع مصر تحت النوع التاسع والثلاثون (۳۹)۔

[2] اسد الغابہ ص ۱۸۰ ج ۱ تحت بسر بن ارطاۃ۔

نہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ یہ تاریخی طول طوال قصے ہیں جو قابل اعتماد اور لائق توجہ نہیں۔ علماء کے نزدیک یہ دور فتن اور ابتلاء کا دور شمار کیا جاتا ہے اسی بنا پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے محتاط علماء نے نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((وله اخباره شهيرة في الفتن لا ينبغي التشاغل بها))[1]

''یعنی بسر بن ارطاۃ کے متعلق اس فتن کے دور میں کئی تاریخی روایات مشہور ہیں ان کے ساتھ مشغول ہونا مناسب نہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی خبروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا فلہٰذا ان کو درخور اعتناء نہیں سمجھنا چاہیے، ان سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں ہوگا۔

نیز یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتلائی دور کے متعلق ہے۔ ان چیزوں کی اطلاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی یا نہ ہوئی اور پھر انھوں نے اس کا کوئی تدارک اور ازالہ کیا یا نہ کیا، تاریخ اس سلسلے میں ہماری معلومات کی حد تک خاموش ہے۔ اور شرعی قواعد کے خلاف کوئی واقعہ اس قسم کا ہوا ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی گرفت نہ کی ہو، یہ ان کی دیانت سے بہت بعید ہے۔

اسی طرح بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دور میں موجود تھے ان سے بھی آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنائے جانے پر کوئی نقد اور اعتراض تواریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزرا اور شرعی قواعد کی خلاف ورزی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاموش رہنا بعید از قیاس اور عادت جاریہ کے برخلاف ہے۔ اگر حقیقت میں اس نوع کا خلاف شرع کوئی امر پایا جاتا تو اس پر نکیر ضرور کی جاتی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ مورخین نے ایک تاریخی قصے کے طور پر ذکر کر دیا ہے ورنہ اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ فلہٰذا ایسے بے اصل اخباری قصوں کو بنیاد بنا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بالواسطہ طعن قائم کرنا اور ان کی شان دیانت کو داغدار کرنا کسی طرح درست نہیں۔

[1] الاصابہ (مع الاستیعاب) ص ۵۲ ج ا تحت بسر بن ارطاۃ

ملوکیت کے متعلق ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے بعد خلافت، خلافت نہیں رہی بلکہ اس نے ملوکیت کی صورت اختیار کر لی۔ یا دوسرے لفظوں میں بعد والے خلفاء نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا۔ شبہ ہذا کے دلائل میں معترضین نے کئی چیزوں کو اپنے زعم کے اعتبار سے بطور شواہد کے پیش کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بعض احادیث کی روایات کو اپنے دعویٰ کی تائید اور اعتراض کی توثیق میں ذکر کیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو ایک سیاہ دور کی شکل میں ذکر کیا ہے اور بری بادشاہت اور قبیح ملوکیت سے تعبیر کیا ہے۔ معترض احباب کے یہ مغالطات ہیں ان کے ازالہ کے لیے چند اشیاء پیش خدمت ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں۔

ازالہ

معترضین اپنے اعتراض کی تائید میں جو روایت پیش کرتے ہیں اس کا پہلے مفہوم اور محمل ذکر کرنا مناسب خیال کیا جاتا ہے تاکہ ان کی طرف سے جو وزنی دلیل ہے اس کی خفت اور استدلال اور استشہاد کی کمزوری واضح طور پر معلوم ہو جائے۔ اس کے بعد دیگر امور حسب ضرورت پیش کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ

وہ روایت جس سے معترضین اپنا استشہاد قائم کرتے ہیں وہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہوگی۔

((وعن سفینة رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الخلافة ثلاثون سنة ثم تکون ملکا...... الخ)) (رواہ احمد والترمذی وابوداود)[1]

اس روایت کے پیش نظر ان لوگوں نے یہ شبہ قائم کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافت نہیں بلکہ ملوکیت اور شہنشاہیت ہے۔ پھر اس کو کئی طرح کے مفاسد اور خرابیوں کا دور قرار دیا ہے اور اسے بری

[1] مشکوۃ شریف ص ۴۶۳ کتاب الفتن، الفصل الثانی، طبع نور محمدی دہلی۔

بادشاہی سے تعبیر کیا ہے۔ اس مقام پر مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لیے چند امور تحریر کیے جاتے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرمانے سے معترضین کے شبہات کا ارتفاع ہو سکے گا۔

(ا) حدیث سفینہ پر بحث

پہلی بات یہ ہے کہ اس روایت کے متعلق چند توضیحات پیش کی جاتی ہیں:

① بعض علماء نے روایت ہذا (جو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے) کی صحت کا انکار کیا ہے اور وسیع النظر علماء کو وہ مقامات معلوم ہیں جن میں صحت روایت کا انکار مذکور ہے۔ اور عدم صحت کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اس روایت کے برخلاف دیگر صحیح روایات موجود ہیں اور یہ ان روایات صحیحہ کے متعارض ہے۔ اس بنا پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ والی روایت ان کے نزدیک درست نہیں اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک ان کا یہ موقف صحیح نہیں بلکہ جمہور محدثین نے ان روایات میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہی درست ہے۔ عنقریب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

② اور ہو سکتا ہے کہ جن علماء نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی صحت کا انکار کیا ہے وہ اس وجہ سے ہو کہ روایت ہذا میں بعض مقامات پر مندرجہ ذیل نوع کے اضافے پائے جاتے ہیں مثلاً

① ((عن سعيد بن جمهان قال قلت لسفينة ان بنى امية يزعمون ان الخلافة فيهم۔ قال كذب بنو الزرقاء بل هم ملوك من اشد الملوك واول الملوك معاوية))[1]

② ((قال سعيد فقلت له ان بنى امية يزعمون ان الخلافة فيهم۔ قال كذبوا بنو الزرقاء بل هم ملوك من شر الملوك))[2]

اور بھی اسی نوع کے شدید کلمات ملتے ہیں۔

مذکورہ بالا کلمات کا مفہوم یہ ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنو امیہ خیال کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے تو انھوں نے کہا کہ یہ زرقاء (قبیلہ ہذا کی جدہ (دادی) تھی) کی اولاد جھوٹ کہتی ہے بلکہ یہ لوگ شریر اور سخت بادشاہ ہیں اور پہلا بادشاہ معاویہ ہے۔

③ قارئین کرام کے لیے یہاں یہ تشریح پیش کی جاتی ہے کہ اصل روایت مذکور میں مندرجہ نوع کے یہ کلمات راوی (سعید بن جمہان) کی طرف سے درج کردہ اور مدخولہ ہیں جسے محدثین ادراج راوی کہتے ہیں۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۲ ج ۱۴ کتاب الاوائل طبع کراچی

[2] ترمذی شریف ص ۳۲۳-۳۲۴ ابواب الفتن باب ما جاء فی الخلافۃ طبع لکھنؤ
ابوداؤد شریف کتاب السنۃ ص ۲۹۰ ج ۲ باب فی الخلفاء، طبع دہلی

سعید بن جمہان

اور سعید بن جمہان کی علمائے رجال نے وثاقت ذکر کی ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے نقد اور جرح کے کلمات بھی درج کیے ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

① ابن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ سعید بن جمہان کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ شیخ یکتب حدیثہ و لا یحتج به۔[1]

② شیخ خزرجی اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ نے بھی یہی قول سعید بن جمہان کے متعلق لکھا ہے کہ شیخ لا یحتج به۔[2]

③ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وفی حدثه عجائب۔[3]

④ یحیٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ روی عن سفینة احادیث لا یرویها غیرہ۔[4]

⑤ اور ابن عدی رحمہ اللہ نے کامل میں یہی قول ذکر کیا ہے کہ وقد روی عنه عن سفینة احادیث لا یرویها غیرہ۔[5]

⑥ قال الساجی لا یتابع علی حدیثه۔[6]

مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ

- سعید بن جمہان کی شخصیت قابل احتجاج نہیں۔
- اور اس کی روایات میں عجائب ہوتے ہیں۔
- اور سعید بن جمہان حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات لاتا ہے جنھیں کسی دوسرے راوی نے ذکر نہیں کیا۔
- اور اس کی مرویات کا متابع نہیں پا گیا۔ (یعنی ان چیزوں کے نقل کرنے میں متفرد ہے)

ان امور کے پیش نظر سعید بن جمہان کی جانب سے روایت ہذا میں مذکورہ مدخولہ کلمات لائق احتجاج اور قابل قبول نہیں۔

۱۔ کتاب الجرح والتعدیل (رازی) ص ۱۰ ج ۲ ق ۱، تحت سعید بن جمہان

۲۔ المغنی فی الضعفاء ص ۲۵۶ ج ۱ تحت سعید بن جمہان

۳۔ خلاصہ تذہیب الکمال فی اسماء الرجال (خزرجی) ص ۱۱۶ طبع قدیم مصر

۴۔ تہذیب التہذیب ص ۱۴ ج ۴ تحت سعید بن جمہان بحوالہ امام بخاری

۵۔ الکامل (ابن عدی) ص ۱۲۳۷ ج ۳ تحت سعید بن جمہان

۶۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۱۴ ج ۴ تحت سعید بن جمہان

مختصر یہ ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا روایت درست اور صحیح ہے لیکن اس میں اضافہ شدہ کلمات علمائے فن کے قواعد کے اعتبار سے قابل اعتناء اور لائق اعتماد نہیں۔ بنا بریں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جو امارت اور حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم ہوئی اسے خلافت کے مفہوم سے خارج کر کے بری ملوکیت اور قبیح شہنشاہیت وغیرہ الفاظ سے ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) بالمقابل دیگر روایات

اس کے بعد اس مقام پر یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع روایت (جس میں ہے کہ الخلافة ثلاثون سنة ثم تكون ملكا یعنی میری امت میں خلافت تیس سال تک ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہوگی) کے بالمقابل دیگر بہت سی قابل اعتماد روایات موجود ہیں جن میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف متعدد خلفاء کا پایا جانا بیان فرمایا گیا ہے لیکن وہاں ملوک اور بادشاہوں کا ذکر بالکل نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ان روایات میں سے چند ایک احادیث نقل کی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ ہذا کی دیگر جانب پر غور کیا جا سکے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

① ((عن ابی هريرة رضي الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسيكون خلفاء فيكثرون)) (متفق علیہ)[1]

②((عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان بنی اسرائيل كانت تسوسهم انبياءهم، كلما ذهب نبی خلفه نبی وانه ليس كائنا فيكم نبی بعدی۔ قالوا فما يكون يا رسول الله! قال يكون خلفاء وتكثر......))[2]

③ ((عن سماك بن حرب رضي الله عنه قال سمعت جابر بن سمرة رضي الله عنه يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يزال الاسلام عزيزا الى اثنا عشر خليفة ثم قال

---

۱ مشکوۃ شریف ص ۳۲۰ کتاب الامارۃ والقضاء، فصل اول طبع نور محمدی دہلی (بحوالہ بخاری ومسلم)
شرح السنہ (امام بغوی) ص ۵٦ ج ۱۰ باب من یخرج علی الامام والوفاء...... الخ، طبع بیروت
بخاری شریف ص ۴۹۱ ج ۱ کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل طبع دہلی
مسلم شریف ص ۱۲٦ ج ۲ کتاب الامارۃ باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول، طبع دہلی
۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۵۸ ج ۱۵ کتاب الفتن روایت نمبر ۱۹۱۰۷ طبع کراچی

کلمة لم افهمها فقلت لابی ما قال؟ فقال کلهم من قریش))[1]

④ ((عن الشعبی عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال انطلقت الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ومعی ابی فسمعته یقول لا یزال هذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفة...... فقلت لابی ما قال؟ قال کلهم من قریش))

(مسلم شریف ص ۱۱۹ جلد ثانی کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش طبع نور محمد دہلی)

⑤ ((عن ابی جحیفة قال کنت مع عمی عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یخطب فقال لا یزال امر امتی صالحا حتی یمضی اثنا عشرة خلیفة وخفض بها صوته...... قال کلهم من قریش)) (رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر والبزار ورجال الطبرانی رجال الصحیح)[2]

⑥ ((عن مسروق قال کنا مع عبدالله (بن مسعود) جلوسا فی المسجد یقرانا فاتاه رجل فقال یا ابن مسعود! هل حدثکم نبیکم کم یکون من بعده خلیفة؟ قال نعم! کعدة نقباء بنی اسرائیل))[3]

مندرجہ بالا روایات کا مفہوم یہ ہے کہ

- آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ان کے امور کے متولی انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کے بعد دوسرا نبی آتا۔ اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا البتہ خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔
- نیز ارشاد فرمایا کہ دین اسلام بارہ خلفاء (کے دور) تک عزیز اور غالب رہے گا اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔
- بعض دفعہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ میری امت کا معاملہ درست رہے گا، حتیٰ کہ بارہ خلفاء گزریں گے اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔
- مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے اور وہ ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دے رہے تھے کہ اس وقت ایک شخص نے آ کر کہا کہ اے ابن مسعود! کیا تمھیں تمھارے نبی نے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد کتنے خلفاء ہوں گے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں، بیان فرمایا ہے کہ خلفاء کی تعداد بنی اسرائیل کے نقباء کے برابر ہوگی۔ (اور بنی اسرائیل میں بارہ عدد نقیب تھے)۔

---

[1] مسلم شریف ص ۱۱۹ ج ۲ کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، طبع نور محمدی دہلی
مسند احمد ص ۸۶ ج ۵ تحت مسندات جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ (متعدد بار)
دلائل النبوۃ (بیہقی) ص ۵۲۰ ج ۶ تحت باب ما جاء فی اخبارہ باثنی عشر امیر...... الخ

[2] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۹۰ ج ۵ باب الخلفاء الاثنی عشر

[3] مسند احمد ص ۳۹۸، ۴۰۶ ج ۱ تحت مسندات ابن مسعودؓ۔

تطبیق بین الروایات

یہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ ان تمام مرویات میں صاف طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بیشتر خلفاء ہوں گے اور ان کے دور میں دین اسلام کا غلبہ رہے گا اور تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔ ان امراء و حکام کو ''خلیفہ'' و ''خلفاء'' کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا۔ بعض مقامات پر بارہ عدد خلفاء کا ذکر ہے اور بعض مرویات میں اس سے زیادہ بھی ہے۔ لیکن یہ مضمون روایت سابقہ (ثلاثين سنة ثم ملكا) کے بظاہر متضاد و متخالف ہے۔

اس بنا پر علمائے کبار نے ان کے درمیان تطبیق و توفیق کی راہ اختیار کی ہے، ظاہری تعارض کی وجہ سے تدافع قائم نہیں کیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ روایات میں تعارض سے توافق بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ متعدد علمائے کرام نے مندرجہ ذیل تحقیق ذکر کی ہے:

① فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ

((انه اراد فی حديث سفينة "خلافة النبوة" ولم يقيده فی حديث جابر بن سمرة بذالك))[1]

② شرح ابی داود میں مذکور ہے کہ

((المراد بخلافة النبوة هی الخلافة الكاملة وهی منحصرة فی الخمس فلا يعارض الحديث لا يزال هذا الدين قائما حتى يملك اثنا عشر خليفة لان المراد به مطلق الخلافة ، والله اعلم))[2]

ان حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث سفینہ میں خلافت سے مراد خلافت نبوت ہے اور اسی کو خلافت کاملہ سے محدثین تعبیر کرتے ہیں اور یہ خلافت کاملہ پانچ خلفاء (خلفائے اربعہ اور خلافت امام حسن رضی اللہ عنہم) تک جاری رہی۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت میں جو بارہ عدد خلفائے یا اس سے زیادہ کا ذکر ہے اس سے مراد مطلق خلافت ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سے کم درجے کی ہے۔ اگر بعض مقام میں "ملکاً" وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں تو وہ امارت، خلافت ہی ہے خلافت عامہ کے خلاف نہیں ہے۔

اس تطبیق کے پیش نظر حضرت سفینہ اور حضرت جابر بن سمرہ وغیرہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں تعارض رفع ہو گیا اور ان کے درمیان توافق قائم ہو گیا۔

---

[1] فتح الباری شرح بخاری (ابن حجر) ص ۱۸۰ ج ۱۳ آخر باب الاستخلاف (کتاب الاحکام)

[2] عون المعبود حاشیہ سنن ابی داود ص ۳۴۲ ج ۴ تحت باب فی الخلفاء، طبع بیروت

صاحب نبراس کی تحقیق

صاحب نبراس نے اس مقام پر یہ چیز ذکر کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لا یزال الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ثلاثین سنة (تیس سال) پر خلافت منقطع نہیں ہوئی (بلکہ خلافت علیٰ فرق المراتب قائم رہی)۔

پھر مصنف نے یہاں ایک سوال اور جواب قائم کیا ہے جو اس مقام کے مناسب ہے اور مسئلہ ہذا کی تشریح کے لیے مفید ہے۔

سوال یہ ہے کہ تیس سالہ دور خلافت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے ملک (بادشاہ) ہوئے (اور خلافت کے منصب سے عاری ہوئے) یہ چیز ان کے حق میں ایک قسم کی قدح اور منقصت ہے حالانکہ اہل سنت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قدح کو جائز نہیں رکھتے بلکہ ان کی مدح کے قائل ہیں۔

اس شبہ کے جواب میں مصنف نے مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ اہل خیر کے لیے مختلف درجات اور مراتب ہیں۔ ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے فائق ہے پھر ہر مرتبہ اپنے مافوق کے اعتبار سے محل نقص معلوم ہوتا ہے۔ اسی ضابطہ کے موافق ایک مقولہ مشہور ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں معلوم ہوتی ہیں)

اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انی لاستغفر اللہ فی الیوم اکثر من سبعین مرة (یعنی میں ایک دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ہوں)

اکابر علماء اس فرمان کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مراتب و مدارج میں دواماً ترقی کرتے تھے اور جب مرتبہ علیا پر فائز ہوتے تو سابقہ مقام ومرتبہ کے متعلق استغفار فرماتے تھے۔

جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو مسئلہ ہذا میں بھی یہی صورت کارفرما ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنی سیرت، اخلاق، نظم وضبط وغیرہ کے اعتبار سے سیرت نبوی کے زیادہ قریب تھے اور خلافت کے ایک ''مرتبہ علیا'' پر فائز تھے۔ تنگی معیشت میں صبر کوشی اختیار کرتے تھے اور طبائع بشریہ کے تقاضوں میں جدوجہد مشقت اٹھاتے اور مباح چیزوں میں بھی توسع اور وسعت وفراخی پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ منکرات شرعیہ کے مرتکب نہیں ہوئے تاہم مباح امور میں انھوں نے اس ملک کے تمدن کے اعتبار سے توسع سے کام لیا اور امور خلافت کے تمام کرنے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے کم درجہ میں تھے اور قلیل تغیر کے حامل تھے۔

اس کے باوجود مندرجات بالا کی روشنی میں آپ پر خلفائے راشدین کے ساتھ (ہر مسئلہ میں)

مساوات نہ پائے جانے کی بنا پر طعن قائم نہیں کیا جا سکتا اور مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

پھر فاضل مصنف (مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ) نے اپنی دوسری تالیف ''الناہیہ عن طعن معاویہ'' میں اسی مسئلے کو ایک دیگر عبارت میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلفائے اربعہ سے علم و ورع اور عدل کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں اور ان کے مابین مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تفاوت ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام میں اور اللہ کے ملائکہ میں اور امت کے اولیاء میں فرق مراتب مسلم ہے...... پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت، اجماع صحابہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی بنا پر برحق اور درست ہے۔ تاہم آپ کی خلافت اپنے پیش رو اور سابق خلفاء کی خلافت سے کم درجے کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مباح امور میں توسع اختیار کیا ہے جب کہ ان چیزوں سے خلفائے اربعہ نے تحرز اور اجتناب کیا۔ اور قاعدہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ممکن ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مباحات میں توسع اختیار کرنا اس بنا پر ہو کہ اس دور کے لوگوں کی ہمتوں میں قصور آ گیا تھا (اور ایمانی قوت میں خامی پائی گئی) جب کہ یہ چیز دور سابق میں نہیں پائی گئی۔ خلفائے اربعہ کا عبادات اور معاملات میں فائق ہونا ظاہر اور مسلم ہے، اس میں کسی قسم کا خفا نہیں۔

الناہیہ کی اصل عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

((ونحن نعترف بان معاوية رضي الله عنه وان كان عالما ورعا عدلا دون الخلفاء الاربعة فى العلم والورع والعدل كما ترى من التفاوت بين الاولياء بل الملائكة والانبياء فامارته وان كانت صحيحة باجماع الصحابة وتسليم الحسن الا انها ليست على منهاج خلافة من قبله فانه توسع فى المباحات وتحرز عنها الخلفاء الاربعة))

((وحسنات الابرار سيئات المقربين ولعل توسعه فيهما لقصورهم سائر ابناء الزمان وان لم يوجد فيه ذالك كما علمت واما رجحان الخلفاء الاربعة فى العبادات والمعاملات فظاهر مما لا سترة فيه))[1]

حاصل کلام

① یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اور اکابرین امت کی تصریحات کی بنا پر منصب خلافت پر فائز ہیں اور اپنے دور میں اہل اسلام کے خلیفہ برحق ہیں، ان کی صحت خلافت عادلہ میں

---

[1] الناہیہ عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پرہاروی) ص ۴۰-۴۱ تحت الجواب ۱۳

کوئی اشتباہ نہیں اور بعض روایات کی بنا پر اس دور کو امارت و ملک کہا گیا ہے تو وہ خلافت عامہ کے مفہوم کے متعارض نہیں۔

(۲) فرق مراتب کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سابق خلفاء سے کم درجے میں ہیں لیکن یہ چیز کوئی قبیح و قابل مذمت اور لائق نفرت نہیں۔

(۳) اسی طرح قرآنی آیات پر نظر کرنے سے بھی یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ ملک کا عطا کیا جانا اور ملوک بنایا جانا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ اس کو احسان اور بیان نعمت کے طور پر اللہ کریم نے اپنے خاص بندوں کے حق میں ذکر کیا ہے، مثلاً:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا

''یعنی اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارے لیے بادشاہ بنا کر بھیجا۔''

۲۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

''یعنی جالوت کو داود نے قتل کر دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی۔''

۳۔ بنی اسرائیل پر جو انعامات خداوندی تھے ان کو جتلاتے ہوئے جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ

يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ

''اے میری قوم! اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم میں انبیاء کو بنایا اور تم کو بادشاہ اور ملوک بنایا اور تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جو اس دور کے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کیں۔''

ان آیات سے بصراحت مفہوم ہوتا ہے کہ ملک ہونا، ملوک بنایا جانا قبیح چیز نہیں بلکہ اچھی چیز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر بعض مرویات کے اعتبار سے ملک (بادشاہ) ہیں اور ان کو ملوکیت حاصل ہے تو آیات و روایات کے تقاضوں کے مطابق صحیح ہے، اس سے ان کی خلافت اور خلیفہ ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ خلافت اور امارت (ملوکیت) باہم متعارض و متضاد چیزیں نہیں کہ ایک شخصیت میں جمع نہ ہو سکیں۔ البتہ ملک ہونا یا ملوک بنایا جانا اس وقت قبیح سمجھا جاتا ہے جب دینی اقدار سے اعراض کر لیا جائے اور ضوابط اسلامی سے روگردانی اختیار کی جائے۔ اگر یہ صورت نہیں تو پھر کوئی قباحت نہیں۔ (اس چیز کو آیندہ سطور میں مختصر وضاحت کے ساتھ ہم ذکر کر رہے ہیں)

(۴) ان مسلمات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو سیاہ دور قرار دینا، بری ملوکیت اور قبیح شہنشاہیت وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرنا اور اشر الملوک و اشد السلاطین کے عنوانات سے بیان کرنا ہرگز درست

نہیں۔ وہ اپنے دور کے خلیفہ بھی ہیں اور بہترین امیر و ملک بھی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اشد الملوک اور اشر الملوک وغیرہ کے اطلاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نہیں پائے گئے بلکہ بعض راویوں کی جانب سے اضافہ شدہ کلمات ہیں اور واقعات کے ساتھ بھی ان کا توافق نہیں پایا جاتا۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی تمام جماعت نے جب صلح کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی تو انھوں نے برے اور شریر لوگوں کے ساتھ تو تعاون نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے اس منصب کے اہل حضرات سے مصالحت کا معاملہ کیا تھا اور دینی ذمہ داریاں ان کی تحویل میں دے دی تھیں اور خود کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مدت العمر حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اور تمام ہاشمی اکابر و جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد خلاف واختلاف نہیں کھڑا کیا بلکہ تعاون قائم رکھا۔

یہ چیز اس بات کا اہم قرینہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اشد الملوک و اشر الملوک اور بری شخصیت نہیں تھے بلکہ وہ اس منصب کے اہل تھے اور صالح خلیفہ تھے اور ان کی خلافت عادلہ تھی وہ اپنے دور کے امیر المومنین تھے۔

بحث ہذا کے متعلق ایک تاریخی تجزیہ مورخین کی نظر میں

قبل ازیں روایات و آیات کی روشنی میں چند چیزیں درج کی ہیں اب اس کے بعد تاریخی ادوار کے اعتبار سے ایک تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مسئلے کی تاریخی حیثیت سامنے آ جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مملکت کی نوعیت اس کے آئین کے اعتبار سے وجود میں آتی ہے اور اسی دستور پر اس کی نوعیت موقوف ہوتی ہے۔ یعنی افراد کے ذاتی افعال اور ذاتی کردار اس کی نوعیت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ مثلاً جمہوریت مخصوص اصول کا نام ہے۔ جب تک کہ حکومت کا آئین ان اصولوں کے تابع ہے اس وقت تک مملکت کو جمہوری ہی کہا جائے گا، خواہ اس مملکت کا صدر اپنی مقبولیت کی بنا پر اپنی رائے کی تنفیذ میں آزاد ہو جائے، بشرطیکہ آئین باقی رہے اور اس میں تبدیلی نہ ہونے پائے۔

اسی اصول کی روشنی میں مسئلہ ہذا بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی خلافت بنی امیہ اور خلافت بنی عباس علیٰ فرق المراتب یہ سب خلافتیں ہی ہیں، ان کا دستور اور آئین اسلامی تھا اور ان میں اسلامی قانون ہی رائج رہا۔ (اگرچہ بعض ادوار میں اس قانون کی ترویج میں کمزوری پائی جاتی رہی) تاہم کتاب وسنت کو ہی آخری مرجع تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان تمام خلافتوں کو ملوکیتیں قرار دینا ایک ادعا ہے جو بغیر دلیل کے ہے اور معترض کی کج روی پر مبنی ہے۔

دوسری یہ چیز قابل ذکر ہے کہ تاریخی ادوار کے اعتبار سے دیلمی، تاتاری، مغل وغیرہ بادشاہ مختلف ممالک

پر جب حکمران ہوئے تو اس وقت سے خلافت سے ہٹ کر ملوکیت مسلمانوں میں درآمد ہوئی۔ دیلمی اور آل بویہ تو شیعہ اور رافضی تھے، انھوں نے دیدہ دانستہ اسلامی آئین وضوابط کو بدل ڈالا۔ تاتاری، مغل وغیرہ ذاتی طور پر تو مسلمان ہو گئے اور ان کی سلطنتیں قائم تھیں لیکن انھوں نے اسلامی آئین کی ترویج نہیں کی بلکہ انھوں نے اپنی سابق حکومتوں کے دستور جو چلے آ رہے تھے ان ہی کو قائم رکھا۔ ان طریقوں سے خلافت متروک ہو کر ملوکیت رونما ہوئی اور ایک مدت کے بعد شہنشاہیت کی یہ صورتیں سامنے آئیں۔

معترضین حضرات نے خلافت راشدہ کے دور کے متصلا بعد ملوکیت و بادشاہت کا جو نقشہ خاص تدبیر سے قائم کیا ہے یہ ان کی کارکردگی تاریخی واقعات کے خلاف ہے اور اسلامی روایات کے ساتھ بھی اس چیز کی موافقت نہیں پائی جاتی جیسا کہ گزشتہ سطور میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

اسلامی روایات اور تاریخی ادوار کے نشیب و فراز دونوں چیزیں ہم نے مسئلہ ہذا کے حق میں بلا کم و کاست ذکر کر دی ہیں۔ اہل فہم وفکر احباب بہ سہولت نتائج پر پہنچ سکیں گے اور ملوکیت کے متعلق غلط پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوں گے۔

ایک اشتباہ پھر اس کا حل (برائے کراہت بعض قبائل)

بعض روایات میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس ﷺ بعض قبائل (بنی امیہ، بنی حنیف اور بنی ثقیف) کو مبغوض اور مکروہ جانتے تھے۔ یہ روایت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے:

((عن ابی برزة الاسلمی رضی اللہ عنہ قال کان ابغض الاحیاء الی رسول الله ﷺ بنو امیة، بنو حنیفة وثقیف))

اور بعض روایات میں اس طرح پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس ﷺ کا انتقال ہوا درآں حالے کہ آپ ﷺ تین قبائل (بنو ثقیف، بنو حنیفہ اور بنو امیہ) کو مکروہ جانتے تھے۔ یہ روایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کی جاتی ہے۔

((مات النبی ﷺ وهو یکره ثلاثة احیاء ثقیف و بنی حنیفة و بنی امیة))

اس نوع کی روایات کی روشنی میں معترض دوست یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو امیہ نبی اقدس ﷺ کے نزدیک بہت مبغوض تھا اور آنجناب ﷺ اس قبیلہ کو مکروہ جانتے تھے۔ اور کئی قسم کے دیگر اعتراضات ان روایات کی بنا پر مرتب کیے جاتے ہیں اور قبیلہ بنی امیہ سے نفرت اور تنفر قائم کرنے کے لیے ان روایات کو ذریعہ اور زینہ بنایا جاتا ہے۔

ازالہ اشتباہ

اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے قبل ازیں ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں ص۲۹۲ سے ص۲۹۹ تک ہم نے کلام کر دیا ہے لیکن پھر یہاں بھی اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے چند امور بیان ہوں گے۔ سابقہ بحث کے علاوہ مزید چیزیں بھی یہاں اضافہ کی گئی ہیں۔

پہلے تو ان روایات کے متن کے متعلق چند چیزیں درج کی جاتی ہیں، اس کے بعد درایت کے اعتبار سے ان پر کلام کیا جائے گا۔

متن کے اعتبار سے

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق یہ بات قابل وضاحت ہے کہ مذکورہ متن حاکم نیساپوری کے

ذریعے سے منقول ہے اور جب اسی روایت کو مسند احمد میں ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایات کے تحت دیکھا گیا تو یہ روایت وہاں منقول ہے لیکن مسند احمد کی روایت میں ''بنو امیہ'' کے الفاظ نہیں پائے جاتے بلکہ صرف بنو حنیفہ اور بنو ثقیف کا ذکر ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر یہ روایت درست ہے تو اس کے متن میں ''بنو امیہ'' کے الفاظ ہی مفقود ہیں اور بعض راویوں کی طرف سے یہ الفاظ داخل کر دیے گئے ہیں۔ اور رواۃ کی طرف سے متن میں ادراج کا پایا جانا کوئی مستبعد امر نہیں جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔

مختصر یہ ہے کہ متن روایت میں رواۃ کی طرف سے ''بنو امیہ'' کے الفاظ اضافہ شدہ ہیں فلہٰذا ان الفاظ کی بنا پر معترض کا بنو امیہ پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے اور ''بناء فاسد علی الفاسد'' کا نمونہ ہے۔

دیگر یہ چیز بھی یہاں قابل توجہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے قبیلہ بنی ثقیف کے حق میں دعائیں بھی منقول ہیں چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جب بنی ثقیف کی تیر اندازی سے اہل اسلام تنگ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ثقیف پر بددعا فرمائیں، تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کے بجائے فرمایا: اللهم اهد ثقيفا[1]۔ یعنی اے اللہ! بنی ثقیف کو ہدایت نصیب فرما۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ هذا حديث حسن صحيح غريب۔

اس فرمان نبوی علیہ الصلوۃ والسلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ والی روایت علی الاطلاق اپنے مفہوم پر قائم نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی ثقیف کی ہدایت کے طالب ہیں۔ اگر ان کا مبغوض ہونا علی الاطلاق رکھا جائے جیسا کہ معترض کا خیال ہے تو اس روایت کے ساتھ مفہوم میں بظاہر تعارض قائم ہوگا، اور محدثین کے قاعدہ کے مطابق تعارض سے توافق بہتر ہوتا ہے۔

اور دوسری روایت جو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اس کے متعلق ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

مسند امام احمد میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے مسندات دیکھے گئے ہیں ان میں یہ روایت مفقود ہے۔ یہ روایت ترمذی شریف میں باسند پائی گئی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ هذا حديث غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه یعنی یہ حدیث غریب ہے، اور اس ایک اسناد کے سوا اور کسی طریقے سے یہ روایت نہیں پائی جاتی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے متواتر و مشہور نہیں اور غریب ہے کسی دیگر طریقہ سے اس کی تائید نہیں دستیاب ہوئی۔

[1] مسند امام احمد ص ۴۲۰ ج ۴ تحت مسندات ابی برزہ اسلمی (طبع اول مصر) تحت ابواب المناقب بعنوان فی ثقيف و فی بنی حنیفة

درایت کے اعتبار سے

اگر بقول معترض قبیلہ ''بنو امیہ'' سردار دو جہاں ﷺ کی نگاہ میں مبغوض اور مکروہ تھا اور آنجناب ﷺ اس قبیلہ کو قابل نفرت خیال فرماتے تھے تو مندرجہ ذیل نسبی اور غیر نسبی تعلقات بنو امیہ کے ساتھ کس طرح قائم ہوئے۔ آنجناب ﷺ کے بنو امیہ سے تنفر کے باوجود درج ذیل روابط کا کوئی جواز نہیں ہوسکتا۔

نسبی تعلقات

ذیل میں چند ایک رشتہ داریاں ذکر کی جاتی ہیں:

- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (اموی) کے ساتھ نبی اقدس ﷺ کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح مسلمات میں سے ہے۔
- حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا (اموی) سردار دو جہاں ﷺ کے نکاح میں تھیں اور انھیں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔
- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی برادر زادے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند ابان بن عثمان بن عفان (اموی) سے ہوا۔
- سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سکینہ بنت حسین رحمہا اللہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان اموی کے ساتھ ہوا۔
- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی دختر فاطمہ بنت حسین ابن علی رحمہا اللہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان (اموی) کے ساتھ ہوا۔

یہ تمام رشتہ داریاں نبی کریم ﷺ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاندان کی قبیلہ بنو امیہ کے ساتھ قائم تھیں اور یہ نسبی روابط ان دونوں قبائل میں موجود تھے۔ کوئی معترض اور معاند بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ فلہٰذا یہ روابط اس بات کا قوی قرینہ ہیں اور مضبوط شواہد ہیں کہ نبی اقدس ﷺ قبیلہ بنو امیہ کو مبغوض اور مکروہ نہیں جانتے تھے اور مندرجہ روایت میں جو ''بنو امیہ'' کے الفاظ پائے جاتے ہیں یہ رواۃ کے تصرفات میں سے ہیں۔

تنبیہ

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ نسبی تعلقات (بنی ہاشم و بنی امیہ) ہم نے قبل ازیں اپنی کتاب رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ حصہ سوم کے باب اول میں اور بعدہٗ کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں تذکرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ص ۱۲۶ سے لے کر ۱۳۰ تک اور ''مروان بن حکم'' کے تذکرہ میں ص ۲۹۴-۲۹۵ پر مفصلاً ذکر کیے ہیں اور کتابی حوالہ جات ان کے وہاں نقل کر دیے ہیں۔

غیر نسبی تعلقات

اسی طرح بنی امیہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کئی اہم مناصب تفویض فرمائے۔ ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

عہد نبوت میں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اموی حضرات کو بڑے بڑے اعزاز بخشے گئے اور اسلام کے اہم کاموں میں ان کو شامل اور دخیل رکھا گیا، مثلاً:

- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (اموی) کو کاتب وحی بنایا گیا اور کئی مواضع اور مواقع میں ان کو امیر مقرر کیا گیا۔
- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (اموی) کو کاتبان وحی اور غیر وحی میں شامل کیا گیا اور عہد نبوی میں کئی امور کا والی بنایا گیا۔
- اسی طرح ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (اموی) کو کئی اعزاز آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائے اور نجران کے علاقے پر عامل مقرر فرمایا۔
- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو صدیقی اور فاروقی دور میں فتوح شام کے لیے افواج پر والی اور امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔
- اسی طرح عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ (اموی) کو فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ پر والی اور حاکم مقرر فرمایا گیا۔
- نیز خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں بنی مذحج کے صدقات پر اور صنعا و یمن پر عامل و حاکم بنایا گیا۔
- ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں بحرین کا حاکم مقرر فرمایا گیا۔
- عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں تیماء وخیبر وقریٰ وعرینہ پر حاکم بنایا گیا۔

نیز اسی طرح قبیلہ بنی ثقیف کے بعض افراد کو خلافت فاروقی میں بعض اہم مناصب عطا فرمائے گئے۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارض عمان اور بحرین کا والی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اور اسی طرح بحرین کی طرف عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بھائی حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا تھا۔

((وفی هذه السنة (۱۵ھ) ولی عمر رضی اللہ عنہ عثمان بن ابی العاص ارض عمان والبحرین فسار الی عمان ووجه اخاه الحکم بن ابی العاص الی البحرین))[1]

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۱-۶۲ ج ا تسمیة عماله رضی اللہ عنہ
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۷۵، ۱۷۶ ج ۳
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۲، ۳۸۳

یہ ۱۵ھ کا واقعہ ہے اور یہ دونوں بھائی بنو ثقیف سے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی ثقیف کے افراد کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلامی خدمات کے لیے اہم مناصب عطا فرمائے اور ان کو دینی امور میں شمولیت کا موقع عنایت فرمایا۔ یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف علی الاطلاق نبی کریم ﷺ کے نزدیک مبغوض و مکروہ نہیں تھا۔ بلکہ اگر روایت بالا صحیح ہے تو اس سے قبیلہ کے بعض افراد مراد ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ سید الکونین ﷺ کی نگاہ میں جو قبیلہ مکروہ، مبغوض اور قابل نفرت ہو اس کے افراد کو یہ عزت و تکریم کے مواقع کس طرح مہیا کیے گئے؟ اور عہد نبوی و صدیقی و فاروقی میں ان لوگوں پر اعتماد کرتے ہوئے اہم مناصب کی ذمہ داریاں انھیں کیسے سپرد کی گئیں؟ غور و خوض کا مقام ہے۔

ایک قاعدہ

اس فن کے علماء کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو روایت واقعات کے برخلاف پائی جائے اور حقائق واقعیہ اس کی تکذیب کرتے ہوں تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ قاعدہ ہذا کو اکابر علماء نے بعبارت ذیل درج کیا ہے۔ یعنی روایت کے بے اصل ہونے کے قواعد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

((ومنها قرينة في المروى كمخالفة لمقتضى العقل بحيث لا يقبل التاويل، ويلتحق به ما يدفعه الحسن والمشاهدة او العادة وكمافاته لدلالة الكتاب القطعية او السنة المتواترة او الاجماع القطعية))[1]

اور یہاں بعض علماء نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ

((ما احسن قول القائل: اذا رأيت الحديث يباين المعقول او يخالف المنقول او يناقض الاصول فاعلم انه موضوع)) [2]

علی سبیل التنزل

اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ مندرجہ بالا روایات درست ہیں اور آنجناب ﷺ نے ان قبائل کو مکروہ جانا اور ناپسند فرمایا تو اس کا مطلب اور مفہوم یہ نہیں ہے کہ ان قبائل کا ہر فرد اور ہر شخص مکروہ اور ناپسند ہے بلکہ بعض شخصیات کی وجہ سے شاید ان کو مکروہ اور ناپسند قرار دیا گیا۔

اسی طرح کسی شہر یا مقام کو بعض اوقات ناپسند فرمایا گیا تو وہاں بھی اس کے ہر فرد بشر اور ہر چیز کو مکروہ جاننا مقصود نہیں ہوتا بلکہ بعض وجوہ کے اعتبار سے فرمان صادر ہوتا ہے۔

---

۱ تنزیہ الشریعہ (ابن عراق) ص ۶ تحت مقدمۃ الکتاب

تدریب الراوی (سیوطی) ص ۱۸۹ تحت نوع ۲۱

۲ تدریب الراوی ص ۱۸۰ تحت نوع (۲۱)

قصاص دم عثمانؓ کے متعلق شبہ پھر اس کا ازالہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض مخالفین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ قصاص دم عثمانؓ کے مطالبہ کا حق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں تھا بلکہ یہ حق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقرب اولاد کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرعی قاعدے کا خلاف کرتے ہوئے قصاص کا مطالبہ خود کر دیا۔ گویا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام ضابطہ کے اعتبار سے صحیح نہیں تھا۔

ازالہ

اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں اس سے اشتباہ رفع ہو جائے گا:

① پہلے یہ چیز یہاں ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق کس قدر قریب تھا، اس کے بعد دیگر اشیاء ذکر ہوں گی۔

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا نسب اس طرح ہے کہ عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور معاویہؓ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ یعنی حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی تیسری پشت ایک ہے اور جد اعلیٰ دونوں کے مشترک دادا ہیں۔

نیز واضح ہو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دختر جس کا نام رملہ بنت معاویہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند عمرو بن عثمان کے نکاح میں تھیں۔ یعنی عمرو بن عثمان رحمہ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ اور رشتہ داری کا یہ تعلق علمائے تاریخ و انساب نے بڑی صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ میں ''تراجم النساء'' کی جلد میں ذکر کیا ہے:

((رملة بنت معاوية بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امية بن عبد الشمس الاموية زوج عمرو بن عثمان بن عفان و كانت دارها بدمشق فی عقبة السمك فی طرف زقاق الرمان))[1]

---

[1] تاریخ ابن عساکر، جلد تراجم النساء تحت رملہ بنت معاویہ، طبع دمشق

(۲) دوسری یہ چیز بڑی اہم ہے کہ قصاص کے مطالبہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے نہیں کھڑا کیا تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرف سے یہ مسئلہ ان کے سپرد کیا گیا تھا، اور یہ چیز مورخین نے ذکر کی ہے۔

چنانچہ جب جناب ابومسلم خولانی رحمہ اللہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اس مسئلے پر گفتگو کرنے کے لیے پہنچے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت مسئلے کی وضاحت کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ

((انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الی))[1]

''یعنی میں مقتول خلیفہ کے چچا کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ والیوں کی طرف سے میرے سپرد کیا گیا ہے۔ اس بنا پر مقتول خلیفہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں۔''

ان تصریحات کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ از روئے ضابطہ درست ہے اور صحیح اقدام ہے۔

اور شیعہ کے کبار علماء نے بھی مطالبہ ہذا کے مسئلے کو بڑی وضاحت کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص کا جب یہ مطالبہ اٹھایا تھا تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند ابان بن عثمان اور دیگر فرزند بھی ساتھ تھے۔

چنانچہ شیعہ کے ایک مشہور راوی سلیم بن قیس ہلالی شیعی ذکر کرتے ہیں کہ

((ان معاوية يطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد عثمان حتى استمالوا اهل الشام واجتمعت كلمتهم))[2]

''مطلب یہ ہے کہ دم عثمان کے قصاص کے مطالبے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور دیگر فرزندان عثمان شامل تھے۔''

مقصد یہ ہے کہ مطالبہ ہذا کے معاملے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد اور تنہا نہیں تھے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد ان کے ساتھ تھی۔ تو معلوم ہوا کہ شرعی قواعد اور ضوابط کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام درست تھا اور اس میں ضابطہ اسلامی کی رو سے کوئی سقم نہیں تھا۔

عام معاشرہ کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ قبیلہ میں سے جو شخص مسائل کو سلجھانے کی اہلیت رکھتا ہو اور معاملات کو احسن طریقے سے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو قبیلہ کے لوگ اپنے انفرادی یا اجتماعی معاملات

---

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

۲ کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی العامری ص ۱۵۳، مطبوعہ نجف اشرف تحت بث معاویہ قراء الشام وقضاتہم۔

اس کی تحویل میں دے دیتے ہیں اور ان معاملات کی تمام تر ذمہ داری اس کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

اس معاشرتی طرز عمل اور طریق کار کے تحت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد نے قصاص کا مطالبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کو اپنی ذمہ داری کی بنا پر اٹھایا، اور فریق مقابل کے سامنے (یہ مطالبہ) پیش کیا۔

مندرجات بالا کی روشنی میں طاعنین کا یہ اعتراض کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قصاص دم عثمانؓ کے مطالبے کا حق حاصل نہیں تھا اور انھوں نے ایک شرعی قاعدے کی خلاف ورزی کی ہے بالکل بے جا ہے۔

نیز اس اعتراض کا جواب ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کے مباحث صفین کے تحت قبل ازیں درج کر دیا گیا ہے۔

بعض روایات میں ایک شنیع اطلاق

اس سلسلے میں ذیل میں ایک روایت درج کی جاتی ہے اس کے بعد اس کا جواب پیش کیا جائے گا:

((فان قال قائل فقد روی عن ابن عباس خلاف هذا فذكر ما حدثنا محمد بن عبدالله بن ميمون البغدادی قال ثنا الوليد بن مسلم عن الاوزاعی عن عطاء قال قال رجل ابن عباس هل لك فی معاوية اوتر بواحدة وهو يريد ان يعيب معاوية فقال ابن عباس اصاب معاوية قيل له قد روی عن ابن عباس فی فعل معاوية هذا ما يدل على انكاره اياه عليه))

((وذالك ان ابا غسان مالك بن يحيى الهمدانی حدثنا قال ثنا عبدالوهاب عن عطاء قال انا عمران بن حدير عن عكرمة انه قال كنت مع ابن عباس عند معاوية نتحدث حتى ذهب هزيع (هزيع من الليل ای طائفة من الليل) من الليل فقام معاوية فركع ركعة واحدة فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما من اين ترى اخذها الحمار))

((حدثنا ابوبكرة قال ثنا عثمان بن عمر قال ثنا عمران فذكر باسناده مثله الا انه لم يقل الحمار۔

وقد يجوز ان يكون قول ابن عباس رضی اللہ عنہما "اصاب معاوية" على التقية له ای اصاب فی شیء اخر لانه كان فی ذمته ولا يجوز عليه عندنا ان يكون ما خالف فعل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الذی قد علمه عنده صوابا وقد روی عن ابن عباس فی الوتر انه ثلاث))

شاذ روایت ہذا کا جواب

بطور معذرت عرض ہے کہ یہ بحث اہل علم کے مناسب ہے، عام ناظرین محسوس نہ فرمائیں۔ اسی بنا پر عبارات کے تراجم عموماً پیش نہیں کیے۔

مولف نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت نماز وتر ادا کرنے پر ابتداءً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی تصویب و تائید ذکر کی ہے جو بالفاظ ذیل درج ہے:

((فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما: اصاب معاویۃ))

اس کے بعد مولف نے قول مذکور کی تزییف کرنے کے لیے تمام کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

① ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا کلام منقول ہے یعنی فقال ابن عباس من این تری اخذها الحمار

اگر چہ اس روایت کے ایک دوسرے طریق میں لفظ ''الحمار'' مفقود ہے، گویا یہ لفظ اس جملے کا جز نہ تھا۔ اس کلام کو مولف نے مذکورہ بالا جملے کو رد کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ اس بات کی موجودگی میں "اصاب معاویہ" کا قول کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

② دوسری چیز یہ ہے کہ "اصاب معاویہ" کا قول علیٰ سبیل ''التقیہ'' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صادر ہوا۔ اس وجہ سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے دور خلافت میں تھے (یعنی ان کا خلاف نہیں کر سکتے تھے)۔

درجہ جواب

یہ دونوں اعتراض اپنے مقام پر درست نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سابقہ قول "اصاب معاویہ" بالکل درست ہے اور اس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقیناً صحیح نہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما پر ''تقیہ'' کا الزام لگانا سراسر ناانصافی ہے۔ وہ تقیہ کے قائل ہرگز نہ تھے اور یہ واقعات کے برخلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علمی وقار اور وثاقت دینی کے متضاد ہے۔

قرائن و شواہد

اب اس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کیے جاتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل (اوتر برکعۃ واحدۃ) کی تصویب کی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی تغلیط و تردید نہیں کی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت اور درشت الفاظ کہتے۔ آیندہ مندرجات پر نظر فرمائیں، تسلی ہو جائے گی:

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح و مصالحت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ یہ بیعت مجبوری سے نہیں بلکہ رضامندی سے تھی اور بیعت کے لائق شخصیت سے کی تھی۔ (یہ چیز مسلمات میں سے ہے، اس پر کسی حوالہ کی حاجت نہیں ہے)۔

② ((ان کریبا مولی ابن عباس اخبرہ انہ رای ابن عباس یصلی فی

المقصورة مع معاوية))[1]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مقصورہ میں نمازیں مل کر ادا کرتے تھے۔"

یہ چیز باہم ارتباط اور عدم انقباض کی دلیل ہے۔

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب مسئلہ وتر میں عدد رکعت کی بحث ہوئی اور اس ضمن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

۱۔ ((دعه فانه قد صحب النبی ﷺ))[2]

۲۔ ((لیس احد منا اعلم من معاویة))[3]

۳۔ ((قال ابن عباس رضی اللہ عنہما اصاب (معاویة) انه فقیه))[4]

"یعنی یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں، وہ صاحب اجتہاد اور فقیہ ہیں، ان کے لیے اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے۔"

④ ((عن عطاء (بن ابی رباح) اتی رجل (کریب مولی ابن عباس) الی ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال هل لك فی معاویة یوتر برکعة؟ یرید ان یعیبه فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما اصاب معاویة))[5]

⑤ ((واخرج (المروزی) من طریق علی بن عبدالله بن عباس قال بت مع

---

[1] کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۳۹-۱۴۰ بحوالہ مصنف عبدالرزاق ص ۴۱۴ ج ۲ باب الصلوۃ فی المقصورہ، تصنیف محمد نافع عفاء اللہ عنہ

[2] بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ

[3] السنن الکبری (بیہقی) ص ۲۶ ج ۳ باب الوتر
تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۲۶۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۶۳۷ ج ۱۱ تحت ترجمہ عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما

[4] کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۳۸ بحوالہ بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ
جامع الاصول (ابن اثیر) ص ۳۵ ج ۷ ابواب المناقب تحت فی عدد الوتر
مشکوۃ شریف ص ۱۱۲-۱۱۳، الفصل الثالث باب الوتر
مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۱۷۴ ج ۳ تحت باب الوتر الفصل الثالث۔

[5] مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر (محمد بن نصر المروزی) ص ۲۰۳ تحت باب وتر النبی ﷺ برکعۃ

ابی عند معاویة فرأیته اوتر برکعة فذکرت ذالك لابی فقال یبنی هو اعلم))[1]

تنبیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توثیق ہذا یہ تمام البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص۱۲۲-۱۲۳ تحت احوال معاویہ مذکور ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے عمدہ بحث درج کی ہے (یعنی تائید میں ہے نقد کے طور پر نہیں ہے)۔

⑥((وفی رواته قال ابن ابی ملیکة اوتر معاویة بعد العشاء برکعة وعنده مولی ابن عباس فاتی ابن عباس رضی اللہ عنہما فاخبره فقال دعه فانه قد صحب النبی ﷺ)) (رواہ البخاری)[2]

⑤ مسند امام احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت (قصر شعر بمشقص) کے متعلق منقول ہے کہ عطاء (شاگرد ابن عباس رضی اللہ عنہما) نے کہا کہ یہ روایت تو صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

((ما کان معاویة علی رسول الله ﷺ متهما))[3]

تنبیہ

یہ وہ صحیح روایات اور اقوال ابن عباسؓ ہیں جنھیں محدثین اور مورخین نے اپنی صحیح اسانید کے ساتھ اس مقام پر نقل کیا ہے۔ ان کے مقابل میں مولف کی روایات شاذ ہوں گی اور قابل اعتنا نہ ہوں گی۔ نیز ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ج ۱۶ ص ۱۷۱ پر ترجمہ معاویہ کے تحت اس مقام پر اپنے اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں متعدد اقوال درج کیے ہیں جن میں سے کسی ایک مقام پر بھی ''الحمار'' کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''وثاقت'' کے کلمات ذکر کیے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل روایت میں یہ شدید لفظ منقول نہیں، بعد میں راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کر دیا ہے۔

قواعد کا لحاظ

① مولف کی روایت جس میں بقول مولف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت کے مطابق ''الحمار'' سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں ملتا۔ اور جس روایت کا کوئی متابع نہ

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۸۳ ج ۷ تحت ابواب المناقب (ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ)

[2] مشکوۃ شریف ۱۱۳ باب الوتر الفصل الثالث (بحوالہ بخاری)

تاریخ ابن عساکر مخطوط ص ۲۶۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۴۹ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہؓ

[3] مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۵۰ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہؓ

مل سکے وہ اہل فن کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی۔ مختصر یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کے نقل کرنے میں عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔

۲ دوسری بات یہ ہے کہ ''الحمار'' والی روایت باقی ان تمام روایات معروفہ مذکورہ بالا کے برخلاف پائی گئی ہے جو بالکل صحیح ہیں اور محدثین کے نزدیک معروف ومقبول ہیں (جیسا کہ ہم اس کی چند ایک مثالیں معتبر مآخذ سے نقل کر چکے ہیں)۔ اس صورت میں ''الحمار'' والی روایت منکر یا شاذ قرار پائے گی۔ فلہذا معروف روایات کو لیا جائے گا اور منکر یا شاذ روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔

۳ دیگر قاعدہ یہ ہے کہ

((واذا اختلف كلام امام فيؤخذ ما يوافق الادلة الظاهرة ويعرض عن ما خالفها))[1]

اس قاعدہ کے اعتبار سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ کلام قبول کیا جائے گا جو ظاہر دلائل کے موافق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ غیر مقبول اور متروک ہوگا۔

مندرجات بالا کے ذریعے سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ نقل اور قواعد دونوں کے اعتبار سے ''الحمار'' والی روایت حسب مراد معترض درست نہیں ہے۔ مولف کی علمی عظمت بے شک بڑی ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ومرتبہ ان سے بدرجہا رفیع اور بالاتر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقل نہیں تسلیم کرتی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''الحمار'' سے تعبیر کیا ہو۔ مسئلہ میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مستبعد امر نہیں لیکن اس کے لیے بھی اخلاقی حدود ہوتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اجتہادی اختلاف موجود ہے، اور یہ کوئی قبیح چیز نہیں۔ ایک رکعت وتر کے متعلق بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قائل ہیں مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ صحیح روایات میں ایک رکعت وتر کا منقول ہونا بھی مرفوعاً موجود ہے، مثلاً:

۱ ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الوتر ركعة من آخر الليل)) (رواہ مسلم)[2]

۲ ((عن ايوب قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق على كل مسلم فمن احب ان يوتر بخمس فليفعل ومن احب ان يوتر بثلاث فليفعل ومن احب ان يوتر بواحدة فليفعل)) (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجہ)[3]

---

[1] الزواجر (ابن حجر مکی) ص ۲۸ تحت الکبیرۃ الاولیٰ، بحث ایمان وکفر فرعون
فتاویٰ شامی (ابن عابدین) ص ۳۱۷ ج ۳ باب المرتد تحت قولہ توبہ الیاس مقبولۃ

[2] مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب الوتر، الفصل الاول [3] مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲ باب الوتر، الفصل الثانی

مزید لطف یہ ہے کہ بعض روایات میں موجود ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی ایک رکعت وتر کے قائل تھے۔ ان مندرجہ حالات میں وہ دوسرے صحابی رسول ﷺ کو کیسے قبیح اور شنیع الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں؟

ضروری تنبیہ (روایت کی سند پر کلام)

علمائے کبار نے عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) کی کمال توثیق کے باوجود یہ بات تحریر کی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف غلط چیز کا انتساب کر دیتا تھا۔ عبداللہ بن عمر، علی بن عبداللہ بن عباس، سعید بن مسیب اور عطاء بن ابی رباح (شاگرد ابن عباسؓ) وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم نے تصریح کر دی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ لگاتا تھا۔[1] اگر یہ بات موجود ہے تو پھر عکرمہ نے ہی یہ الفاظ روایت میں اگر ازدیاد کر دیے ہوں تو کیا اعتبار ہے؟

عکرمہ پر نقد

عکرمہ (مولیٰ ابن عباسؓ) پر نقد کے لیے مقامات ذیل ملاحظہ ہوں:

① الکامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۹۰۵-۱۹۰۶۔ یہاں جرح و مدح دونوں دستیاب ہیں اور یہ چیز بھی مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بعض دفعہ جھوٹ لگاتا تھا اور خارجیوں کی رائے رکھتا تھا۔

② تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ج ۱۱ ص ۸۵۷ تحت ترجمہ عکرمہ مذکور

③ عقیلی کی عبارت ملاحظہ ہو:

((عن عبدالله بن الحارث قال دخلت على على بن عبدالله بن عباس فاذا عكرمة فى وثاق عند باب الحسن فقلت له الا تتقى الله؟ قال فان هذا الخبيث يكذب على ابى)) [2]

④ یعقوب بن عبداللہ بسوی کی عبارت

((ثنا ابراهيم بن سعد عن ابيه عن سعيد بن المسيب انه كان يقول لبرد مولاه يا برد! لا تكذب على كما كذب عكرمة على ابن عباس)) [3]

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ (مولیٰ ابن عباسؓ) البربری ابوعبداللہ المدنی

[2] الضعفاء الکبیر ص ۳۷۴ ج ۳ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ
تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۶۷-۲۶۸ تحت عکرمہ مذکور
المعارف (ابن قتیبہ) ص ۴۵۶ طبع چہارم قاہرہ تحت عکرمہ مذکور

[3] کتاب المعرفہ والتاریخ (ابو یوسف بسوی) ص ۵ ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ
تہذیب التہذیب ص ۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ

⑤ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول

((قال ابو خلف الخزار عن يحيى البكاء سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما يقول لنافع اتق الله ويحك يا نافع! ولا تكذب على كما كذب عكرمة على ابن عباس))[1]

⑥ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دیگر شاگرد عطاء رحمہ اللہ کا قول

((قلت لعطاء ان عكرمة يقول قال ابن عباس سبق الكتاب المسح على الخفين- فقال كذب عكرمة انى رأيت ابن عباس يمسح عليهما))[2]

⑦ طبقات ابن سعد میں درج ہے کہ

((وعجب الناس من اجتماعهما فى الموت واختلاف رأيهما عكرمة يظن انه يرى رأى الخوارج يكفر بالنظرة وكثير شيعى يؤمن بالرجعة))[3]

(یہاں ایک عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور دوسرا کثیر عزۃ الشاعر ہے)

''مطلب یہ ہے کہ ۱۰۵ھ میں ایک ہی روز مدینہ شریف میں یہ دونوں صاحبان فوت ہوئے اور بعد نماز ظہر ایک ہی مقام پر ان کا جنازہ پڑھا گیا اور اختلاف نظریات ان کا اس طرح تھا...... یعنی عکرمہ خارجی ذہن اور کثیر شیعی ذہن رکھتا تھا۔''

قدیم مورخ اور محدث یحییٰ بن معین نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے:

((قال يحيى: وبلغنا عن عكرمة انه كان لا يقول هذا (اى قول الخوارج) وهذا باطل))[4]

''یعنی ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عکرمہ رائے خوارج کا قول نہیں کرتا تھا۔ لیکن یہ چیز باطل ہے۔ وہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔''

((قال (مصعب بن عبدالله الزبيرى) كان عكرمة يرى رأى الخوارج فطلبه

← المعارف (ابن قتیبہ) ص ۲۳۸ طبع چہارم قاہرہ تحت ذکر سعید بن مسیب رحمہ اللہ
تاریخ ابن عساکر کامل (مخطوط) ص ۸۳ ج ۱۱ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۶۷ ج ۷ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

[2] الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۶۷ ج ۱ طبع مصر تحت باب المسح علی الخفین۔

[3] طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس آخر ترجمہ
تاریخ ابن عساکر کامل (مخطوط) ص ۹۱ ج ۱۱ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

[4] تاریخ یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) ص ۴۱۲ ج ۲ طبع مکہ مکرمہ
تاریخ یحییٰ بن معین ص ۱۰۶ ج ۳ روایت نمبر ۴۴۳ طبع مکہ مکرمہ

بعض ولاة المدینة فتغیب عند داود بن الحصین حتی مات عنده قالوا وکان عکرمة کثیر الحدیث والعلم بحرا من البحور ولیس یحتج بحدیثه ویتکلم الناس فیه)) [1]

کئی علماء نے عکرمہ کے حق میں رائے خوارج کا ذکر کیا ہے۔ جب یہ بزرگ خارجی ہے تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونا ایک کھلی بات ہے۔ خارجی جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں اسی طرح وہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بھی خلاف ہیں۔ تو اس اعتبار سے بھی مسئلہ ہذا صاف ہوگیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ''الحمار'' نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ شدید الفاظ عکرمہ اپنی طرف سے کہہ گیا ہے اور اس طرح کے قبیح الفاظ سے اس نے اپنا قلبی بغض ظاہر کیا ہے۔ عکرمہ کا حدیث پیغمبر میں ثقہ ہونا اور بات ہے اور آحاد امت کے بارے میں سیاسی اختلاف کی بنا پر اس قسم کی باتیں کہہ جانا دوسری بات ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے توثیق عکرمہ کے بعد لکھا ہے کہ

((کذبه مجاهد وابن سیرین ومالك...... قال احد کان یروی رای الخوارج الصفریة۔ وقال ابن المدائینی کان عکرمة یری رأی نجدة الحروری وقد وثقه جماعة واحتجوا به)) [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو تقیہ پر محمول کرنا

مولف کتاب کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو تقیہ پر محمول کرنا سراسر ناانصافی ہے اور واقعات کے برخلاف ہے۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مشہور و معروف کبار علمائے صحابہ میں سے ہیں۔ دین کے بارے میں صحابہ کے افعال و اقوال کسی مصلحت بنی پر محمول نہیں کیے جا سکتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تعلقات کتابوں میں مذکور ہیں۔ دیگر کبار ہاشمیوں کی طرح ان کی بھی آمد و رفت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں برابر ہوتی تھی اور آپ ان سے وظائف بھی وصول کرتے تھے۔ مسائل شرعیہ میں باہمی گفتگو جاری رہتی تھی اور علمی مذاکرات بھی ہوتے رہتے تھے اور اپنی رائے کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اس صورت حال میں اس بات کو کیسے تقیہ پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ آخر تذکرہ عکرمہ، طبع لیڈن
العارف (ابن قتیبہ) ص ۴۵۷ طبع چہارم قاہرہ تحت عکرمہ مولی ابن عباس

[2] کتاب المعرفة الرواة المتکلم فیہم بما لا یوجب السرد (ذہبی) ص ۱۴۸، ۲۴۲ تحت عکرمہ طبع بیروت۔

ان چیزوں کو ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربانوازی'' میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقات کے تحت بقدر ضروریات باحوالہ ذکر کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک چیز ص ۱۵۷ پر مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کہا:

((والله لتستقيمن يا معاوية اولنقومنك فيقول بما ذا؟ فيقول بالخشب فيقول اذا نستقيم))[1]

''یعنی اللہ کی قسم (اے معاویہ) خود بخود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کریں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کس چیز کے ساتھ؟ اس نے کہا: لاٹھی کے ساتھ۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو پھر ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔''

یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کی خدمت میں حق گوئی برابر جاری تھی اور حق بات کہنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی اور وہ ہر تنقید کو کشادہ دلی سے برداشت کرتے تھے۔ فلہٰذا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے بنا بریں تقیہ اس طرح فرمایا ہوگا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس رائے میں صاحب کتاب سے فروگزاشت ہوئی ہے یا پھر رواۃ کی طرف سے تصرف ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اللہ کریم معاف فرمائے۔

حاصل کلام

① روایت مذکورہ کا مختصراً جواب یہ ہے کہ اپنے خارجی نظریات کے تحت ''الحمار'' کے الفاظ نقل کرنے میں عکرمہ متفرد ہے اور یہ اس کی ایک شاذ روایت ہے۔

② نیز اس قول میں اس کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مسئلے کو نقل کرنے والے ابن ابی ملیکہ، کریب (ابن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزند علی بن عبداللہ بن عباس اور ایوب وغیرہ متعدد لوگ ہیں، اور یہ تمام حضرات وتر کا واقعہ ہذا نقل کرتے ہیں لیکن یہ شنیع الفاظ (جو عکرمہ نے یہاں نقل کیے ہیں) وہ کسی نے نہیں بیان کیے۔ فلہٰذا عکرمہ کے یہ الفاظ شاذ روایت کے درجے میں ہیں اور قابل قبول نہیں بلکہ لائق اجتناب ہیں۔ الثقة اذا شذ لا يقبل ما شذ فيه۔[2]

---

[1] کتاب المجتنیٰ (ابن درید) ص ۴۱ تحت کلام معاویہ رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۳۶ طبع دہلی تحت ۴۱ھ حالات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸ ج ۶ باب العدۃ

مختصر یہ ہے کہ روایت بالا کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر عیب چینی کرنا روا نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھنا لازم ہے اور کسی راوی کی اس قسم کی شنیع تعبیر سے ان کا وقار مجروح نہیں ہو سکتا۔

آخر کلام

اگر کوئی شخص (جو فن ہذا کے قواعد سے ناواقف ہے) یہ اشتباہ پیدا کرنا چاہے کہ پھر تو عکرمہ کی تمام مرویات سے اعتماد اٹھ گیا اور اس کی وثاقت کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا حالانکہ صحاح کی کتابوں میں اس کی مرویات موجود ہیں اور عند العلماء مقبول ہیں۔

تو اس اشتباہ کو رفع کرنے کے لیے وضاحت درج کی جاتی ہے کہ ایسے مواقع پر قاعدہ یہ ہے کہ جو روایت کتاب و سنت کے مضمون کے خلاف اور معروف روایات کے متضاد اور قواعد مسلمہ اور واقعات صحیحہ کے برعکس پائی جائے وہ اگرچہ ثقہ راوی سے منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا اور اس کے ساتھ احتجاج کرنا درست نہیں ہوتا۔ وہ درجہ شاذ میں شمار کی جاتی ہے۔

پس یہاں بھی یہی قاعدہ ملحوظ رکھا جائے گا کہ عکرمہ کی وہ روایات جو مذکورہ بالا قواعد کے برخلاف ہوں گی وہ متروک ہیں اور جو روایات اس فن کے قواعد کے خلاف نہیں وہ قابل قبول ہیں اور لائق احتجاج ہیں۔ پس اس طریقہ سے اشتباہ مذکور مرتفع ہو گیا۔

بندہ نے اپنی ناقص رائے کے پیش نظر ''الحمار'' والی روایت کا جواب پیش کیا ہے۔ اگر علمائے کبار اس سے بہتر جواب بیان فرمائیں تو سبحان اللہ، وہ بہترین ہوگا۔

ظلم اور زیادتی کا طعن

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسروں کی جائیداد غصب کرنے اور غیر کے حق میں تجاوز کرنے کا اعتراض قائم کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں کہ:

((محمد بن جعفر عن شعبة عن سعد بن ابراهيم انه سمع رجلا من بنى مخزوم عن عمه۔ ان معاوية اراد ان يأخذ ارضا لعبد الله بن عمرو يقال لهما الوهط فامر مواليه فلبسوا التهم وارادو القتال قال فاتيته فقلت ما ذا فقال انى سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من مسلم يظلم بمظلمة فيقاتل فيقتل الا قتل شهيدا))

''یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے لیے اراضی کی ایک جائیداد طائف میں تھی جس کو الوہط کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو اپنی تحویل میں لینے اور اپنے کارندوں کے ذریعے سے اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ان حالات میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے اس مسئلے میں مدافعت اور معارضہ کی تیاری کر لی اور اپنے خدام کو فرمایا کہ ہتھیار پہن لو اور قتال کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تو روایت کرنے والا کہتا ہے کہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے اور ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان پر کوئی ظلم اور زیادتی ہونے لگے اس پر وہ قتال کرے اور اس صورت میں وہ قتل ہو جائے تو شہید ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مخالف فریق ہم پر زیادتی کر رہا ہے اور دفاع میں ہمارا مارا جانا شہادت ہے۔''

الجواب

اس اعتراض کا جواب پیش کرنے کے لیے پہلے تو اس روایت کی سند و متن کے متعلق گفتگو کی جائے گی، اس کے بعد ایک دوسرے طریقے سے کلام ہوگا یعنی معاملات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار و اخلاق سامنے رکھنے سے مسئلہ صاف ہو سکے گا۔

سند کے اعتبار سے

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ روایت بنومخزوم کے ایک شخص سے مروی ہے اور وہ اپنے چچا سے نقل کرتا ہے۔ یہ چچا بھتیجا دونوں مجہول الذات والصفات ہیں۔ فلہٰذا راوی کی جہالت کی وجہ سے یہ روایت قابل اعتنا نہیں۔

متن کے اعتبار سے

روایت کے متن میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اس موقع پر کوئی قتال واقع نہیں ہوا۔ یہاں صرف یہ مذکور ہے کہ جانبین نے اپنے اپنے فعل کا ارادہ کیا۔ اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کی اراضی غصب کر لی اور پھر دوسرے فریق نے اس پر قتال کیا۔ یہاں دونوں فریق کے ارادوں کا ذکر ہے۔ یہ کوئی قابل طعن بات نہیں ہے۔ آپس میں معاملات کی صورت میں کشیدگی اور تنازع کا پیش آنا معاشرے کے لوازمات میں سے ہے اس چیز پر کوئی اعتراض قائم کرنا صحیح نہیں۔

ایک نظیر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا واقعہ ہم بطور نظیر پیش کرتے ہیں کہ آپ معاملات میں دوسرے کے حق میں زیادتی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ پوری انصاف پسندی سے کام لیتے تھے۔ مورخین نے آپ کی حق و انصاف پسندی کا درج ذیل واقعہ ذکر کیا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ میں کچھ اراضی تھی اور اس پر آپ کا غلام نضیر وکیل اور نگران تھا۔ اس اراضی سے ملحق حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن کی بھی اراضی تھی۔ نضیر نے عبدالرحمٰن کی اراضی کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اراضی کے ساتھ منضم کرلیا اور کہا کہ یہ رقبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور عبدالرحمٰن نے کہا کہ میرے والد زید جنگ یمامہ میں شہید ہوگئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قطعہ اراضی ہمارے لیے متعین کر دیا تھا۔

ان دنوں مروان بن حکم حاکم مدینہ تھے۔ جب یہ معاملہ ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے مصالحت کی کوشش کی مگر صلح نہ ہوسکی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن زید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں شام چلے گئے۔ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئے اور واقعہ بیان کیا کہ آپ کے وکیل مذکور نے اس طرح زمین میں تجاوز کر کے قبضہ کرلیا ہے، یہ زمین تو ہمیں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے دی ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے زمین بالکل ترک کر دی اور بنجر بنا دی اور غیر آباد کر دی۔ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اذن سے پھر آباد کاری کی ہے، اس میں کھجور کے پودے لگائے ہیں وغیرہ وغیرہ، کافی اخراجات کیے ہیں۔ اب تم دعویٰ کرتے ہو۔

غرض تنازع قائم رہا۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ اس وقت کے قاضی فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ جو فیصلہ فرمائیں وہ منظور ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات (عبدالرحمٰن بن زید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) قاضی فضالہ بن عبید انصاری کے پاس پہنچے۔ فریق اول عبدالرحمٰن کے پہلے بیان ہوئے، اس کے بعد امیر المومنین کے بیانات سنے گئے تو قاضی موصوف نے فیصلہ دیا کہ ((ان القول قول عبدالرحمن والحق معه فقضى به فقال معاوية نقبل ما قلت)) یعنی عبدالرحمٰن کا بیان معتبر اور قابل تسلیم ہے اور حق اسی کے ساتھ ہے پس قاضی نے ان کے حق میں فیصلہ دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کچھ آپ نے فیصلہ کیا ہے ہم اسے قبول کرتے ہیں لیکن جو مصارف ہم نے اس کی آبادکاری کے لیے کیے ہیں اور پودے وغیرہ لگائے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ قاضی فضالہ انصاری نے فرمایا کہ درختوں اور آبادکاری کے مصارف اگر عبدالرحمٰن ادا کر دیں تو زمین کے ساتھ درختوں کے بھی مالک ہیں، اور یہ صورت اختیار نہ کریں تو زمین کی قیمت کی ضمان لے کر (یعنی زمین کی قیمت وصول کر کے) اپنا تنازع ختم کر دیں۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو آبادکاری ہو چکی ہے وہ بھی اور جو کچھ زمین انھوں نے لے لی ہے وہ بھی ہم ان کو صلہ رحمی کے طور پر دیتے ہیں۔ اور یہی چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے وکیل نضیر کی طرف لکھ دی اور ان کا قرض ادا کر دیا اور ان کو شرف عطا میں شامل کر لیا اور فرمایا کہ اے بھتیجے! آپ اس کے حق دار ہیں، اور مزید کچھ مال دیا۔

((فتكلم عبدالرحمن بقوله الاول وتكلم معاوية بقوله الاول فرأى فضالة ان القول قول عبدالرحمن والحق معه فقضى به فقال معاوية نقبل ما قلت ارأيت ما غرست فيها قال يقول ذالك لك فان شاء ضمنك قيمة الارض فقال عبدالرحمن قد انصفت فقال معاوية فالغراس له وما مد اليه يده من ارضي فهو له صلة لرحمه، وكتب له بذالك الى وكيله وقضى دينه والحقه فى شرف العطاء قال انت مستحق لذالك يا ابن اخى الفاروق والشهيد واعطاه، مالا))[1]

مختصر یہ ہے کہ

① واقعہ ہذا سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق پسند تھے، حق بات تسلیم کرتے تھے اور غیر کے حقوق میں تجاوز کرنے والے نہیں تھے فلہٰذا ان کے خلاف مندرجہ بالا اعتراض بے جا ہے۔

② نیز یہاں سے واضح ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی، حق بات کا فیصلہ آزاد رائے سے کرتے تھے اور عدالت احکام شرعی کی پابند تھی، خلیفہ کا ان کا پر کوئی دباؤ نہ تھا بلکہ خلیفہ وقت بوقت

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۱-۱۱۲ ج ۴ ق اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع یروشلم

ضرورت عدالت میں خود پیش ہوتا اور امیر المومنین کے خلاف قاضی فیصلہ دیتا تو وہ بخوشی تسلیم کرتا تھا۔ ''عدلیہ کی آزادی کے خاتمہ'' کا پروپیگنڈا سراسر واقعات کے برخلاف ہے جیسا کہ ناظرین کرام نے گزشتہ سطور میں ملاحظہ کیا۔

بعض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو ظلم و زیادتی کا دور ثابت کرنے کے لیے بڑی کوشش کرتے ہیں۔ واقعہ ہذا اس بات کی شہادت ہے کہ قاضیوں کی عدالت اپنے فیصلے دینے میں آزاد تھی حتیٰ کہ خلیفہ وقت کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔

قتل نفس اور اکل مال بالباطل (یعنی باطل طریقے سے مال کھانا) کا طعن پھر اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے ایک بار فرمان نبوی بیان فرمایا تو اس کے جواب میں عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیں ''قتل نفس'' اور ''اکل مال بالباطل'' کا حکم دیتے ہیں:

((فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بایع اماما فاعطاه صفقة یده وثمرة قلبه فلیطعه ان استطاع فان جاء اٰخر بنازعه فاضرب عنق الاخر...... (پھر عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ کا قول ہے کہ) هذا ابن عمك معاویة یأمرنا ان نأكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا......)

جواب

اولاً: یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس روایت کے رواۃ میں ایک راوی زید بن وہب جہنی کوفی ہے جس کے متعلق علماء نے وثاقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ فی حدیثة خلل کثیر[1]

ثانیاً: یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اس روایت کا محمل وہ دور ہے جب کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان قصاص دم عثمانؓ کے سلسلے میں باہم تنازعات قائم تھے۔ نیز روایت ہذا کو دیگر کبار محدثین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن متن روایت میں قابل اعتراض الفاظ (یامرنا ان ناکل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا) مفقود اور غیر مذکور ہیں۔[2] یہاں سے روایت میں رواۃ کا تصرف اور کمی بیشی عیاں ہوتی ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۲۷ ج ۳ تحت زید بن وہب الجہنی
کتاب المعرفۃ والتاریخ (بسوی) ص ۶۸-۶۹ ے ج ۲ تحت زید بن وہب الجہنی

[2] سنن ابن ماجہ ص ۲۹۲-۲۹۳ آخر باب السواد الاعظم من ابواب الفتن
سنن نسائی ص ۱۶۴-۱۶۵ ج ۲ کتاب البیعۃ تحت ذکر ما علیٰ من بایع الامام...... الخ

معلوم ہوا کہ یہ قابل اعتراض کلمات راوی کی طرف سے اضافہ شدہ ہیں اور اس نے ان کلمات کو اپنے ظن و گمان کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذکر کیا ہے۔

اسی مضمون کو شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((المقصود بهذا الكلام ان هذا القائل لما سمع كلام عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وذكره الحديث فى تحريم منازعة الخليفة الاول وان الثانى يقتل فاعتقد هذا القائل هذا الوصف فى معاوية لمنازعة عليا وكانت قد سبقت بيعة على فرائى هذا ان نفقة معاوية على اجناده واتباعه فى حرب على ومنازعة ومقاتلة اياه من اكل المال بالباطل ومن قتل النفس لانه قتال بغير حق فلا يستحق احد مالا فى مقاتلة))[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ جب راوی عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی کہ خلیفہ اول منتخب ہو جانے کے بعد اس کے ساتھ منازعت حرام ہے اور خلافت کے دوسرے دعویدار کے ساتھ مقاتلہ کرنا چاہیے تو اس راوی نے (اس دور کے حالات کے پیش نظر) یہ گمان کیا کہ یہ وصف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے خلاف منازعت کیے ہوئے ہیں۔ گویا کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف) ان کے جنود اور لشکروں پر مال خرچ کرنا باطل طریقہ ہے اور قتال کرنا قتل نفس کی دعوت ہے۔''

تو اپنے گمان کو راوی (عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ) نے ان کلمات سے تعبیر کیا اور کہا کہ هذا ابن عمك معاوية يامرنا ان ناكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدعی خلافت نہ تھے اور مسئلہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع کنندہ نہیں تھے بلکہ ان کا نزاع اور اختلاف قصاص دم عثمانؓ میں تھا، خلافت و امارت میں نہیں تھا۔ جیسا کہ یہ چیز اپنی جگہ پر منقح ہو چکی ہے۔ سیرت علوی کے یہ مقامات ملاحظہ کریں۔

فلہذا اس حدیث کی مخالفت نہ پائی گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف نہ ہوئے۔ گویا یہ کلام راوی کے اپنے گمان کے اعتبار سے ٹھہرا جو واقعہ کے اعتبار سے درست نہیں۔

درایتاً

درایت کے اعتبار سے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر معترض کا اعتراض (اکل اموال بالباطل وقتل نفس)

---

[1] شرح مسلم (نووی) ص ۱۲۶-۱۲۷ ج ۲ تحت روایت ہذا (ابن عمک معاویہ ...... الخ)

صحیح ہے تو قابل توجہ یہ چیز ہے کہ اس دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا تھے انھوں نے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا؟ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں انھوں نے شرکت کیسے اختیار کی؟ مالی و جانی تعاون کس طرح کرتے رہے؟

پس یہ امور اس بات کے قرائن اور شواہد ہیں کہ معترض کا گمان اپنی جگہ پر صحیح نہیں اور روایت مذکورہ بالا کا مفہوم وہی درست اور صحیح ہے جو اکابر علماء نے ذکر کیا ہے۔

محمد بن ابی بکر کا قتل

معترض احباب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مظالم جہاں ذکر کرتے ہیں ان میں محمد بن ابی بکر کو قتل کر دینے اور ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلانے کے وحشیانہ سلوک کا اعتراض بڑی آب و تاب سے بیان کرتے ہیں۔

اعتراض کا جواب

اس اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان کے ملاحظہ کر لینے سے صحیح صورت حال واضح ہو سکے گی:

① یہاں یہ چیز پہلے ذکر کر دینا ضروری ہے کہ واقعہ صفین کے بعد تحکیم کے موقع پر فیصل حضرات جب کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ اسی دوران میں مصر میں محمد بن ابی بکر کے قتل کا واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔

② محمد بن ابی بکر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے سابق فرزند تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت جوان ہوئے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے تو حملہ آوروں کی شورش میں یہ برابر کے شریک رہے اور قاتلین عثمانؓ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ محمد بن ابی بکر کا ان شورشوں میں شریک رہنا اور بغاوت کرنے والوں کی حمایت کرنا ان کا ایک ''ذاتی معاملہ'' تھا اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تھی اور وہ اس معاملہ میں حامی نہیں تھے جیسا کہ شہادت عثمانؓ کے واقعہ میں بیان کیا گیا (جو کتاب رحماء بینہم حصہ عثمانی باب پنجم میں مذکور ہے)۔

محمد بن ابی بکر کا یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امور میں خلاف رائے رکھتے تھے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ہم نوا نہیں تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد بن ابی بکر کے مخالفانہ و معاندانہ رویہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا درست نہیں سمجھتی تھیں اور ان کو ان حرکات سے منع کرتیں لیکن یہ اپنے رویہ سے باز نہیں رہتے تھے۔

③ جس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں میں واقعہ صفین کے بعد ایک فریق کے

دوسرے فریق کے ساتھ معارضات جاری تھے اور مختلف علاقوں میں ہر دو فریق کے مقابلے اور مسابقتیں ہو رہی تھیں اور یہ شورشیں قتل و قتال تک پہنچتی تھیں، ان ایام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ وہاں انھیں مشکلات کا سامنا ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو ان کی معاونت کے لیے بھیجا مگر وہ راستے ہی میں قلزم کے مقام پر فوت ہو گیا۔

اسی دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی مقرر کیا اور وہ اپنے حامیوں سمیت مصر پہنچ گئے۔ علاقہ مصر میں لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے کافی متاثر تھے خصوصاً خربتا کے لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے رکھتے تھے اور مظلومیت عثمانؓ کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ یہ لوگ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ان کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فریق مخالف کے لیے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے روانہ کیا۔ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کا پہلے معارضہ کنانہ بن بشر وغیرہ کے ساتھ پیش آیا۔ باہم قتال ہوا اور کنانہ بن بشر مقتول ہوا۔ اس کے بعد ان کا معارضہ محمد بن ابی بکر اور اس کے ساتھیوں سے ہوا اور محمد بن ابی بکر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور قتل ہوئے۔

تنبیہ

محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق مورخین نے اس مقام پر متعدد صورتیں ذکر کی ہیں۔ واقعہ کی تفصیلات البدایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۱۳-۳۱۴ تحت واقعہ ہذا اور اصابہ لابن حجر عسقلانی ج ۳ ص ۴۱۵ تحت حرف المیم (محمد بن ابی بکر) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ہم یہاں بالاختصار ذکر کرتے ہیں:

① ایک صورت تو یہ ہے کہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ان کا مقابلہ ہوا اور اس معارضہ کے دوران میں قتل ہو گئے۔

② دوسری صورت یہ ذکر کی جاتی ہے کہ معارضہ کے بعد ان کو گرفتار کر کے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا وہاں ان کی باہمی سخت کلامی ہوئی اور پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔

محمد بن ابی بکر کے قتل کی وجہ فریق مخالف کی زبانی اسی طرح مذکور ہے کہ معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ کی ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی تو عبدالرحمٰن نے بطور طعن کہا:

((یا معاویة (ابن خدیج) قد اخذت اجرك من معاویة بن ابی سفیان لما قتلت محمد بن ابی بکر لیولیك مصر فقد ولاکها فقال ما قتلت محمدا لولایة وانما قتلة لقتله عثمان))[1]

---

[1] البیان المغرب فی اخبار المغرب ص ۱۳ ج ۱ (ابن عذاری المراکشی) تحت اخبار معاویہ بن خدیج الکندی (طبع بیروت)

''یعنی اے ابن خدیج! تو نے معاویہ بن ابی سفیان سے میرے بھائی محمد بن ابی بکر کے قتل کا اجر حاصل کر لیا اور تجھے مصر کا والی بنا دیا گیا، تو ابن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ولایتِ مصر کے لیے محمد بن ابی بکر کو نہیں قتل کیا تھا بلکہ میں نے تو اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ قاتلین عثمانؓ میں شریک تھا۔''

مختصر یہ ہے کہ کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کا مقتول ہونا فریق مخالف کی طرف سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورشوں میں شریک تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ان کا پورا پورا حصہ تھا۔

(۳) مورخین نے محمد بن ابی بکر کے قتل کی ایک یہ صورت بھی ذکر کی ہے کہ جب دونوں جماعتوں کا باہم قتال ہوا تو محمد بن ابی بکر شکست کھا کر بھاگ گئے اور ایک مقام میں مختفی ہو گئے۔ پھر وہاں سے ان کو تلاش کر کے قتل کر دیا گیا۔

یہاں مورخ طبری نے ابومخنف سے یہ روایت ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا پھر اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں داخل کر کے جلا دیا گیا۔

((فقدمه فقتله ثم القاه فی جیفة حمار ثم احرقه بالنار))[1]

اسی روایت کے آخر میں طبری نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر پہنچی تو انھوں نے حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر قنوت پڑھنی شروع کر دی یعنی نمازوں کے آخر میں بددعا فرماتی تھیں۔

یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ ''گدھے کی کھال میں ڈال کر جلانے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بددعائیں کرنے'' کی یہ روایت ابومخنف لوط بن یحییٰ رافضی بزرگ سے مروی ہے، نیز اسناد میں ابومخنف ایک واسطہ کے ذریعے سے عن شیخ من اہل المدینہ سے نقل کرتا ہے۔ وہ شیخ اپنی جگہ پر مجہول الذات والصفات ہے۔ فلہٰذا ایسی مجروح روایت ہرگز قابل اعتماد نہیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کیا جا سکے۔

نیز واضح رہے کہ طبری سے بعد والے مورخین اس روایت کو طبری سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہم نے یہاں قتل کے وجوہ اور مختلف صورتیں ذکر کرنے کے علاوہ روایت کی باعتبار سند کے حقیقت حال درج کر دی ہے فلہٰذا مذکورہ بالا اعتراض کا بے جا ہونا واضح ہو گیا اور وحشیانہ سلوک کی حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

حاصل یہ ہے کہ یہاں بناء الفاسد علی الفاسد کا معاملہ ہے فلہٰذا وحشیانہ سلوک کی داستان غیر صحیح ہے۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۶۰ ج ۶ تحت واقعہ ہذا سنہ ۳۸ھ

نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق قنوت بعد از نماز شروع کر دینے کا اعتراض بھی صحیح نہیں۔ ایک تو یہ روایت سنداً مقدوح و مجروح ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات تازیست صحیح رہے، انھوں نے روابط منقطع نہیں کیے۔ یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ واقعات اس طرح نہیں جس طرح معترضین بنا سجا کر پیش کرتے ہیں۔

قبل ازیں ہم نے محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق موقع کی مناسبت سے کچھ حالات سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ''بعض انتظامی امور'' کے عنوان کے تحت ذکر کر دیے ہیں اور وہیں اشتر نخعی کا ذکر بھی بقدر ضرورت ہو چکا ہے۔

حجر بن عدی وغیرہ کا قتل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جملہ مطاعن میں سے اس دور کے بعض لوگوں کو قتل کرنے کا طعن اعتراض کرنے والوں کی طرف سے بڑے آب و تاب کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی تمہیدی چیزوں میں یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو مسئلہ شرعی ہے اس کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور لوگوں کی زبانیں حق بات کہنے سے روک دی گئی تھیں، ان پر قفل چڑھا دیے گئے تھے۔ جو حق بات کہتا تھا اس کو بدترین سزا دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں حجر بن عدی کا قتل سرفہرست ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کو حق بات کہنے پر ۵۱ھ میں بلاوجہ جواز قتل کر دیا گیا۔

جواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر انصاف سے غور کر لینے کے بعد طعن مرتفع ہو سکے گا۔

پہلے ہم حجر بن عدی کی شخصیت کے متعلق کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اس کے بعد باقی متعلقہ امور ذکر کیے جائیں گے۔

حجر بن عدی

حجر بن عدی بن جبل بن عدی کوفہ کے قبیلہ کندہ کے روساء میں سے تھے۔ ان کو حجر الخیر اور حجر بن الادبر بھی کہتے تھے۔ بعض مورخین اور علماء نے حجر کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ وہ عابد و زاہد تھے اور دیگر علماء مثلاً امام بخاری، ابن ابی حاتم، خلیفہ ابن خیاط اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔[1]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ

((قال ابو احمد العسکری اکثر المحدثین لا یصححون له صحبة))[2]

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۱۳ ج ۱ تحت حجر بن عدی

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

"یعنی ابو احمد عسکری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر محدثین حجر بن عدی کے صحابی ہونے کو صحیح قرار نہیں دیتے۔"

آپ جنگ قادسیہ میں شامل ہوئے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جمل وصفین کی حروب میں بھی شامل ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حامیوں میں ہوتا تھا۔ آپ حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے نظریاتی طور پر سخت خلاف تھے۔ کوفہ سبائی پارٹی کا خصوصی مرکز تھا۔ حکومت کے خلاف ان کی سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے جو لوگ متاثر تھے ان میں حجر بن عدی نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور فتنہ انگیز پارٹی کے اثرات سے کافی متاثر بلکہ مغلوب تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عذراء کے مقام پر شعبان ۵۱ھ میں قتل کیے گئے۔[1]

خلیفہ کی مخالفت

جب حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کا دور خلافت گزر گیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو حجر بن عدی کے نظریات میں خاصا تصلّب واقع ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے امیر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب خطبہ دیتے تو یہ لوگ ان کے خلاف تشدد اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے لیکن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اپنی قوت برداشت اور حلم کی بنا پر درگزر فرماتے اور مناسب فہمائش کرتے کہ امیر وقت کے ساتھ معارضہ کرنا درست نہیں مگر حجر بن عدی اپنے تشدد سے باز نہیں آتے تھے۔[2]

مسئلہ عطا پر نقد

بعض دفعہ لوگوں کو وظائف کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو حجر بن عدی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور جب بعض لوگوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی پر سختی کرنے کے لیے کہا کہ یہ مسلمانوں کے اتفاق کی لٹھ توڑنا چاہتے ہیں اور امیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو پھر بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور ان سے درگزر فرمایا۔

بیت المال کے اموال پر معارضہ

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المال سے کچھ مال یہاں دارالخلافہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ مال بھیجنے لگے تو حجر بن عدی معارضہ کرتے ہوئے ان سواریوں کی لگام پکڑ کر مال روکنے پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ یہاں حق والوں کا حق ادا کیا جائے۔ اس موقع پر بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حسب معمول سختی نہیں کی اور عفو و درگزر سے

---

[1] مستدرک حاکم ص ۴۶۹ ج ۳

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت حالات سنہ ۵۱ھ

کام لیا۔[1]

بعدہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ۵۰ھ میں وفات پا گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا والی مقرر فرما دیا۔ حجر بن عدی اپنی سابقہ روش کے مطابق زیاد بن ابیہ والی کوفہ و بصرہ کے خطبات پر بھی تنقید اور معارضہ کرنے لگے اور حکومت کے نظم کے معاملات میں دخیل ہونے لگے۔

والی کوفہ پر کنکر پھینکنا

ایک روز زیاد بن ابیہ کوفہ میں خطبہ دینے لگا، اس مقام پر حجر بن عدی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھے اور ہتھیار لگا کر آئے تھے۔ زیاد نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد دیگر چیزوں کے علاوہ امیر المومنین کے حقوق کا ذکر کیا۔ اس مسئلے پر حجر بن عدی کو اختلاف تھا اس نے زیاد پر کنکر پھینکے اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہے۔

((وجعل زياد في خطبة ان من حق امير المؤمنين يعني كذا و كذا فاخذ حجر كفا حصباء فحصبه وقال كذبت عليك لعنة الله))[2]

حجر بن عدی اور اس کے رفقاء کا رویہ

ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں ابن جریر طبری کے حوالے سے اس جمعیت کی شورشوں اور فتنہ پردازیوں کو متعدد بار ذکر کیا ہے اور ایک مقام پر اس چیز کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((انهم كانوا ينالون من عثمان ويطلقون فيه مقالة الجور وينتقدون على الامراء و يسارعون في الانكار عليهم، ويبالغون في ذالك ويتولون شيعة على ويتشدون في الدين))[3]

''مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتراض کرتے تھے اور ان کے حق میں جور و ظلم منسوب کرتے تھے۔ وہ امراء و حکام کی سخت عیب جوئی کرتے تھے اور ان پر انکار کرنے میں جلد بازی کرتے تھے اور اس معاملے میں غلو کرتے تھے، شیعان علی کی دوستی کا دم بھرتے تھے اور دین کے معاملات میں تشدد اختیار کیے ہوئے تھے۔''

گویا اس جماعت کے طریق کار کو بطور نمونہ ذکر کیا ہے ان کے کارناموں کی مزید تشریح آئندہ سطور میں آرہی ہے۔ اسی سلسلے میں معارضہ کے واقعات کو زیاد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

---

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

۲ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

۳ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

بصورت مکتوب لکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ حجر بن عدی اور شورش میں شامل اس کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر کے یہاں دمشق بھیج دیا جائے۔

چنانچہ زیاد نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لیے چند آدمی بھیجے تو حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے پتھروں اور ڈنڈوں سے ان کا پورا پورا مقابلہ کیا۔ مگر زیاد کے آدمی انھیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور زیاد نے انھیں دس دن اپنے پاس حراست میں رکھا۔ پھر اس کے بعد ان کو خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور ان کے ساتھ ایک جماعت کو بھیجا جو گواہی دیتے تھے کہ:

① حجر بن عدی نے خلیفہ وقت پر سب وشتم کیا ہے۔
② امیر وقت کے ساتھ محاربہ قائم کیے ہوئے ہیں۔
③ یہ کہتے ہیں کہ امارت اور خلافت آل ابی طالب کے علاوہ کسی کے لیے درست نہیں۔

((انه سب الخليفة وانه حارب الامير وانه يقول ان هذا لامر لا يصلح الا فى آل على بن ابى طالب))[1]

ان واقعات کے لیے جو شہادت زیر تحریر لائی گئی تھی ابن جریر طبری نے اس کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے

((ان حجرا جمع اليه الجموع واظهر شتم الخليفة ودعا الى حرب اميرالمومنين وزعم ان هذا الامر لا يصلح الا فى آل ابى طالب و وثب المصر واخرج عامل اميرالمومنين واظهر عذار أبى تراب والترحم عليه والبراءة من عدوه واهل حربه وان هؤلاء النفر الذين معه هم رءوس اصحابه وعلى مثل رأيه وامره))[2]

''مطلب یہ ہے کہ ان اکابر لوگوں نے شہادت دی کہ حجر بن عدی نے اپنے گرد ایک جمعیت جمع کر رکھی ہے، خلیفہ وقت کو سب وشتم کرتے ہیں، امیر المومنین کے خلاف قتال کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آل ابی طالب کے علاوہ کسی کے لیے امارت وخلافت درست نہیں، اور شورش کھڑی کر کے امیر المومنین کے حاکم و عامل کو شہر سے نکال دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معذوری ظاہر کر کے ان پر ترحم کرتے ہیں اور ان کے مخالفین سے براءت اور بیزاری کرتے ہیں، اور یہ جو ان کے ساتھی ہیں یہ ان کی جماعت کے سربرآوردہ لوگ ہیں، حجر بن عدی اور ان کی جماعت کی ایک رائے ہے اور ایک ہی نظریہ کے حامل ہیں۔''

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

[2] تاریخ طبری ص ۱۵۰ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ حالات واقعہ ہذا

اور اس شہادت کو ابن خلدون رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((فشهدوا كلهم ان حجرا اجتمع الجموع واظهر شتم معاوية ودعا الى حربه وزعم ان الامر لا يصلح الا فى الطالبيين))[1]

مختصر یہ ہے کہ حجر بن عدی اور ان کی سبائی پارٹی اس وقت کے نظام حکومت اور انتظامی خلافت کو الٹ کر کوئی دوسرا اقتدار قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے اور لوگوں کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ گویا اسلام کی متفقہ قوت میں پھر انتشار ڈالنا ضروری سمجھتے تھے۔

ارسال شہادات اور اس کے نتائج

ان حالات کے تحت زیاد نے اس معاملے کے متعلق ان شہادتوں کو مرتب کر کے مرکزی حکومت کو ارسال کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ چنانچہ گزشتہ واقعات پر شہادت دینے والے ستر افراد میں درج ذیل شاہدین شامل تھے (جن میں بعض صحابہ کرام اور بعض تابعین ہیں)

ابو بردہ بن ابی موسیٰ، وائل بن حجر، عمرو بن سعد بن ابی وقاص، اسحاق و اسمٰعیل و موسیٰ فرزندان طلحہ بن عبیداللہ، منذر بن زبیر، کثیر بن شہاب اور ثابت بن ربعی وغیرہم۔

یہ شہادتیں مرتب کر کے زیاد بن ابیہ والی کوفہ و بصرہ نے خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں سمیت ارسال کیں اور ساتھ ہی مذکورہ ستر شاہدین میں سے کچھ افراد کو بھی خلیفہ کے سامنے براہِ راست شہادت پیش کرنے کے لیے دمشق بھیجا۔ ان میں سے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب مشہور ہیں۔

چنانچہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں سمیت مذکورہ شاہدین کے ہمراہ پیش ہوئے اور مرتب شدہ شہادتیں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ آپ نے مرتب شدہ شہادتیں ملاحظہ کرنے اور شاہدین سے براہِ راست شہادت لینے کے بعد جرم ثابت ہونے پر حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو عذرا کے مقام (جو دمشق کا ایک قریہ ہے) پر لے جا کر قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔

فلہٰذا خلیفہ وقت کے احکام کے مطابق حجر بن عدی، شریک بن شداد، صیفی بن فسیل، قبیصہ بن ضبیعہ، محرز بن شہاب منقری اور کدام بن حبان، ان چھ افراد کو عذرا کے مقام پر لے جا کر قتل کر دیا گیا۔[2]

حجر بن عدی کے بعض دیگر ساتھیوں کا معاملہ قتل کی سزا تک نہیں پہنچا تھا اور بعض مزید عوارض بھی پیش نظر ہوں گے لہٰذا ان کو سزا نہیں دی گئی اور آزاد کر دیا گیا۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ص ۲۶ ج ۳ ق اول (تحت واقعات ہذا) طبع بیروت۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۲ ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنہ ۵۱ ھ

ازالہ شبہات

واقعہ ہذا میں معترضین نے بہت کچھ شبہات پیدا کر دیے ہیں جن میں سے ضروری شبہات کا ازالہ کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ذیل میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں۔ طعن کرنے والے احباب حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کو بلا جواز شرعی ظلماً قتل کیا جانا شمار کرتے ہیں اور ان کے قول کے مطابق یہ مقتولین اس وقت حق گوئی کرتے تھے اور والیوں کے مظالم کے خلاف آواز اٹھاتے تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ بقول معترضین یہ لوگ خلیفہ وقت کے خلاف باغی نہ تھے اور بغاوت کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔

ازالہ

حقیقت واقعہ اور ان لوگوں کے مقاصد کی وضاحت معلوم کرنے کے لیے تاریخوں میں مفصل مواد موجود ہے جس میں مورخین نے ان کے خلیفہ وقت کے خلاف نظریات کو برملا طور پر ذکر کر دیا ہے۔ گزشتہ حوالہ جات میں ابن جریر، ابن کثیر، ابن خلدون کی عبارات بلفظہٖ نقل کر دی گئی ہیں جو ان لوگوں کے نظریات کی پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

اسی طریق سے بے شمار مورخین نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مسلمانوں کا اس وقت ایک خلیفہ اسلام پر اتفاق ہو گیا تھا اور ہاشمی حضرات سمیت اکابرین وقت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے امت کے اختلاف و افتراق کو ختم کر دیا تھا۔ اس طریقہ سے اسلام کی ایک نئی شیرازہ بندی ہو گئی تھی، اسلامی حکومت کا نظام ایک مرکز کے تحت قائم ہو گیا تھا۔ اب ان حالات میں مسلمانوں کی اس اجتماعی قوت اور مرکزی طاقت کو ختم کرنے کے لیے یہ ایک گونہ سبائی پارٹی کی طرف سے تحریک تھی جو کسی طرح جائز نہیں تھی اور اس میں افتراق پیدا کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہ تھا۔

اسلام میں اطاعت امیر واجب ہے اور اس کا خلاف کرنا شرعاً منع ہے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں امت میں اتفاق قائم رکھنے اور افتراق سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے حتیٰ کہ بعض جگہ افتراق جماعت پر وعیدیں مذکور ہیں۔ چنانچہ چند ایک ارشادات نبوی یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

① ((عن اسامة بن زيد رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فرق بين امتى وهم جميع فاضربوا رأسه كائنا من كان))[1]

''یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: درآں حالے کہ امت مجتمع ہے پھر ان کے درمیان کوئی تفریق کھڑی کرتا ہے تو اس کا سر اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۱ ج ۱۵ کتاب الفتن طبع کراچی

نیز دوسری روایت میں فرمایا کہ:

۲ ((عن عرفجة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول انه سيكون هنات هنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا ما كان))[1]

''عرفجہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کئی شرو فساد ہوں گے۔ پس جو شخص اس امت کے اجتماع میں تفریق ڈالے اسے تہ تیغ کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

اس نوع کے بہت سے فرامین نبوی احادیث میں موجود ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا فرامین نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں یہ اقدام کرنا ضروری سمجھا۔

شیعہ کی طرف سے اس مسئلے کی تائید

شیعہ کے قدیم ترین مورخ ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی (التوفی ۲۸۲ھ) نے مسئلہ ہذا کے متعلق چند تصریحات ذکر کی ہیں جو اس مرحلے کے واقعات کو صاف کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شیعہ لوگ حجر بن عدی و عمرو بن حمق وغیرہ مقتولین کے حامی ہیں اور ان کو بہتر سمجھنے والے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں، فلہٰذا ان لوگوں کے بیانات ان واقعات میں ضرور قابل توجہ ہیں۔

بنا بریں ہم ناظرین کرام کی خدمت میں ان چیزوں کو ایک ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جو منصف طبائع کے لیے حقیقت واقعہ معلوم کرنے میں مفید ہوں گی اور اختلاف کھڑا کرنے والی جماعت کا پس منظر معلوم کرنے میں معاون ہوں گی:

۱ ایک تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات۔

۲ دوسرے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اقوال۔

۳ اور تیسرے نمبر پر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات ہیں۔

اب علی الترتیب ان مندرجات پر بغور نظر فرمائیں:

(ا) ابوالائمہ کے فرمودات

۱ شیعہ مورخ احمد بن داود ابوحنیفہ دینوری شیعی اپنی مشہور تصنیف اخبار الطوال میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص طرفداروں میں سے حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ (حضرت) امیر معاویہ اور اہل شام کو برملا سب و شتم اور لعن طعن کرتے تھے۔ جب یہ چیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۳۲۰ باب الامارۃ بحوالہ مسلم شریف
مسلم شریف ص ۱۲۸ ج ۲ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین ۔۔۔ الخ

تو جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اپنا فرستادہ بھیج کر یہ فرمان جاری کیا کہ سب وشتم اور لعن طعن سے آپ لوگ باز آ جائیں۔ اس پیغام کے بعد وہ دونوں حضرات حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم یہ بات بالکل درست ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ آنجناب ان کو سب وشتم اور لعن طعن کرنے سے ہمیں کیوں منع کرتے ہیں؟ تو جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمھارے سب وشتم اور لعن طعن کرنے کو مکروہ جانتا ہوں لیکن تم لوگوں کو دعا کرتے ہوئے یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم دونوں فریق کو خوں ریزی سے بچا لے اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح فرما دے اور ان کو بھٹک جانے سے ہدایت فرما۔ حتیٰ کہ جو حق سے ناواقف ہے وہ حق بات کو پہچان لے اور نزاع کھڑا کرنے والا سخت جھگڑے سے باز آ جائے۔

((وبلغ عليا ان حجر بن عدى وعمرو بن الحمق يظهران شتم معاوية ولعن اهل الشام، فارسل اليهما ان كفا عما يبلغني عنكما فاتياه فقالا "يا أمير المومنين" السنا على الحق، وهم على الباطل؟ قال بلى ورب الكعبة المسندنة قالوا: فلم تمنعنا من شتمهم ولعنهم؟ قال كرهت لكم ان تكونوا شتامين لعانين ولكن قولوا اللهم احقن دماءنا ودماءهم واصلح ذات بيننا وبينهم واهدهم من ضلالتهم حتى يعرف الحق من جهله ويرعوى عن الغى من لجج به))[1]

② اسی طرح شیعہ کا دیگر قدیم مورخ جو خالص رافضی ہے اور دینوری سے بھی سابق دور کا آدمی ہے یعنی نصر بن مزاحم منقری المتوفی ۲۱۲ھ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فرمان کو اپنی سند کے ساتھ اپنی تصنیف ''وقعۃ الصفین'' میں مفصل طور پر درج کیا ہے۔ چونکہ ان دونوں دینوری و منقری کی روایات کا مضمون و مفہوم ایک ہی ہے اس لیے منقری کی روایت کی عبارت کو ترک کر کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ تمام عبارات دینے میں بہت تطویل ہو جاتی ہے۔

③ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نہج البلاغہ میں بھی مذکور ہے،[2] چند الفاظ کا جزوی فرق پایا جاتا ہے باقی مضمون ایک ہی ہے۔

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان قبل ازیں ہماری کتاب مسئلہ

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۱۶۵ طبع مصر (تحت واقعات صفین)
وقعۃ الصفین (نصر بن مزاحم منقری) ص ۱۱۵ طبع مصر تحت نصیحۃ علی لحجر بن عدی وعمرو بن حمق۔

[2] نہج البلاغہ ج ۱ ص ۴۲۰ تحت من کلام لہ علیہ السلام فی النھی عن سب اہل الشام

اقربا نوازی ص ۱۸۵-۱۸۶ میں درج ہو چکا ہے۔ البتہ منقری کا حوالہ یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے جسے قدیم شیعی مورخین دینوری و منقری وغیرہ نے نقل کیا ہے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ

① جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو سب و شتم اور لعن طعن کرنے کے روا دار نہیں تھے اور باوجود سیاسی اختلافات کے اس طریق کار کو مکروہ و مبغوض جانتے تھے۔ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ جب ان چیزوں کا ارتکاب کرتے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کو اس طریق کار سے برملا منع فرماتے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ بلکہ ان کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تعلیم و تلقین ہوتی تھی کہ فریق مقابل کے حق میں صلح و مصالحت کے لیے دعائیں مانگیں اور حق بات کے قبول کرنے کے لیے ہدایت کی اللہ جل شانہ سے استدعا کریں۔

② نیز ان لوگوں کی سرشت میں تشدد اور تفرق کے جذبات یہاں سے ظاہر ہوتے ہیں اور خصوصاً حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کے متشددانہ رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابتدا ہی سے ان مسائل میں سخت ترین روش اختیار کیے ہوئے تھے جو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے منشا و مقصد کے خلاف تھی اور ان کی تعلیم و تلقین کے برعکس تھی۔

(۲) سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ارشادات

اب ذیل میں ہم سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی کا ایک مکالمہ شیعہ مورخین کی زبان سے مختصراً نقل کرتے ہیں:

① جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں مصالحت کر لی اور ''منصب خلافت'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور ان سے اس امر پر بیعت کر لی تو اس وقت حجر بن عدی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو اس فعل پر شرم و ندامت دلائی اور ملامت کرنے لگے اور تقاضا کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس معاملہ میں جنگ و قتال کرنا چاہیے اور مزید کہنے لگے کہ یہ معاملہ آپ نے ایسا کر دیا ہے کہ مجھے اس واقعہ سے پہلے موت آ جاتی تو بہتر ہوتا۔ اے حسن! آپ نے ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی طرف ڈال دیا ہے اور ہم حق کو چھوڑ کر باطل میں داخل ہو گئے ہیں جس سے ہم بھاگنا چاہتے تھے۔ آپ کی وجہ سے ہمیں وہ خست اور دناءت نصیب ہے جو ہمارے لائق نہیں تھی۔

((وکان اول من لقی الحسن بن علی فندمه علی ما صنع ودعاه الی ردا الحرب حجر بن عدی۔ فقال له یابن رسول الله لوددت انی مت قبل ما

رأيت اخرجتنا من العدل الى الجور فتركنا الحق الذى كنا عليه ودخلنا فى الباطل الذى كنا نهرب منه واعطينا الدنية من انفسنا وقبلنا الخسيسة التى لم تلق بنا))[1]

اس مکالمہ کا حاصل یہ ہے کہ حجر بن عدی اس صلح کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرتے تھے اور وہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس فعل پر ملامت کرتے تھے اور ندامت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے بڑا ظلم کیا ہے، حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کر لیا ہے۔ حجر بن عدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کے مقابلے میں جنگ و قتال کھڑا کرنے کی دعوت دیتے اور اس پر آمادہ کرتے تھے۔

(۲)　اس کے بعد یہ شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی کا کلام نہایت شاق گزرا اور سخت ناگوار ہوا۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کی بڑی خواہش صلح میں دیکھی ہے اور وہ جنگ کو مکروہ جانتے تھے۔ اس لیے میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ان کو مکروہ بات پر برانگیختہ کروں۔ ان حالات میں اپنے ساتھیوں کے قتل و قتال سے بچاؤ کی خاطر میں نے صلح کر لی ہے اور میں نے جنگ و جدال کو ایک وقت تک موقوف کر دیا ہے۔

((فاشتد على الحسن رضي الله عنه كلام حجر، فقال له انى رأيت هوى عظم الناس فى الصلح وكرهوا الحرب، فلم احب ان احملهم على ما يكرهون، فصالحت بقيا على شيعتنا خاصة من القتل، فرأيت دفع هذه الحروب الى يوم ما فان الله كل يوم هو فى شأن))[2]

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی کے متشددانہ و متحاربانہ نظریات ناگوار تھے اور ان کی اپنی رائے اس معاملہ میں دوسری تھی یعنی وہ فساد و انتشار کے بجائے قوم میں صلح جوئی اور مصالحت کو پسند فرماتے تھے۔

(۳) سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرمودات

شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا مکالمہ اور گفتگو کے بعد حجر بن عدی، عبیدہ بن عمرو کے ہمراہ اپنے مخالفانہ نظریات کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ تم نے عزت دے کر ذلت خرید لی ہے اور تم نے کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کر لیا ہے۔ آج آپ اہل زمانہ کی نافرمانی کر کے ہماری بات تسلیم کیجیے اور اپنے بھائی حسن کو بھی چھوڑیے اور جو کچھ انھوں نے صلح کر رکھی ہے اسے جانے دیجیے۔ میں اہل

۱　اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر

۲　اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

کوفہ وغیرہ میں سے آپ کے شیعوں اور خیر خواہوں کو جمع کر کے آپ کی خدمت میں لاتا ہوں، مجھے آپ اس معاملہ پر والی بنائیے تا کہ ہم ابن ہند (معاویہ) کے ساتھ تلواروں سے جنگ وقتال کریں۔

((قال فخرج من عنده ودخل على الحسين رضي الله عنه مع عبيدة بن عمرو فقالا ابا عبدالله شريتم الذل بالعز وقبلتم القليل وتركتم الكثير اطعنا اليوم اعصينا الدهر دع الحسن وما رأى من هذا الصلح واجمع اليك شيعتك من اهل الكوفة وغيرها وولني وصاحبى هذه المقدمة فلا يشعر ابن هند الا ونحن نقارعه بالسيوف))[1]

اس کے جواب میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو کی اس تلخ گفتگو اور قتال پر آمادہ کرنے والے کلام کے جواب میں فرمایا: ہم امیر معاویہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں اور اس پر بیعت کر چکے ہیں، اب اس بیعت کے توڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

((فقال الحسين انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا))[2]

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اہل اسلام میں مصالحت ہو چکی ہے، اب اس معاہدہ صلح کی عہد شکنی کر کے پھر قتال بین المسلمین زندہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا، اب ہم سے معاہدہ کا خلاف نہیں ہوسکتا۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ (ظلماً قتل) پر پہلے مشہور مورخین طبری، ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے بیانات ہم نے پیش کیے ہیں ان میں اس گروہ کے نظریات اور جارحانہ اقدامات واضح طور پر سامنے آ گئے ہیں۔ اس جماعت کے سرگروہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق تھے۔ ان لوگوں کی تمام مساعی افتراقی نوعیت کی تھیں اور حرب وقتال کھڑا کرنے میں پیش پیش تھے۔

پھر اس کے بعد ہم نے شیعہ کے اکابر مورخین کے بیانات درج کیے ہیں جن سے اصل مسئلے کی تائید مطلوب ہے۔ اور شیعہ کے مندرجات سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جن اکابر علوی حضرات کا یہ خانگی مسئلہ تھا (حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما) ان کے فرمودات و نظریات حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کی جارحانہ رائے کے بالکل برعکس پائے جاتے تھے۔

ان تمام امور پر نظر کر لینے کے بعد یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو ان لوگوں کے قتل کا اقدام کیا ہے وہ حسب قواعد شرعی پوری شہادتیں حاصل کرنے اور جرم ثابت ہو جانے کے بعد کیا

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

[2] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۰۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر۔

ہے، یہ خلاف شرع نہیں کیا اور نہ ظلماً ہی قتل کیا ہے بلکہ اس کے لیے شرعی جواز کے اسباب وعوامل موجود تھے۔ یہ لوگ خلیفہ وقت کی نظروں میں فساد فی الارض کی سعی کر رہے تھے اور اہل اسلام کے مرکزی وفاق اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ چیزیں بغاوت کے حدود میں آتی ہیں جن کے فرو کرنے میں خلیفۃ المسلمین بااختیار ہے۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ

مورخین نے لکھا ہے کہ مرج عذرا کے مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے چند ساتھیوں کو وجوہ قتل ثابت ہونے پر قتل کروا دیا تھا۔ حجر بن عدی کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن تھے جو اپنے آپ کو متشیع کہتے تھے۔ یہ دونوں بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے تحت خلاف تھے اور ان کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے تھے اور ان کے خلاف بغاوت کی شورش برپا کیے ہوئے تھے۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس بغاوت کی بنا پر ان دونوں بھائیوں کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی مصعب بن زبیر نے قتل کر دیا تھا۔

((حجر بن عدی...... فقتله معاوية بمرج عذراء مع عدة وكان له ابنان متشيعان يعالى لها عبدالله و عبدالرحمن قتلهما مصعب بن زبير صبرا))

مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت کے خلافت بغاوت کرنے والوں کو ان کی شورش کی بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ حجر بن عدی کا قتل جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا تھا وہ ان دونوں بھائیوں کے قتل کے مشابہ ہے۔ اسلامی مملکت کی حفاظت کی خاطر اس نوع کے قتل تاریخ میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو خلیفہ وقت کے خلاف متشددانہ مساعی کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل کی سزا کا حکم صادر کیا گیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ازراہ شفقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کی سزا معاف کرنے کے لیے قاصد بھیجا۔ لیکن جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان لے کر قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچا تو حجر بن عدی اور اس کے کچھ ساتھی پہلے ہی قتل ہو چکے تھے لہٰذا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کی رعایت نہ کی جاسکی۔ البدایہ میں ہے کہ

((وجاء رسول عائشة بعد ما فرغ من شأنهم))[1]

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور

---

1. البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات واقعہ ہذا)
تاریخ ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳ تحت بحث معاویہ العمال الی الامصار طبع بیروت

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ دوران گفتگو میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا ذکر آیا۔

اس مقام پر مورخین نے متعدد روایات اس گفتگو کے متعلق ذکر کی ہیں:

① بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کے سلسلے میں بطور شکوہ گفتگو کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

((لست انا قتلتهم انما قتلهم من شهد عليهم))[1]

''یعنی میں نے ان لوگوں کو قتل نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے ان کے خلاف گواہی دی ہے انھوں نے قتل کیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے قتل کا باعث اصل میں وہ شہادتیں ہیں جو ان کے خلاف حسب قاعدہ قائم ہوئیں اور ان کی بنا پر یہ نتیجہ مترتب ہوا۔

② ایک دوسری روایت میں ہے کہ

((قالت له اقتلت حجرا فقال وجدت فى قتله صلاح الناس وخفت من فسادهم))[2]

''یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کیا آپ نے حجر کو قتل کر دیا؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کے قتل میں لوگوں کی بھلائی اور بہتری تھی، میں نے ان لوگوں کے شر و فساد سے خوف کھایا (اس وجہ سے یہ اقدام کیا گیا)۔''

③ اسی طرح ایک دیگر روایت اس طرح ہے کہ

((فلما حج معاوية (رضي الله عنه) قالت له عائشة رضي الله عنها: اين غاب عنك حلمك حين قتلت حجرا؟ فقال حين غاب عنى مثلك من قومى))[3]

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۵۶ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ
سیرت حلبیہ ص ۱۹۱ ج ۳ تحت سریۃ الرجیع (حالات خبیبؓ کے آخر میں)

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۷۶ ج ۲ تحت حجر بن عدی، طبع اول مصر
دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۱ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۵ ج ۸ تحت واقعہ ہذا، سنہ ۵۱ھ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنہ ۵۱ھ
تاریخ ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳ تحت بعث معاویہ العمال الی الامصار

"یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجر کے قتل کے موقع پر اے معاویہ! آپ کا حلم و بردباری کہاں غائب ہوگئی؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ قوم میں سے جب جناب جیسی (خیر خواہ) شخصیت میرے پاس موجود نہ تھی تو اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا۔"

(۴) نیز اس مقام پر یہ چیز بھی اہل روایات ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجر بن عدی وغیرہ کے قتل سے متعلق گفتگو ہوئی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اظہار افسوس کرتے ہوئے اہل عذراء کے قتل کا ذکر کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے امت کی اصلاح ان لوگوں کے قتل میں دیکھی اور ان کی بقا میں امت کا فساد معلوم کیا، اس بنا پر یہ معاملہ پیش آیا۔

تنبیہ

مذکورہ بالا روایت کے بعض مقامات پر مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ پایا جاتا ہے:

((فقالت سمعت رسول الله ﷺ يقول سيقتل بعذراء ناس بغضب الله لهم واهل السماء))[1]

"یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے عنقریب عذرا کے مقام پر بعض لوگ قتل کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور آسمان والے ان کی وجہ سے غضبناک ہوں گے۔"

ناظرین کرام اس اضافہ کے متعلق یاد رکھیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ هذا اسناد ضعيف منقطع۔[2] یعنی یہ روایت راویوں کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے اور سلسلہ سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ یہ اضافہ کئی مقامات پر دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ناظرین کرام متنبہ رہیں کہ اصل روایت میں راویوں نے یہ جملہ الحاق کر کے اضافہ کر دیا ہے تاکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مزید تقبیح پائی جائے اور تنفر قائم رہ سکے۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ اگر بالفرض مندرجہ روایت کو علی سبیل التنزل درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنے فعل پر برملا معذرت کر دی تھی اور آں موصوفہ نے ان کی اس معذرت کو قبول فرما لیا تھا۔

((وفي رواية...... فلم يزل يعتذر حتى عذرته۔ وفي رواية فلما اعتذر اليها

---

[1] المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۲۰-۳۲۱ ج ۳ تحت سنہ ۵۱ھ

[2] البدایہ، ابن کثیر ص ۵۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (بحث ہذا)

عذرتہ))[1]

یہاں سے واضح ہے کہ اس طریقہ سے ان دونوں حضرات کا باہمی رنج و ملال ختم ہو گیا تھا اور یہ باہم کشیدہ خاطر نہیں رہے تھے۔

درایت کے اعتبار سے

کلام مذکور باعتبار روایت کے ذکر ہوا ہے۔ ذیل میں باعتبار درایت یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر اہل عذرا کے قتل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اہل سماء ناراض ہیں (جیسا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت بالا میں مذکور ہے) تو پھر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اہل عذراء کے قاتلین (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام) کے ساتھ روابط اور مراسم کیسے جاری رکھے؟ جب کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مغضوب تھے اور ظالم تھے اور حق سے تجاوز کرنے والے تھے۔

حضرت صدیقہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے تعلقات کے متعلق مستقل عنوان قائم کیے گئے ہیں اس کے تحت وہ مراسم مذکور ہیں۔ ہم بھی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس عنوان کو اسی تصنیف میں اپنے موقع پر ذکر کریں گے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال کے بعد بھی ان سے تعلقات منقطع نہیں کیے اور بدستور سابق روابط قائم رکھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے وظائف وغیرہ جاری رہے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا تا زیست یہ وظائف وصول فرماتی رہیں۔ مزید تفصیلات اپنے موقع پر درج ہوں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیقہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی گفتگو سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بطور شکوہ کلام فرمایا اور اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا لیکن اس قتل کو شرعاً ناجائز اور ظلم قرار نہیں دیا۔ یعنی ان کی خواہش تھی کہ حلم و بردباری کا برتاؤ کرتے ہوئے اہل عذرا کو معاف کر دیا جائے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ انھوں نے امت میں ایک بہت بڑے قتال کھڑے ہونے سے قوم کو بچانا ضروری سمجھا اور فساد کی بیخ کنی کرنے کو لازم جانا، اس بنا پر درگزر نہیں کیا۔

ایک شبہ کا ازالہ برائے قول حسن بصری تابعی رحمہ اللہ

اس مقام پر طعن کرنے والے احباب کی طرف سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چند چیزوں کی بنا پر عیب لگایا ہے، ان میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ وقتله حجرا ویلا له من

[1] البدایہ، ابن کثیر ص ۵۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (بحث ہذا)

حجر واصحاب حجر مرتین۔[1]

تو اس شبہ کے ازالہ کے متعلق ذیل میں بعض چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، ان پر توجہ فرمائیں:

① گزارش یہ ہے کہ یہ روایت جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کا راوی ابومخنف (لوط بن یحییٰ) ہے اور لوط بن یحییٰ کٹر شیعہ اور رافضی ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ درجے کے مخالفین و معاندین میں سے ہے۔ فافہم

چنانچہ ابومخنف نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے منسوب اس قول کو خود تصنیف کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''اربع خصال'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ان خصال میں سے ایک حجر بن عدی کا قتل ہے۔ فلہٰذا حسن بصری رحمہ اللہ سے منسوب روایت جس میں چار خصال کا بطور طعن ذکر کیا گیا ہے یہ قابل قبول نہیں۔

ابومخنف لوط بن یحییٰ کے متعلق کتب رجال میزان الاعتدال (ذہبی) ولسان المیزان (ابن حجر) وغیرہ میں نقد و جرح موجود ہے ملاحظہ فرمائیں) اور کتاب مسئلہ اقربا نوازی وغیرہ میں ہم نے قبل ازیں یہ جرح درج کر دی ہے۔

② دوسری چیز یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو قتال وحروب واقع ہوئے ہیں ان کے حق میں خود حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف سے امت کو نصائح موجود ہیں کہ ''ان حضرات کے ساتھ ہماری عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کف لسان کریں اور عیب جوئی و نکتہ چینی سے زبان کو روک کر رکھیں۔''

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی یہ نصیحت بالفاظ ذیل مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیں:

((وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهده اصحاب محمد ﷺ وغبنا، وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا)) [2]

''یعنی جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین قتال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب ان واقعات میں خود حاضر اور شاہد تھے جب کہ ہم غائب تھے۔ انھیں ان واقعات کا براہ راست علم تھا اور ہم اصل حالات سے ناواقف ہیں۔ جن چیزوں پر ان کا اجماع ہوا ہم نے ان کی اتباع کی، اور جن امور میں ان کا اختلاف ہوا ہم ان میں متوقف ہیں (یعنی کف لسان کیے ہوئے ہیں)۔''

③ نیز اسی طرح ایک دیگر چیز حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذہن نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی دینی عظمت کے قائل تھے۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۵۷ ج ۶ طبع قدیم تحت سنہ ۵۱ھ

[2] تفسیر قرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۶ تحت آیات سورۃ الحجرات

وہ اس طرح ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ معاویہ اور ان کی جماعت دوزخ میں جائے گی۔ یہ بات سن کر حسن بصری رحمہ اللہ نہایت برافروختہ ہوکر کہنے لگے کہ ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہو، ان کو کس شخص نے بتلا دیا کہ وہ دوزخ میں ہوں گے۔ یعنی اس چیز کا علم انھیں کیسے ہوگیا اور کس طرح یہ فیصلہ انھوں نے کرلیا؟

((حدثنا قتادة عن الحسن قالت قلت یا ابا سعید! ان ناسا یشهدون علی معاویة وذویه انهم فی النار فقال لعنهم الله وما یدریهم انهم فی النار))[1]

حسن بصری رحمہ اللہ کے ان بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف رجحانات نہیں رکھتے تھے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کے روادار نہیں تھے۔ پس مذکورہ روایت جس میں اربعہ خصال کا طعن مذکور ہے وہ روایت حضرت حسن رحمہ اللہ کے دیگر واقعات اور بیانات کے خلاف پائی جاتی ہے، اس لیے اس کو صحیح نہیں سمجھا جا سکتا، حقیقت میں وہ ان کی طرف منسوب کی گئی ہے اور ان کا کلام نہیں ہے بلکہ بعض معاندین صحابہ نے ان کی طرف انتساب کر دیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس قول پر روایتاً اور درایتاً کلام کر دیا گیا ہے انصاف کے ساتھ اس پر غور فرماویں اور جو حق بات ہو اس کو قبول کریں۔

---

[1] مخطوطہ تاریخ ابن عساکر ص ۴۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

عمرو بن حمق کا قتل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ طعن مشہور ہے کہ جس طرح انھوں نے دیگر لوگوں کو قتل کرایا اسی طرح عمرو بن حمق خزاعی کو بھی بلا جواز شرعی قتل کرا دیا تھا۔ ان کا سر کاٹ کر گشت کرایا گیا اور پھر اسے لا کر ان کی زوجہ کی گود میں ڈال دیا گیا۔ کسی کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طریق کار شرعاً صحیح نہیں ہے اور یہ جاہلیت کے دور کے طریقے ہیں۔

ازالہ

اس طعن کے ازالہ سے متعلق چند چیزیں قابل ذکر ہیں جنھیں معلوم کر لینے کے بعد مسئلہ کی صحیح صورت حال سامنے آ سکتی ہے۔

① عمرو بن حمق خزاعی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ صحابی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

② مورخین نے یہ نقل کیا ہے کہ عمرو بن حمق ان لوگوں میں سے تھے جو چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب اس عمر میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اس پہلو سے ان کا شمار مخالفین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوتا ہے۔

③ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کے مخالفانہ اقدامات میں برابر کے شریک تھے۔ ہم نے حجر بن عدی سے متعلق واقعات میں بھی ان کا ذکر مختصراً دے دیا ہے۔

④ زیاد بن ابیہ کے دور میں زیاد کے ساتھ ان کی مخالفتیں بڑے واضح طور پر مورخین نے ذکر کی ہیں۔ خلیفہ اسلام کے خلاف ان کی یہ شورشیں ہی ان کے مواخذے کا باعث بنیں۔ ابومخنف کی روایت اصابہ میں طبری سے بالفاظ ذیل نقل کی گئی ہے:

((وذكر طبرى عن ابى مخنف انه كان من اعوان حجر بن عدى فلما قبض زياد على حجر بن عدى وارسله مع اصحابه الى الشام هرب عمرو بن

حمق))[۱]

''یعنی طبری نے ابومخنف کے ذریعے سے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن حمق حجر بن عدی کے معاونین میں سے تھے۔ جب زیاد نے حجر بن عدی کو گرفتار کر کے اس کے ساتھیوں سمیت ان کو شام کی طرف بھیجا تو عمرو بن حمق فرار ہو گئے (اور موصل کے علاقے کی طرف نکل گئے)۔''

④ عمرو بن حمق کے متعلق علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شریک تھے اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی تھی:

((وکان فی من سار الی عثمان واعان علی قتله))[۲]

اور بعض لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ

((ومع هذا کان احد الاربعة الذین دخلوا علی عثمان...... وکان من جملة من اعان حجر بن عدی))[۳]

''یعنی عمرو بن حمق ان چار افراد میں سے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے داخل ہوئے اور ان کے قتل پر اعانت کی۔''

مندرجہ بالا اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن حمق اس شورش میں شریک تھے اور ان لوگوں کو ان کا تعاون حاصل تھا لیکن وہ قتل عثمانؓ میں شریک نہیں ہوئے۔ جیسا کہ محمد بن ابی بکر شورش اٹھانے والوں کے ساتھ تھے لیکن قتل عثمانؓ میں شریک نہ تھے۔

⑤ پھر اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ حجر بن عدی جب گرفتار کیے گئے تو ان کے ساتھیوں میں سے یہ عمرو بن حمق فرار ہو کر موصل کی طرف چلے گئے تھے۔ زیاد نے موصل کے عامل (عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی) کی طرف لکھا کہ عمرو بن حمق کو تلاش کر کے گرفتار کیا جائے۔ اس مقام پر اہل تاریخ کے دو قول پائے جاتے ہیں۔

اس باب میں بعض لوگوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے جو صحیح نہیں ہے کہ امیر موصل نے ان کو گرفتار کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق احکامات حاصل کیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا کہ

---

۱ اصابہ (ابن حجر) ص ۵۲۶ ج ۲ تحت عمرو بن حمق
تہذیب التہذیب ص ۲۴ ج ۸ تحت عمرو بن حمق
تاریخ ابن خلدون ص ۲۴ ج ۳ تحت احوال زیاد و حجر بن عدی، طبع بیروت

۲ طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۶ تحت عمرو بن حمق

۳ البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نو نیزے لگائے تھے اس لیے انھیں بھی نو نیزے لگائے جائیں، اس سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔ چنانچہ حاکم موصل نے اس حکم کی تعمیل میں عمرو بن حمق کو نیزے لگوائے مگر آپ دوسرے نیزے کے لگتے ہی فوت ہوگئے۔

((فکتب فيه الى معاوية فكتب اليه معاوية انه زعم انه طعن عثمان تسع طعنات بمشاقص ونحن لا نعتدى عليه فاطعنه كذالك ففعل به ذالك فمات فى الثانية))[1]

دیگر مورخین نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن حمق فرار ہو کر علاقہ موصل کے ایک غار میں جا چھپے تھے۔ وہاں انھیں ایک بڑے سانپ نے ڈس لیا اور وہ وہاں اسی سے فوت ہوگئے۔''

یہ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((قلت هذا اصح مما مر))[2]

''یعنی یہ بات کہ عمرو بن حمق کی موت سانپ کے ڈسنے سے ہوئی وہ قتل نہیں کیے گئے، زیادہ صحیح ہے۔''

اور ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب الثقات میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل نقل کیا ہے کہ

((هرب الى الموصل فدخل غارا فنهشته حية فقتله وبعث الى الغار فى طلبه فوجدوه ميتا))[3]

اسی چیز کو دوسرے الفاظ میں علامہ ذہبی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے یوں نقل کیا ہے:

((فهرب الى الموصل فبعث معاوية الى نائبها فوجدوه قد اختفى فى غار فنهشة حية فمات))

ان الفاظ کے بعد البدایہ میں ہے کہ

((فقطع رأسه فبعث به الى معاوية))[4]

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں ان کی وفات کے لیے دو صورتیں منقول ہیں: یا تو موصل کے والی کے حکم سے سابقہ عوامل و اسباب (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شرکت اور حجر بن عدی کی شورشوں

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۴۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ج ۲ ص ۲۳۵ تحت عمرو بن حمق

[3] کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۲۷۵ ج ۳ تحت عمرو بن حمق

[4] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق
البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

میں شمول) کی بنا پر قتل کیے گئے، یا ان کو غار میں مختفی (پوشیدہ) ہونے کی صورت میں سانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہوگئی۔ پھر ان کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا۔

⑥ ان کی وفات کی تاریخ بھی مورخین نے دو طرح ذکر کی ہے: بعض کے نزدیک ان کی وفات ۵۰ھ میں ہے، اور بعض ان کی وفات ۵۱ھ میں ذکر کرتے ہیں۔

ایک تشریح

سطور بالا میں عمرو بن حمق کی وفات کی جو صورتیں مورخین نے ذکر کی ہیں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک صورت مورخین نے یہ لکھی ہے کہ عمرو بن حمق فرار ہو کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک سانپ نے انھیں ڈس لیا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔

بعض مقامات پر مزید لکھا ہے کہ اس کے بعد ان کا سر کاٹ کر حاکم موصل کے حکم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا۔ معترضین اور طعن کنندگان نے عمرو بن حمق کے سر کو گشت کرانے کی بڑی تشہیر کی ہے اور اسے اسلام کے خلاف قرار دیا ہے اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے ایک طعن پیدا کیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر جب زیاد نے حاکم موصل کو عمرو بن حمق کو گرفتار کرنے کے لیے لکھا تو حاکم موصل نے چند افراد ان کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجے جنھوں نے انھیں غار میں مردہ پایا۔ ان افراد نے حاکم موصل کی تسلی اور حکم کی تعمیل کے بین ثبوت کے لیے ان کا سر کاٹ کر پیش کیا، پھر حاکم موصل نے خلیفہ وقت کی خدمت میں یہ سر شام بھیج دیا۔

((وذالك انه لدغ فمات فخشيت الرسل ان تتهم به فقطعوا رأسه فحملوه))[1]

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

((قلت هذا أصح مما مر))

''اس کا حاصل یہ ہے کہ سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہونے کی روایت ان کے قتل کیے جانے کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔''

پھر یہ بھی ہے کہ ان کے کارندوں نے اپنی کارگزاری کو ظاہر کرنے کے لیے جو قطع راس کیا اور اسے حکام بالا کی طرف روانہ کیا، یہ ان کارندوں کا اپنا عمل اور اپنی تدبیر ہے اور یہ بات بہ نسبت دوسرے امور کے زیادہ صحیح ہے۔

---

1. المعرفہ والتاریخ (یعقوب ابن سفیان بسوی) ص ۸۱۳ ج ۲
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق

مختصر یہ ہے کہ عمرو بن حمق کا قتل اور پھر ان کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طعن جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا ہے صحیح نہیں، یہ صرف ان کارندوں کا ذاتی عمل تھا، جسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔اس کی حقیقت یہی کچھ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قطع راس کا کوئی حکم نہیں دیا۔قطع راس کا فعل دیگر ولاۃ اور حکام نے اپنی کارگزاری کا ثبوت پیش کرنے کے لیے از خود کیا تھا۔ کٹے ہوئے سر کا گشت کرانا، پھر اسے ان کی زوجہ کی گود میں لا ڈالنا وغیرہ وغیرہ رواۃ کی طرف سے اس واقعہ میں اضافہ جات ہیں جو داستان کو وحشت ناک اور رقت انگیز بنانے کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اگر عمرو بن حمق قتل ہوئے تو ان کے قتل کے اسباب وعوامل (بغاوت کے) موجود تھے اور اگر سانپ کے کاٹنے سے ان کی موت واقع ہوئی ہے تو سر کاٹنے کا حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہی نہیں تھا، یہ تو حکام کا ذاتی فعل تھا جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یقیناً ان کی سرزنش کی ہوگی جو عام مورخین نے ذکر نہیں کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ لا یلزم من عدم ذکر الشی عدم الشی۔ فلہٰذا اس تنبیہ کا غیر مذکور ہونا اس کے انکار کی دلیل نہیں۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولاۃ و حکام سے اس موقع پر کوئی گرفت نہیں کی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حاکم وقت کو بعض حالات کے تحت ایسے جرائم کو معاف کرنے کا حق نہیں؟ اس نوع کے واقعات کا وقوع تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی مورخین نے ذکر کیا ہے جس میں ان کے حکام کی زیادتیوں اور تجاوزات پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی گرفت اور سرزنش کرنے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

مثلاً جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک دستہ فوج دے کر بسر بن ارطاۃ سے معارضہ کے لیے نجران بھیجا تو اس نے وہاں نجران والوں کو سخت سزائیں دیں حتیٰ کہ ان کے قریہ کو جلا ڈالا اور حامیان عثمان کو قتل کر دیا:

((فسار جارية (بن قدامة) حتى بلغ نجران فحرق بها وقتل ناسا من شيعة عثمان وهرب بسر وأصحابه فاتبعهم حتى بلغ مكة))[1]

اس طرح کے واقعات جانبین کے متعلق تاریخوں میں دستیاب ہوتے ہیں تاہم ان ہر دو حضرات (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) پر ہماری طرف سے اعتراض کرنا صحیح نہیں۔ بطور حاکم انھیں

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

مواخذہ کرنے اور درگزر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی کارکن جاریہ بن قدامہ کی چند ایک زیادتیوں کے اجمالی حالات قبل ازیں ہم نے اپنی تالیف (سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں بعنوان ''بعض انتظامی امور'' کے ذکر کر دیے ہیں وہاں رجوع فرمالیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بھی ان ناروا و ناجائز کارروائیوں کے متعلق کوئی سزا یا کوئی سرزنش اہل تاریخ نہیں نقل کرتے۔ واللہ اعلم کیا حالات پیش آئے؟ کیا صورت احوال تھی؟ ناقلین نے واقعات کو کس رنگ میں نقل کیا؟ مختصر یہ ہے کہ تاریخی ''ملغوبات'' کے ذریعہ سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراضات وارد کرنا ہمارے لیے کسی طرح درست نہیں۔ ایسے مراحل میں ہمیں فرمان نبوی فراموش نہیں کرنا چاہیے:

((اللّٰه اللّٰه فی أصحابی لا تتخذوهم من بعدی غرضا))

قطع ایدی (یعنی ہاتھ کاٹنے) کا طعن اور اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن میں ایک خاص طعن یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرہ اور کوفہ پر زیاد بن ابیہ کو حاکم اور والی مقرر کیا تو زیاد نے اہل اسلام پر بے دریغ ظلم کیا اور ان کے لیے کئی مشکلات اور مصائب پیدا کر دیے چنانچہ طبری نے ایک واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ مسجد کوفہ میں زیاد نے ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیا اور خطبہ کے دوران میں کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے تو زیاد نے جوابی کارروائی کے طور پر مسجد کے دروازے بند کروا دیے اور جن لوگوں (بعض کہتے ہیں کہ وہ تیس آدمی تھے اور بعض کے قول کے مطابق وہ اسّی آدمی تھے) نے کنکر پھینکے تھے، ان کو گرفتار کروالیا اور پھر سزا کے طور پر ان کے موقع پر ہی ہاتھ کٹوا دیے۔

((وأمرهم فأخذوا ابواب المسجد ثم قال ثم أمر بكرسي فوضع على باب المسجد فدعاهم اربعة اربعة يحلفون بالله ما منا من حصبك فمن حلف خلاه من لم يحلف حبسه وعزله حتى صار الى ثلاثين ويقال بل كانوا ثمانين فقطع أيديهم على المكان))[1]

اتنے بڑے ظالمانہ واقعہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حاکم زیاد پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور کم از کم اس کو معزول تک نہیں کیا۔ یہ ظلم بالائے ظلم ہے۔

جواب

برائے جواب مندرجہ ذیل امور پر نظر فرمائیں، امید ہے اطمینان کا باعث ہو سکے گا:

① ابن جریر طبری نے ہاتھ کاٹنے کا واقعہ ۵۰ھ کے حالات میں ذکر کیا ہے۔ طبری کے متعلق علماء فرمایا کرتے ہیں کہ یہ ایک غیر ناقد مورخ ہے اور رطب و یابس، ضعیف وقوی، صحیح وسقیم ہر قسم کی روایات کو بغیر نقد کے جمع کر دیتا ہے۔ گویا کہ نقد وتنقید کا کام اس نے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

نیز جس واقعہ کے متعلق دیگر مورخین اور قدیم مورخین کی طرف سے تائید یا موافقت نہیں پائی جاتی اس

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۳۱ ج ۲ تحت سنہ ۵۰ھ (ذکر ما كان فيها من الاحداث)

میں صرف طبری کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ اور یہاں اس واقعہ میں اسی طرح کی صورت حال پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم آیندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

(۲) اس مقام پر طبری کا شیخ عمر درج ہے اور اس کا شیخ علی مذکور ہے اور علی کا شیخ مسلمہ بن محارب ہے جو واقعہ کا ناقل ہے۔ عمر سے معلوم نہیں کہ کون شخص مراد ہے؟ اسی طرح علی سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے؟ پھر علی اور مسلمہ کے درمیان لفظ ''عن'' ہے جس میں انقطاع کی گنجائش ہے۔

ایک طالب تحقیق اگر کوشش کر کے سیاق و سباق پر نظر ڈالے تو عمر سے عمر بن شبہ بنا سکتا ہے مگر عمر بن شبہ نامی متعدد اشخاص ہیں، یہاں پھر تعیین درکار ہے کہ یہاں عمر بن شبہ نامی کون شخص مراد ہے؟

اسی طرح علی کے متعلق جستجو کر کے قاری سیاق و سباق کے اعتبار سے علی بن محمد کہہ سکے گا۔ یہاں پھر علی بن محمد بے شمار رواۃ کے اسماء ہیں پھر اس کی تعیین کہ یہاں کون علی بن محمد مراد ہے، یہ بھی ایک مستقل مرحلہ ہے جو ناظرین کے لیے خاصے اشکال و اشتباہ کا موجب ہے۔

اس کے بعد علی نے واقعہ ہذا کو مسلمہ بن محارب سے لفظ ''عن'' کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں انقطاع کا احتمال ہے۔ جس کو رفع کرنا اور اتصال ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کوئی ماہر فن ہی اس کی عقدہ کشائی کر سکے گا۔

اس واقعہ کو ایسی سند کے ساتھ مورخ طبری نے نقل کیا ہے جس کو صاف کرنا قاری کے لیے اچھا خاصا پریشان کن مرحلہ ہے دوسری لطف کی بات یہ ہے کہ اگر ان رواۃ کی اس روایت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا کوئی متابع اور شاہد ان کے اپنے دور میں دستیاب نہیں ہوتا جو توثیق کا موجب بن سکے۔ فلہذا یہ اسناد اپنے واقعہ سمیت قابل قبول ہونے سے زیادہ قابل اشکال اور لائق اشتباہ ہے۔

(۳) اسناد کی تحقیق سے اگر صرف نظر کر لی جائے تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ قطع ایدی کا مذکورہ واقعہ اولاً طبری نے ذکر کیا ہے اور پھر طبری سے نقل کرنے والے مورخین مثلاً ابن اثیر جزری وغیرہ نے طبری سے ہی نقل کیا ہے۔ ہماری ناقص جستجو کے مطابق دیگر قدیم مورخین اس مقام پر زیاد بن ابیہ کے ساتھ حجر بن عدی وغیرہ کے مناقشات ذکر کرتے ہیں لیکن زیاد کی طرف سے قطع ایدی کے واقعے کو نقل نہیں کرتے۔[1] حالانکہ اس

---

[1] مندرجہ ذیل قدیم مورخین اور متاخرین نے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کے واقعہ کو نہیں نقل کیا مثلاً:

(۱) خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ المتوفی ۲۴۰ھ نے اپنی تاریخ میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت)

(۲) یعقوب بن سفیان بسوی رحمہ اللہ المتوفی ۲۷۰-۲۷۱ھ نے المعرفہ والتاریخ میں (۵۰ھ کے تحت)

(۳) علامہ ذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ نے تاریخ اسلام میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت)

(۴) ابن خلدون رحمہ اللہ المتوفی ۸۰۸ھ نے اپنی تاریخ میں (اس موقع کے واقعات کے تحت)

(۵) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۴-۷۷۵ھ نے البدایہ والنہایہ میں (اس مقام کے واقعات کے تحت)

حاصل یہ ہے کہ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ ان مورخین نے نہیں بیان کیا حالانکہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت سنگین صورت کا حامل ہے۔

واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے مورخین کو قطع ایدی کے اس واقعہ کو ذکر کرنا ایک ضروری امر تھا تاکہ زیاد کی زیادتیاں اور ظلم لوگوں پر واضح ہوسکیں۔

اسی طرح شیعہ کے قدماء مورخین مثلاً ابوحنیفہ دینوری نے اخبار الطوال میں احوال زیاد کے تحت، یعقوبی نے اپنی تصنیف تاریخ یعقوبی جلد ثانی کے تحت، مسعودی نے مروج الذہب جلد ثالث ایام معاویہ کے تحت وغیرہ نے بھی اس مقام پر زیاد کے واقعات کے تحت ''قطع ایدی'' کا واقعہ درج نہیں کیا حالانکہ یہ لوگ طعن کی چیزوں کو ذکر کرنے سے ہرگز گریز نہیں کرتے بلکہ طعن کو بنا سجا کر ثابت کرنا تو ان کا فرض منصبی ہے۔ فلہٰذا یہ بھی اس چیز پر قوی قرینہ ہے کہ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ تاریخ طبری میں متفردانہ حیثیت رکھتا ہے اور طبری اس قسم کے کئی واقعات درج کرنے میں مشہور ہے۔

④ دیگر بات یہ ہے کہ اسی یا کم از کم تیس آدمیوں کے ہاتھوں کا کٹوا دیا جانا کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو ایک ملک میں خاموشی سے برداشت کرلیا جاتا اور خاص کر کوفہ اور اس کے ملحقہ قبائل اس پر کوئی شورش نہ کھڑی کردیتے اور اس کے برخلاف آواز تک نہ اٹھاتے۔ یہ چیز بھی واقعہ کے بے اصل ہونے کا قرینہ ہے۔

⑤ یہ واقعہ بقول ابن جریر ۵۰ھ میں پیش آیا۔ اس دور تک بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ موجود تھے مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، قیس بن سعد بن عبادہ، سعد بن ابی وقاص، حکیم بن حزام، ابوایوب انصاری، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ام المومنین عائشہ صدیقہ، حسین بن علی، اسامہ بن زید، معقل بن یسار مزنی، عقیل بن ابی طالب، فضالہ بن عبید انصاری، سمرہ بن جندب وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

تو ان حضرات میں سے کسی صاحب نے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور واقعہ پر نکیر نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بعض لوگوں مثلاً حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اکابرین کی طرف سے اعتراض کیا جانا تاریخ میں دستیاب ہوتا ہے۔ فلہٰذا اس دور کے اکابر صحابہ کرام اور تابعین کی طرف سے واقعہ مذکورہ پر نقد ونکیر کا نہ ذکر کیا جانا بھی ایک مستقل قرینہ ہے کہ قطع ایدی (یعنی ہاتھوں کو کاٹنے کا واقعہ) بے اصل ہے اور اس وقت ایسا کوئی سنگین معاملہ رونما نہیں ہوا۔

⑥ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا یہ واقعہ اگر وقوع پذیر ہوا ہے تو عام عادت کے مطابق اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھی پہنچی ہوگی۔ اور نہیں تو مظلومین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دادرسی کے لیے لازماً درخواست کی ہوگی۔ اور ایک خلیفہ عادل[1] اور شرعی احکام کے متبع امیر المومنین سے ہرگز یہ توقع نہیں

---

[1] سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۶۴۳، ۶۴۴، ج ۱، تحت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور اعمش رحمہ اللہ کا بیان (تالیف مصنف کتاب ہذا)

مسئلہ اقربا نوازی، تالیف مصنف کتاب ہذا، ص ۱۵۴، ۱۵۵ تحت عنوان حضرت سعد واعمش کی شہادت

کی جا سکتی کہ وہ ایسے ظالمانہ فعل کے پائے جانے پر خاموش رہیں اور معزولی کی سزا یا کم از کم سرزنش کا کوئی حکم صادر نہ فرمائیں حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں تو ان کے متعلق باز پرس یا معزولی ہوتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل واقعات موجود ہیں:

① بصرہ پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم تھے۔ وہاں اہل بصرہ کی طرف سے فساد کھڑا ہوا اور اس علاقے کی فضا مخالفین کی طرف سے فاسد بننے لگی۔ اس سلسلے میں ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنی نرمی طبع کی وجہ سے کوئی موثر کارروائی نہ کر سکے اور شر و فساد کو دبانے میں ناکام رہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ حارث بن عبداللہ ازدی کو والی مقرر فرمایا۔[1]

② نیز اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن غیلان والی بصرہ کی طرف سے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا ایک واقعہ پیش آیا تھا (جس کی تشریح اپنی جگہ پر ذکر ہو گی ان شاء اللہ) تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مظلوم کو بیت المال سے دیت ادا کر دی اور عبداللہ بن عمرو بن غیلان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عبیداللہ بن زیاد کو والی مقرر فرمایا۔[2] مگر ہاتھ کاٹنے کے اس واقعہ کے تحت صورت حال یہ ہے کہ ہماری معلومات کی حد تک اس دور کے اکابر مورخین زیاد کے اس ظلم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مواخذے کا ذکر تک نہیں لائے۔ فلہٰذا یہ چیز بھی واقعہ ہذا کے بے اصل ہونے کی طرف نشان دہی کرتی ہے۔

(۷) نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ زیاد کی طبعی صلاحیت اور جبلی فراست اور تدبیر سیاست کے بھی یہ واقعہ برعکس پایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے کبار علمائے فن کی طرف سے اس کے حق میں بحث استلحاق زیاد کے تحت تبصرے و تجزیے درج کر دیے ہیں کہ یہ شخص حسن سیاست اور حسن تدبیر میں ضرب المثل تھا اور وافر دانش کا حامل تھا۔ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ تو ایک جذباتی قسم کے آدمی اور مغلوب الغضب فطرت والے انسان کا فعل ہو سکتا ہے جسے انجام و نتائج کی کچھ فکر نہ ہو۔ لیکن عواقب و ثمرات پر نظر رکھنے والے مدبر شخص سے ایسے فعل کا سرزد ہونا تدبیر سیاست کے خلاف ہے۔

خارجیوں کے حق میں سخت گیری

البتہ تاریخ کی کتابوں میں زیاد بن ابیہ کے رجحانات کے بارے میں اتنی چیز ملتی ہے کہ وہ ''خوارج''

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۳۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۴ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۴ھ

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۵ھ
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

کے حق میں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔ جیسا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ

((ان زيادا اشتد فى أمر الحرورية بعد قريب وزحاف فقتلهم وامر سمرة (بن جندب) بذالك وكان يستخلفه على البصرة إذا خرج الى الكوفة فقتل سمرة منهم بشرا كثيرا))[1]

"یعنی قریب و زحاف کے بعد حروریہ (خوارج) کے معاملے میں زیاد بہت سخت گیر تھا۔ اس نے خوارج کو قتل کیا اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا حکم تھا۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے بھی کثیر خوارج کو قتل کیا۔"

یہ بات واضح ہے کہ حروریہ اور خوارج جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اسی طرح یہ لوگ حضرت عثمان غنی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حق میں بھی شدید ترین عناد اور کینہ رکھتے تھے۔ چنانچہ زیاد بن ابیہ کے متعلق تشدد و سخت گیری کی جو کارروائیاں لوگ ذکر کرتے ہیں وہ عام طور پر حروریہ اور خوارج کے فرقوں کے متعلق ہیں۔ ان لوگوں کی جماعتی قوت توڑنے کے لیے زیاد نے اپنے حلقہ اثر میں سرتوڑ کوشش جاری رکھی۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی کارگزاری انتظامی معاملات میں مصلحت پر مبنی تھی۔ جس طرح وہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے والوں سے سختی سے پیش آتا تھا اسی طرح وہ خوارج کے ساتھ بھی سخت گیری کا معاملہ کرتا تھا۔ لیکن ہاتھ کاٹنے کا واقعہ زیاد کی تدبیر حکمرانی کے برعکس ہے۔ ایسے امور سے رعایا حکام سے متنفر ہوتی ہے۔

ان امور پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ درست نہیں۔

⑧ اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جو اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زیاد بن ابیہ سے ہاتھ کاٹنے کا وقوع بعید از قیاس ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں زیاد نے بصرہ کی سابقہ مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا اور اس کی پختہ عمارت تعمیر کرائی، ساگوان کی لکڑی سے مسجد کی چھت کو مسقف کیا اور دارالامارۃ کو سابقہ جگہ سے منتقل کر کے مسجد سے ملحق اس طرح تعمیر کرایا کہ حاکم وقت مسجد کے محراب میں قبلہ کی طرف سے آسانی کے ساتھ امامت کے لیے داخل ہو سکے۔ اور اس تبدیلی مکان کی وجہ یہ بیان کی کہ:

((قال لا ينبغى لإمام ان يتخطى الناس فحول دارالإمارة من الدهناء الى قبلة

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص۱۳۳ ج۶ تحت سنہ ۵۰ھ

المسجد فکان الإمام یخرج من الدار فی الباب الذی فی حائطة القبلة))[1]

''یعنی امام اور حاکم وقت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ لوگوں کی گردنوں پر سے قدم پھلانگ کر گزرے۔ پس دارالامارۃ کو سابقہ مقام سے منتقل کر کے مسجد کے قبلہ کی طرف قائم کیا تا کہ امام اپنے مکان سے خارج ہوکر مسجد کی محراب میں آسانی سے داخل ہو سکے۔''

یہاں قابل توجہ یہ چیز ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ایک شرعی مسئلہ ''نھی عن تخطی رقاب الناس'' کی رعایت کرتے ہوئے دارالامارۃ کو منتقل کر دیا اور ایذاء المسلمین سے اجتناب کی تدبیر اختیار کی۔

ایک ایسا شخص جو ''تخطی رکاب الناس'' سے اجتناب کرتا ہے وہ اتنے کثیر مسلمانوں کی بلا وجہ ایذا رسانی کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے؟

مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی ہاتھ کاٹنے کے واقعہ کے بے اصل ہونے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

واقعہ ''قطع ایدی'' کے متعلقہ چند اشیاء ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی ہیں اور ساتھ ہی واقعے کے بے اصل ہونے پر چند قرائن ذکر کر دیے ہیں تا کہ قارئین کو اس پر غور کرنے اور صحیح صورت حال سے آگاہی کا موقع میسر آئے اور وہ خود ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا قرائن کی روشنی میں یہ واقعہ بے اصل نظر آتا ہے نیز اس کے حق میں شواہد و متابع نہیں پائے جاتے جو اس کی صحت کے لیے موید ثابت ہوں۔ واقعہ کو صرف طبری کا مذکور اسناد کے ساتھ درج کر دینا قابل اعتماد نہیں ہے اور اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا صحیح نہیں ہے۔ جن لوگوں نے طبری کی روایت پر یقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کیا ہے انھوں نے نہایت ناانصافی کی ہے۔

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۵۵ تحت تمصیر البصرۃ۔

قطع ید کا ایک دوسرا طعن

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ طعن بھی قائم کیا جاتا ہے کہ ان کے حکام شرعی احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولاۃ و حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور ان سے خلاف شرع فعل سرزد ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ دلیل میں مندرجہ ذیل روایت طعن کرنے والے بطور حوالہ پیش کرتے ہیں:

((خطب عبداللہ بن عمرو بن غیلان علی منبر البصرۃ فحصبہ رجل من بنی ضبۃ...... فأمر بہ فقطعت یدہ))[1]

"یعنی عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک دفعہ بصرہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کنکر دے مارا۔ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔"

جب بنی ضبہ نے یہ معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور استغاثہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی صورت نہیں لیکن اگر تم چاہو تو دیت ادا کی جاسکتی ہے۔

جواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ توجہ سے ملاحظہ فرمائیں:

اس طعن کا دارومدار روایت مذکور بالا پر ہے۔ فلہذا اس روایت پر پہلے باعتبار سند کے کلام پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد متن روایت کے اعتبار سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی۔

روایت کے اسناد

اصل یہ روایت تاریخ طبری میں ہے اور دیگر مورخین طبری سے ناقل ہیں اور روایت کی سند اس طرح ہے:

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

((حدثنی عمر قال حدثنا ولید بن هشام وعلی بن محمد و اختلفا فی بعض الحدیث قالا خطب عبدالله بن عمرو بن غیلان...... الخ))

روایت ہذا کے اسناد میں عمر سے مراد غالباً عمر بن شبہ ہے عمر بن شبہ کو ولید بن ہشام اور علی بن محمد نے بیان کیا، پھر ان دونوں میں متن روایت کے متعلق تھوڑا سا اختلاف ہے۔ پھر یہ دونوں کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے خطبہ دیا۔

مطلب یہ ہے کہ ولید اور علی بن محمد نے یہ تمام واقعہ نقل کیا اور ہماری جستجو کے مطابق علی بن محمد سے مراد ابوالحسن علی بن محمد المدائنی ہے جو ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور اس کی وفات ۲۱۵ھ، ۲۲۴ھ، ۲۲۵ھ علیٰ اختلاف الاقوال اہل تراجم نے ذکر کی ہے۔ جب کہ واقعہ مذکور حسب قول مورخ طبری ۵۵ھ میں پیش آیا تھا۔

فلہٰذا راوی (مدائنی) کی ولادت اور واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں کم از کم اسی سال کا ایک طویل عرصہ ہے۔ اسی طرح ولید بن ہشام، ابوالحسن علی بن محمد کا ہم عصر و ہم زمان ہے اور ۵۵ھ کے اس واقعہ کو نقل کرنے میں علی بن محمد کے ساتھ شریک ہے۔ واقعہ مذکورہ اور ان راویوں کے درمیان عرصہ دراز کا فاصلہ پایا جاتا ہے اس بنا پر یہ روایت اہل علم کی اصطلاح میں منقطع ہے اور انقطاع بھی ایک طویل عرصہ پر مشتمل ہے جس میں کم از کم دو یا تین راوی پائے جا سکتے ہیں جو سند ہذا میں غیر مذکور ہیں۔ واللہ اعلم وہ کس قسم کے اور کس حیثیت کے افراد تھے اور نظریاتی طور پر وہ کس طبقہ سے وابستہ تھے؟ ایسے انقطاع والی روایت قابل اعتماد و اعتبار نہیں اور نہ اس نوع کی روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنا درست ہے۔

مفہوم روایت

پھر سند کی بحث سے اگر صرف نظر بھی کر لیا جائے تو متن روایت کی روشنی میں واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عمرو بن غیلان منبر بصرہ پر خطبہ دے رہے تھے۔ قبیلہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کسی بات پر عبداللہ کو کنکر مار دیا تو عبداللہ بن عمرو نے بقول مورخین اس شخص کے قطع ید کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کے بعد بنو ضبہ قبیلہ کے لوگ اس سلسلے میں حاکم مذکور کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آدمی نے جنایت اور قصور کیا لیکن آپ نے اس پر سخت سزا دے دی یعنی ہاتھ کٹوا دیا۔ ہم اس بات سے بے خوف نہیں ہیں کہ اس معاملے کی اطلاع امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچے گی پھر ان کی جانب سے سزا کا حکم عموماً یا خصوصاً جس صورت میں آئے آ سکتا ہے۔ ان حالات میں اگر امیر وقت مناسب خیال فرمائیں تو ہمیں ایک تحریر لکھ دیں کہ یہ ایک مشتبہ صورت میں ہاتھ کاٹنے کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا معاملہ واضح نہیں تھا۔

اس نوع کی تحریر عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ دی۔ بنو ضبہ نے

تحریر حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ کر لی۔ سال یا چھ ماہ کے بعد وہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا معاملہ استغاثہ کی صورت میں حاکم بصرہ کے خلاف پیش کیا اور کہا کہ ہمارے ایک شخص کا ہاتھ حاکم عبداللہ نے ظلماً کاٹ دیا ہے اور یہ اس کی اپنی تحریر آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر ملاحظہ فرمائی اور واقعہ معلوم کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: موجودہ صورت میں عمال سے قصاص کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن اپنے ساتھی کے لیے دیت اگر تم چاہو تو ہم ادا کر سکتے ہیں۔ انھوں نے ہاتھ کی دیت (یعنی عوضانہ) حاصل کرنے کو اختیار کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے اس کی دیت ادا کر دی (اور اس غلطی کی پاداش میں) اپنے حاکم عبداللہ کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔

((فاتته بنوضبة فقالوا ان صاحبنا جنى ما جنى على نفسه وقد بلغ الأمير فى عقوبة ونحن لا نأمن ان يبلغ خبره امير المؤمنين فياتى من قبله عقوبة تخص او تعم فان رأى الامير ان يكتب ان كتابا يخرج به احدنا الى امير المؤمنين يخبره انه قطعه على شبهة وامر لم يضح فكتب لهم بعد ذالك الى معاوية فقالوا يا امير المؤمنين انه قطع صاحبنا ظلما وهذا كتابه اليك وقرأ الكتاب فقال اما القود من عمالى فلا يصح ولا سبيل اليه ولكن ان شئتم وديت صاحبكم قالوا فده فوداه من بيت المال وعزل عبدالله))[1]

مطلب یہ ہے کہ پیش آمدہ صورت ایک مشتبہ صورت تھی اور غیر واضح تھی جسے عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اپنے خط میں تحریری طور پر تسلیم کیا تھا۔ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ استغاثہ والوں کو قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کا عوضانہ (بطور دیت کے) بیت المال سے دلوایا ہے اور اپنے ماتحت حاکم کو اس غلطی کی بنا پر منصب سے معزولی کی سزا دے دی۔ یہ ایک جائز فیصلہ ہے، اس میں دونوں فریق کو ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ الزام کہ انھوں نے اپنے والیوں اور حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور خود ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کیے ہوئے تھے، بالکل بے جا اور بے وزن ہے اور قلبی عناد پر مبنی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طعن پیدا کرنے والی اصل روایت اہل فن کے نزدیک جس درجے کی ہے وہ

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۵ھ طبع اول مصر
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

ناظرین نے ملاحظہ کر لی ہے کہ واضح الانقطاع ہے۔ اس نوع کی روایت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا، پھر اس کو صحیح تسلیم کرنا فن کے قواعد کے برعکس ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کینہ ور آدمی ہی اسے باور کر سکتا ہے۔

نیز تاریخی روایات میں جو مواد فراہم کیا جاتا ہے اس کے لیے بڑے مراحل ہوتے ہیں۔ اصل واقعہ کچھ ہوتا ہے نقل کرنے والے اسے کچھ سے کچھ بنا کر نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ نقل در نقل باعتبار روایت بالمعنی کے چلتی رہتی ہے اور اس کی تعبیریں بدلتی رہتی ہیں۔ آخر کار مولف کتاب اسے اپنی عبارت کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔ ان تمام تغیرات کو پیش نظر رکھ کر واقعات کو جانچنا چاہیے اور مقام صحابہ اور ان کے کردار کو سامنے رکھنا چاہیے۔ جو چیز ان کی شان دیانت کے موافق ہو اسے قبول کرنا چاہیے اور جو چیزیں ان کی دیانت و امانت کے برعکس ہوں ان کو ترک کر دینا چاہیے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر زہر خورانی کا طعن اور مقدام بن معدی کرب والی روایت کا جواب

قارئین کرام پر واضح رہے کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا بذریعہ زہر خورانی واقع ہونا بعض مورخین اور مولفین نے ذکر کیا ہے لیکن تمام محدث اور تمام مورخ اس کے وقوع کے قائل نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ مسلم الکل اور متفق علیہ امر نہیں ہے۔ مثلاً تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ بغداد (خطیب) وغیرہ میں زہر خورانی کے واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں پایا گیا۔ پھر جو حضرات اس زہر خورانی کے واقعہ کو ذکر کرنے والے ہیں ان میں بعض ایسے حضرات ہیں (مثلاً حاکم فی المستدرک اور ابن حجر فی الاصابہ) جنھوں نے امام موصوف کو زہر دیا جانا تو ذکر کیا ہے مگر زہر دینے والے کا نام ندارد، نہ ان کی بیوی کی طرف نسبت کی ہے نہ کسی دوسرے شخص کی جانب اس چیز کو منسوب کیا ہے۔

اور بعض مورخ ایسے ہیں جنھوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت براہ راست حضرت موصوف کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی کی طرف کی ہے اور کسی شخص کو ساتھ نہیں ملایا (مثلاً ابن اثیر جزری نے التاریخ الکامل میں)، البتہ بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ زہر خورانی کی نسبت حضرت کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کی طرف کرنے کے بعد "قالت طائفه" کے الفاظ سے یاذکر او یقال (یعنی ایک گروہ کہتا ہے یا کہا جاتا ہے) کے لفظوں سے اس بات کو اپنے ہاں درج کرتے ہیں (مثلاً ابن عبدالبر فی الاستیعاب وغیرہ) کہ یہ معاملہ اس عورت نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ کی بنا پر کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نہیں بلکہ یزید بن معاویہ کے کہنے پر اس نے کیا ہے۔

اس معاملے میں انصاف کے ساتھ غور وخوض کرنے کے لیے چند چیزیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں، ناظرین حضرات توجہ سے ملاحظہ فرمائیں اس سے یہ طعن صاف ہو جائے گا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں مطعون کرنے کا جواب مکمل ملے گا۔

جواب

مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حالت دگرگوں ہوگئی تو ان کے بھائی (حضرت حسین

رضی اللہ عنہ) نے دریافت کیا کہ جناب کو کس نے زہر دیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کیوں دریافت کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ آپ کے دفن سے قبل ہی اللہ کی قسم اس کو قتل کر دیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ برادر عزیز! اس بات کو ترک کر دیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ ہوگا۔ الغرض اس کا نام بیان کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

مطلب یہ ہوا کہ اگر زہر خورانی کا واقعہ درست بھی ہے تو بھی واقعہ میں موجود حضرات اور عینی شاہدوں کو زہر دلانے والے کا علم بالکل نہ ہو سکا۔ اسی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کسی پر یہ الزام قائم نہ کر سکے اور سزا دینے کی کوئی صورت سامنے نہ آ سکی۔

اس قریب تر دور گزر جانے کے بعد رواۃ پر یہ کس طرح منکشف ہوا کہ زہر دلانے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں؟ اور شام میں یہ سازش تیار کی گئی اور وہاں سے مدینہ میں لا کر اس پر عمل درآمد کرایا گیا۔ طعن تیار کرنے والوں کے ہاں اس چیز پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ خالص بدگمانی ہے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کرنا درست نہیں (ان بعض الظن اثم) پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدظنی کرنا تو بالکل جائز نہیں۔

اس مقام پر ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان کی طرف نظر غائر فرمائیں:

① ایک گزارش تو یہ ہے کہ جن مصنفین نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس معاملہ میں کیا ہے انھوں نے بغیر دلیل اور بغیر حجت کے ہی ذکر کر ڈالا ہے اس واقعہ کی خاطر کوئی باسند صحیح روایت انھوں نے ذکر نہیں کی۔ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے مصنفین ایک واقعہ کو (جو ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں گزرا ہے) بلا سند صحیح اور بلا دلیل قوی ذکر کر دیں، اس کو بغیر تحقیق و تفتیش کے تسلیم کر لینا قواعد مسلمہ اور درایت صحیحہ کے برعکس ہے۔

② دوسری عرض یہ ہے کہ زہر خورانی کے معاملے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کچھ دخل نہیں ہے یہ چیز ان کی جانب تاریخی روایات غیر صحیحہ کی بنا پر بعض غالی رواۃ نے نسبت کر دی ہے پھر اس دور کے بعد والے ناقلین نے چشم پوشی کرتے ہوئے نقل در نقل کو اپنی تصنیفات میں جاری رکھا ہے۔ امیر شام موصوف کی اس معاملے میں براءت آج ہم پندرھویں صدی میں بیٹھ کر نہیں پیش کر رہے بلکہ آج سے صدیوں قبل محققین علماء نے اس تراشیدہ الزام کی خوب تردید فرما دی ہے، چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔

ابن تیمیہ حرانی (المتوفی ۷۲۸ھ)، علامہ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ)، ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) اور حافظ ذہبی وغیرہ رحمہم اللہ اکابر علماء کی اس بارے میں جو تصریحات ملتی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۸ تحت حالات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ۔

۱۔ منہاج السنۃ میں علامہ ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ نے مذکورہ مسئلہ پر بحث کی ہے اس میں سے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں:

((واما قوله ان معاوية سم الحسن فهذا مما ذكره بعض الناس ولم يثبت ذالك ببينة شرعية او إقرار معتبر ولا نقل يجزم به وهذا مما لا يمكن العلم به فالقول به قول بلا علم))[1]

''مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے زہر دیے جانے کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کیا ہے۔ یہ چیز دلیل شرعیہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور نہ کسی اقرار معتبر سے اور نہ کسی نقل یقینی سے ثابت ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ جس کے ساتھ یقین کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ پس ایسی بات کو تسلیم کر لینا تو ایک چیز کے ساتھ بلا دلیل یقین کرنا ہوگا اور یہ کسی حال میں درست نہیں ہے۔''

۲۔ اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ

((وعندى ان هذا ليس بصحيح وعدم صحة عن ابيه معاوية بطريق الاولى والاخرى))[2]

''یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ (یزید کا امام حسن رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو زہر خورانی کے متعلق کہلا بھیجنا) میرے نزدیک تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان کرنا تو بطریق اولیٰ درست نہیں ہے۔''

۳۔ اور مورخ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ ابن خلدون جلد دوم میں بالتصریح لکھا ہے کہ:

((وما ينقل ان معاوية رس اليه السم مع زوجته جعدة بنت اشعث بن قيس فهو من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذالك))[3]

''یعنی یہ بات جو نقل کی جاتی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے پوشیدہ طور پر جعدہ بنت اشعث کے واسطہ سے زہر دلوایا تھا، یہ شیعہ لوگوں کی روایات ہیں۔ اللہ کی پناہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس داغ سے صاف ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیانت دارانہ اخلاق سے یہ بات بہت بعید ہے۔''

---

[1] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۲۲۵ ج ۲

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۸ تحت تذکرہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

[3] تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۳۹ ج ۲ طبع بیروت تحت بیعۃ الحسن وتسلیمہ الامر لمعاویہ

۴۔ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ اسلام جز ثانی میں اس مسئلے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ
((وقالت طائفة كان ذالك بتدسيس معاوية اليها وبذل لها على ذالك وكان لها ضرائر۔ قلت هذا شيء لا يصح فمن الذي اطلع عليه))[1]
''یعنی ایک طائفہ نے یہ قول کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دینے کی سازش کی اور حیلہ کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر زر صرف کیا اور حسن کے لیے سوکنیں تھیں (ان کے ذریعے سے یہ معاملہ کیا)۔ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔ اس معاملے پر کون مطلع ہو سکا؟''

مختصر یہ ہے کہ ان تمام مشہور علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے اور اس کی تردید کر دی ہے۔

③ شیعہ مورخ کا ایک بیان

اس سلسلے میں شیعہ کے اکابر مورخین کا مزید ایک ضروری بیان ہم ناظرین کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں جس سے مذکورہ طعن کی حقیقت خوب واضح ہو جائے گی۔

ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی (صاحب اخبار الطوال) نے اپنی تصنیف ہذا میں ذکر کیا ہے کہ
((ولم ير الحسن ولا الحسين طول حياة معاوية منه سوء في انفسهما ولا مكروها ولا قطع عنهما شيئا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن بر))[2]
''یعنی حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں بزرگوں نے اپنی ذات کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور مکروہ چیز نہیں دیکھی۔ جو شرائط معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ طے کی تھیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا ایفا کیا، ان کو ضائع نہیں کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو احسان اور بہتر سلوک ان کے حق میں جاری کیا ان کو تبدیل نہیں کیا۔''

شیعہ اکابر کے ان واضح بیانات نے مسئلے کو صاف کر دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدت العمر کوئی بدسلوکی اور برائی نہیں کی۔ تو پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلانے کا قصہ کیسے صحیح ہوا؟

یاد رہے کہ یہ دینوری ۲۸۲ھ کا متوفی ہے، بہت قدیم پختہ شیعہ مورخ ہے۔ اس کے بیانات شہادت دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ زہر دلانے کی بدخواہی اور بدسلوکی قطعاً اختیار نہیں کی۔ یہ سب بعض اخباری شیعوں کے افسانے ہیں۔ دینوری کا مذکورہ حوالہ قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۹ ج ۲ تحت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما طبع مصر۔

[2] اخبار الطوال (ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۲۲۵ بحث معاویہ و عمرو بن عاص طبع قاہرہ مصر۔

نوازی ص۱۹۴ پر درج شدہ ہے یہاں مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لیے دہرایا گیا ہے۔

④ نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت درایت کے اعتبار سے بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات (جو ۴۹ھ میں واقع ہوئی تھی) کے بعد ملک شام میں متعدد غزوات پیش آئے۔ ان غزوات میں بہت سے ہاشمی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات شامل ہوتے رہے۔ خصوصاً امام حسن رضی اللہ عنہ کے سگے برادر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما ان غزوات میں شامل ہوئے۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ

((ولما توفی الحسن كان الحسين يفد الى معاوية فى كل عام فيعطيه ويكرمه وقد كان فى الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد فى سنة احدى و خمسين))[1]

"یعنی جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تو اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ہر سال تشریف لے جاتے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا اکرام کرتے اور انھیں عطایا دیتے تھے۔ چنانچہ ۵۱ھ میں غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اس جیش میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شریک ہوئے جب کہ یزید بن معاویہ امیر جیش تھا۔"

یہ غزوات جن میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر ہاشمی حضرات شامل ہوئے ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔ ہاشمی حضرات کا ان غزوات میں شریک و شامل ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زہر خورانی کا طعن مذکور جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

قبیلہ کے اکابر اور اقارب کو جن لوگوں نے قتل کیا ہو، ان لوگوں کے ہمراہ غزوات میں شرکت نہیں کی جا سکتی اور ان لوگوں سے عطایا اور وظائف وصول نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ یہ چیزیں ان حضرات کی عزت نفس اور فطری غیرت کے برخلاف ہیں۔

⑤ یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کثرت ازدواج میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ اس چیز کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قال على يا اهل العراق او يا اهل الكوفة لا تزوجوا حسنا فانه رجل مطلاق...... قال على ما زال الحسن تزوج ويطلق حتى حسبت ان يكون

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۳ تذکرہ خروج الحسین الی العراق وکیفیۃ مقتلہ
تہذیب تاریخ ابن عساکر، ص ۳۱۱ ج ۴ تذکرہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما

عداوة فی القبائل))[1]

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے عراق والو! کوفہ والو! حسن کو تزویج مت کر دو کیونکہ یہ بہت طلاق دینے والے آدمی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن بیاہ کرتے ہیں اور پھر طلاق دے دیتے ہیں حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ چیز قبائل میں عداوت کا باعث بن جائے گی۔''

اور مختلف مزاج خواتین اور متنوع طباع ازواج سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سابقہ پڑا اور عموماً عورت کم فہم اور کج فطرت ہوتی ہے اس کی ناعاقبت اندیشی اور احسان فراموشی محتاج بیان نہیں۔ عورت جب کسی معاملے میں خاوند کے ساتھ ضد پر اتر آتی ہے تو وہ عواقب و نتائج کو برطرف کر کے سب کچھ کر گزرتی ہے (الا ماشاء اللہ)۔

پھر خصوصاً ایسے مواقع جہاں ضرائر (سوکنوں) کے درمیان حسد و بغض کی آگ بھڑک اٹھی ہو یہ خار و خلش بعض اوقات پورے قبیلے اور خاندان کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہاں بھی قرین عقل و دانش یہی بات ہے کہ زہر خورانی کا واقعہ اگر فی الواقع درست ہے تو بلاشبہ امام مرحوم کے لیے ان سوکنوں کے آپس میں تحاسد و تباغض اور کینہ و عداوت نے یہ مصیبت عظمیٰ پیدا کر ڈالی جس کی وجہ سے حضرت موصوف جانبر نہ ہو سکے۔ اس معاملے کو کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرنا قیاس و قرائن کے بالکل خلاف ہے۔ اور یہ ایک واقعہ کے قوی قرائن اور اسباب کو پس پشت ڈال کر خیالات واہیہ اور محتملات رکیکہ کو پیش نظر رکھنا انصاف پسند اور عقل مند حضرات کے نزدیک صحیح نہیں۔

نیز یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ ان اکابر ہاشمی حضرات کے خانگی انتظام میں اتنا تساہل پایا جائے اور اتنی بے ضابطگی ہو کہ ان کے اہل خانہ کی خواتین کے ساتھ کسی مخالف و معاند کی طرف سے رابطہ قائم ہو اور وہ ایسے خطرناک و مہلک معاملے تک رسائی پیدا کر لے، یہ چیز بہت مشکل ہے اور ان حضرات کے دیانتدارانہ طرز معاشرت کے برعکس ہے اور ان کے بے داغ کردار کو داغدار بنانے کے مترادف ہے۔ فلہٰذا اہل خانہ کے سوا کسی غیر آدمی کی طرف زہر خورانی کی نسبت کرنا کسی صورت میں درست نہیں۔

⑤ گزارشات بالا کے اختتام پر ایک اور چیز عرض کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مشہور قول کے موافق سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی۔ جب ان کا جنازہ تیار ہوا تو جنازہ کی نماز اس وقت کے مدینہ کے والی سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی (جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے) اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو نماز

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۴ ج ۵ باب من کرہ الطلاق من غیر ریبۃ طبع دکن۔

جنازہ پڑھانے کے لیے مقدم کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ طریقہ (حاکم کا نماز جنازہ پڑھانا) مسنون نہ ہوتا تو میں تمھیں مقدم نہ کرتا۔

((كان اميرا على المدينة فقدمه الحسين للصلوة عليه وقال لولا انها السنة لما قد منك))[1]

جنازہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ اگر زہر خورانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھی تو پھر ان ہاشمی حضرات نے اموی حاکم سے امام مرحوم کے جنازہ پڑھوانے کی کس طرح پیش کش کر دی؟ بلکہ ان کو تو جنازے میں شامل بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کا قصہ ایک مدت دراز کے بعد راویوں نے تصنیف کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کر دیا ہے اور یہ نسبت بالکل غلط ہے (جیسا کہ اوپر کی گزارشات میں ذکر کیا گیا)

حاصل یہ ہے کہ اس وقت کے ہاشمی اکابر کے اقوال و اعمال سے کسی طرح بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے نزدیک اس فعل شنیع کے ارتکاب کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ گزارشات بالا پر نظر کرنے سے ایک صاحب بصیرت آدمی واقعہ ہذا کی صحت و سقم کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ البتہ زیغ عن الحق کا کوئی علاج نہیں ہے۔

---

[1] اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۱۵ ج ۲ تحت حسن بن علی رضی اللہ عنہ
مقاتل الطالبین (ابو الفرج اصفہانی شیعی) ص ۵۱ جز اول آخر تذکرہ امام حسن۔ طبع بیروت
المعرفہ والتاریخ (یعقوب بن سفیان بسوی) ص ۲۱۶ ج ا تحت ۲۴۱ھ

وفات حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت اور اس کا جواب

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور دیگر شرکائے مجلس موجود تھے اس وقت حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آ چکی تھی چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خبر شرکائے مجلس کو دی تو مقدام رضی اللہ عنہ نے کلمہ استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) کہا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا تم اسے مصیبت خیال کرتے ہو کہ کلمہ استرجاع کہا ہے؟ مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کو مصیبت کیوں نہ تصور کروں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا: هذا منى و حسين من على۔ وہاں قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص بیٹھا تھا اس نے کہا: جمرة اطفاءها الله۔ مقدام رضی اللہ عنہ یہ سن کر ناراض ہو گئے اور کہا کہ میں تمھیں غضبناک کروں گا اور ایسی باتیں سناؤں گا جنھیں تم مکروہ جانتے ہو (یہ روایت کا ابتدائی حصہ ہے)۔

اور روایت ہذا کے آخری حصہ میں بھی قابل اعتراض چیزیں مذکور ہیں (جیسا کہ ذکر آ رہا ہے)۔ اس تمام روایت سے معترض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف متعدد طعن تیار کرتے ہیں مثلاً:

① حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصیبت شمار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا، گویا کہ ان کے نزدیک وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مصیبت نہیں تھی بلکہ اچھی چیز اور مطلوب تھی۔

② روایت ہذا میں مقدام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ "هذا منى و حسين من على" یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اتنی گراں قدر ہستی تھے کہ ان کے حق میں یہ ارشاد نبوی موجود ہے۔

③ نیز ایک اسدی شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اطفاء جمرة (انگارہ بجھ جانے سے) تعبیر کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی۔

④ ان حالات میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انھوں نے ممنوع اشیاء کے ارتکاب کا طعن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا۔

یہ چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر خوشی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک مصیبت ختم ہوگئی اور فتنہ فرو ہوگیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اشیائے ممنوعہ کے ارتکاب میں ملوث تھے جس طرح کہ مقدام رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

جواب

یہ روایت جو مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے راویوں نے ذکر کی ہے اور یہاں سے چند قابل اعتراض چیزیں مرتب کی ہیں اس کے متعلق ذیل میں کلام کیا جاتا ہے جس کی اجمالاً ترتیب درج ذیل ہے:

پہلے روایت ہذا کی سند پر کلام ہوگا، اس کے بعد وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مصیبت شمار کرنے پر تعجب کے مسئلے پر گفتگو ہوگی، پھر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے جو حدیث منقول ہے اس پر اختصاراً بحث ہوگی، اور آخر میں اشیائے ممنوعہ کے ارتکاب کے جواب کی وضاحت درج ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

سند پر کلام

پہلی چیز یہ ہے کہ صحت اعتراض کے لیے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ روایت جس سے اعتراض قائم کیا گیا ہے وہ فی الواقع صحیح سند سے ثابت ہو۔ اگر وہ صحیح سند سے ثابت نہیں تو اسے اعتراض کی بنیاد بنانا بے محل اور بے جا ہے اور اس کا جواب پیش کرنا ضروری نہیں رہتا۔ ذیل میں سند پر کلام کیا جاتا ہے:

اس روایت کے راویوں میں ایک شخص بقیہ بن ولید ہے اس کی توثیق بھی ذکر کی گئی ہے لیکن اس پر متعدد علمائے رجال نے جرح وتنقید کر دی ہے جو درج ذیل ہے۔ الجرح مقدم علی تعدیل ہوتی ہے فلہٰذا اس کے بعد اس کی یہ روایت قابل استدلال نہیں اور اس کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔

بقیہ بن ولید کے متعلق علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ:

((فاذا قال عنه فليس بحجة...... قال ابو حاتم...... لا يحتج به قال ابو مسهر احاديث بقية ليست نقية فكن منها على تقية...... قال ابن خزيمة لا احتج ببقية))[1]

مذکورہ بالا کوائف سے مزید یہ بات ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((قال البيهقي في الخلافيات اجمعوا على ان بقية ليس بحجة))[2]

یعنی جب بقیہ بن ولید اپنے شیخ سے روایت کو عن سے ذکر کرے تو وہ حجت نہیں۔ (جیسا کہ روایت

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ج ۱ تحت بقیہ بن ولید

[2] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۷۸ ج ۱ تحت بقیہ بن ولید
الکامل (ابن عدی) ص ۵۰۴ ج ۲ تحت بقیہ بن ولید

پیش کردہ میں بقیہ عن بجیر مذکور ہے)۔

- ابو حاتم کہتے ہیں کہ بقیہ قابل حجت نہیں۔
- ابو مسہر کہتے ہیں کہ بقیہ کی روایات صاف نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔
- ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں بقیہ کی روایات کے ساتھ حجت نہیں پکڑتا۔
- اور بیہقی نے خلافیات میں ذکر کیا ہے کہ علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں۔

اور اس روایت پر نقد قبل ازیں کبار علماء (حافظ منذری و خطابی وغیرہ) فرما چکے ہیں چنانچہ اس کے تحت مختصر سنن ابی داود (منذری) میں ذکر کیا ہے کہ وفی اسنادہ بقیہ بن الولید وفیہ مقال[1] لہٰذا روایت بالا اعتراض کے مقام پر لائق استدلال نہیں اور اس کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنا صحیح نہیں۔

وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خبر پر گفتگو

نیز یہ چیز قابل غور ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع پانے پر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے انا للہ کہا تو وہاں ایک شخص (یا بقول معترض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ تم اس کو مصیبت شمار کرتے ہو؟ یہ کلام نہایت عجیب ہے جب کہ شریعت اسلامی میں جب کوئی مصیبت پہنچے تو کلمہ استرجاع کہنے کی ہدایت موجود ہے۔ فرمان خداوندی ہے: اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں چراغ گل کیا گیا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ استرجاع فرمایا۔ اہل خانہ نے عرض کیا کہ کیا یہ کوئی مصیبت ہے جس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ استرجاع ارشاد فرمایا ہے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے دل پر جو چیز بھی ناگوار گزرے وہ مصیبت ہے۔ (او کما ذکر فی الحدیث)

ایک دیگر ارشاد نبوی ہے کہ جب کسی شخص کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ کلمہ استرجاع پڑھے فلیسترجع فانہ من المصائب کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہے (او کما ذکر فی الحدیث)۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو مصیبت قرار دیئے یا نہ قرار دینے کی گفتگو بہت قابل تعجب ہے۔ کیا یہ حضرات موت فوت کے احکام شرعی سے نابلد تھے؟ یا ان امور سے واقف ہونے کے باوجود ان پر عمل درآمد کرنے سے قاصر تھے؟

ان چیزوں کے علاوہ یہ مسئلہ توجہ کے قابل ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں اس واقعہ کا جو رنگ پایا جاتا ہے وہ دوسرا ہے اور کئی عجائبات کا حامل ہے۔ لیکن حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا یہی واقعہ دیگر روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی

---

[1] مختصر سنن ابی داود (منذری) ص ۷۰-۷۱ ج ۲ تحت حدیث مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ۔

موجودگی میں پیش آیا وہ دوسری طرح ہے۔ یعنی وہاں کوئی منکر کلمات یا ناروا گفتگو نہیں ہے بلکہ عام دستور کے مطابق تعزیت کی خبر ذکر کی گئی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تعزیت کا جواب احسن طریق سے ارشاد فرمایا جیسا کہ ان اکابر کی شان دیانت اور اوصاف شرافت کے موافق ہے۔ چنانچہ اس امر پر ذیل میں حوالہ جات پیش خدمت ہیں، ان پر نظر غائر فرمائیں۔ دقت نظر اور صحت فکر سے کام لے کر اس کا تجزیہ کریں کہ صحیح واقعہ کس طرح ہے؟

① ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مقام پر واقعہ ہذا کے متعلق ذکر کیا ہے کہ

((فلما جاء الكتاب بموت الحسن بن علی اتفق کون ابن عباس عند معاوية و عزاه فيه باحسن تعزية ورد عليه ابن عباس ردا حسنا كما قدمنا))[1]

"یعنی جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کی خبر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچی تو اتفاق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں اس خبر پر عمدہ طریقہ سے تعزیت کی اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہتر کلام کے ساتھ تعزیت کا جواب دیا۔"

اس واقعہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تعزیت کا مسئلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جس طرح پیش آیا وہ ان کے اخلاق حمیدہ کے موافق ہے اور یہی ان حضرات کی شان دیانت کے مطابق ہے اور حضرت مقدام رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں منکر اور ناپسندیدہ الفاظ کے ساتھ جو گفتگو پائی جاتی ہے وہ درست نہیں اور راویوں کے تصرفات سے خالی نہیں۔

② نیز اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تعزیت کے کلمات ذکر کرنے کے بعد مزید کلام کرتے ہوئے کہا:

((قال معاوية يا عجبًا للحسن بن علی! شرب شربة عسل يمانية بماء رومة فقضى نحبه ثم قال لابن عباس لا يسوك الله ولا يحزنك فی الحسن بن علی فقال ابن عباس لمعاوية لا يحزننی الله ولا يسؤنی ما أبقى الله امير المؤمنين قال فاعطاه الف الف درهم وعروضا واشياء وقال خذها فأقسمها فی أهلك))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۴ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۸ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (قلمی) ص ۷۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا جناب حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات بھی قابل تعجب ہے کہ انھوں نے شہد کا شربت نوش فرمایا جو شہد یمانی کے ساتھ آب چاہ رومہ[1] کو ملا کر تیار کیا گیا تھا اور اس سے آپ کا انتقال ہو گیا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات پر اللہ تعالیٰ آپ کو مصیبت اور برائی سے محفوظ رکھے اور غم سے بچائے۔ جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو باقی اور سلامت رکھیں کہ آپ کے ہوتے ہمیں کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچے گا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دس لاکھ درہم نقد اور مزید سامان اور مختلف اشیاء دیں اور کہا کہ یہ آپ قبول کر لیجیے اور اپنے اہل و عیال میں تقسیم کر دیجیے۔''

مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر جب پہنچی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی تعزیت کی جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے اور پھر ایک دوسرے وقت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھیجا۔ یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں حاضر ہو کر بڑے بہتر طریقے سے عمدہ کلمات کے ساتھ تعزیت پیش کی اس فعل پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی قدردانی کی اور شکریہ ادا کیا۔

((وبعث معاوية ابنه يزيد فجلس يدى ابن عباس وعزاه بعبارة فصيحة وجيزة شكره عليها ابن عباس))[1]

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو افسوس ناک خبر ہی قرار دیا اور حسب دستور شرعی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں خود بھی تعزیت کی اور اپنے فرزند یزید کو بھی تعزیت و اظہار افسوس کے لیے روانہ کیا۔

یہ اس واقعہ کی ایک شکل ہے۔ اور اس موقع کی دوسری صورت حال وہ ہے جو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ والی روایت میں مجروح و مقدوح راوی نے نقل کی ہے (اور طعن کرنے والوں نے اسے بڑا اچھالا ہے) امید ہے کہ انصاف پسند حضرات ان دونوں صورتوں میں سے اس چیز کو درست قرار دیں گے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شایان شان ہے اور ان کی دیانت و شرافت کے مطابق ہے۔

متن روایت کی نکارت

اس کے بعد یہ چیز بھی لائق توجہ ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے جو روایت (هذا منى و حسين من

---

[1] بیر رومہ مدینہ شریف میں ایک کنواں تھا جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خرید کر اہل مدینہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۴ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ

علی) منقول ہے اس کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ اس میں لفظاً ومعناً نکارت پائی جاتی ہے یعنی یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس پر درج ذیل کلام کیا ہے کہ:

((وقال بقية عن بجير بن سعيد عن خالد بن معدان عن المقدام بن معدی كرب قال سمعت رسول الله ﷺ: "الحسن منی والحسين من علی" فيه نكارة لفظا ومعنا))[1]

روایت ہذا کے ایک راوی بقیہ بن ولید کے متعلق سابقاً ذکر کر دیا گیا ہے کہ وہ ضعیف اور مجروح ہے اور استدلال واستناد کے لائق نہیں فلہذا اس بنا پر ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس موقع کی عام روایات میں جو حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے حق میں موجود ہیں ان میں دونوں حضرات کا جناب نبی اقدس ﷺ کی دختر طاہرہ کے نسب مبارک سے ہونے کی تصریحات صحیحہ مروی ہیں پھر یہاں یہ فرق کرنا کہ حسن مجھ سے ہیں اور حسین علی سے ہیں یہ امتیاز عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اور ان دونوں حضرات کے لیے جو فضائل صحیح روایات میں دستیاب ہوتے ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ ان میں یہ تفریق اور یہ امتیاز مفقود ہے۔ اس مقام پر ایک دیگر چیز بھی قابل توجہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ سے یعلی بن مرہ عامری مرفوعاً ذکر کرتے ہیں کہ آنجناب ﷺ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرتے ہوئے ان کی تقبیل فرمائی (یعنی ان کو چوما) اور ارشاد فرمایا:

((حسين منی وانا من حسين، اللهم احب من احب حسينا، حسين سبط من الأسباط))[2]

''مطلب یہ ہے کہ حسین مجھ سے ہیں (میری اولاد سے ہیں) اور میں حسین سے ہوں (میرا اور حسین کا نسبی تعلق ہے۔ میں نانا ہوں) اے اللہ! جو حسین سے محبت رکھے تو اس کے ساتھ محبت فرما اور حسین نواسوں میں سے نواسے ہیں۔''

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۶ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ ذکر وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہما
الفتح الربانی ترتیب مسند احمد ج ۲۳ تحت الباب الرابع وفات امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما (روایت نمبر ۳۶۵)

2. کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ۷۷۲ روایت ۱۳۶۱ تحت فضائل حسنین شریفین رضی اللہ عنہما
الاحسان بترتیب الصحیح (ابن حبان) ص ۵۹ ج ۱۰ تحت ذکر اثبات محبۃ اللہ لمحبی الحسین بن علی رضی اللہ عنہما
مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۱ بحوالہ ترمذی (تحت مناقب اہل بیت)

یہ روایت متعدد محدثین نے باسند ذکر کی ہے مثلاً امام احمد اور امام ترمذی اور ابن حبان وغیرہ رحمہم اللہ۔ اسی طرح حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں ایک ذخیرہ روایات دستیاب ہوتا ہے ان میں سے صحیح مواد پر نظر کرنے سے علی العموم زیر بحث روایت مذکورہ (ھٰذا مِنی و حسین من علی) کی تائید نہیں پائی جاتی۔

فلہٰذا ہماری جستجو کی حد تک اس روایت کا دوسرا متابع اور شاہد نہیں پایا گیا تو قواعد کی رو سے یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی بنا پر منکر ہوئی (جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تصریح ماقبل میں ذکر کر دی گئی ہے کہ اس میں نکارت پائی جاتی ہے اور منکر روایت قابل قبول نہیں ہوتی)۔

اطفاء جمرۃ

روایت ہذا میں ایک شخص اسدی کا قول حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے (جمرۃ اطفاءھا اللہ) یہ اسدی کون شخص ہے؟ واللہ اعلم کس مزاج کا آدمی ہے؟ بظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے خلاف ذہن رکھتا ہے اور اس کے ان کلمات سے اس کی عداوت قلبی ظاہر ہے۔ اگر اس واقعہ کو تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیا جائے تو اس کا یہ قول ناروا اور قبیح ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض قائم کرنا کہ انھوں نے اسدی کے اس قول پر مواخذہ نہیں کیا، یہ محض احتمال کے درجے میں ہے۔ خدا جانے اس وقت کیا صورت احوال تھی اور کیا کچھ وہاں پوری گفتگو ہوئی؟ اور کس قدر ناقلین نے نقل کی اور کس قدر ترک کر دی؟

نیز ہر فرد کے شخصی رجحانات الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر شخص واقعات میں ایک دوسری رائے رکھتا ہے جس پر دیگر شخصیات کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر گرفت اور مواخذہ کیا ہو اور ناقلین رواۃ نے اسے ذکر نہیں کیا۔ اور عدم ذکر الشی سے ذکر عدم الشی لازم نہیں آتا۔ اس کے آخر میں اس امر کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو محدثین نے دیگر مقام پر بھی ذکر کیا ہے لیکن وہاں نہ اسدی مذکور ہے اور نہ یہ کلمہ (جمرۃ اطفاءھا اللہ) منقول ہے۔ یہاں سے راویوں کے تصرفات کا اندازہ ہو سکتا ہے کسی راوی نے یہ جملہ مذکورہ اعتراض والی روایت میں اضافہ فرما دیا ہو کہ اعتراض کی بحث گرم رہے اور سلسلہ طعن جاری رہے۔ فافہم۔

ممنوع اشیاء کے ارتکاب کا طعن

معترض دوست روایت مذکورہ کے آخری حصے سے یہ اعتراض تجویز کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ پہنچے (اور کچھ دوسرے ساتھی بھی ان کے ساتھ تھے)۔ گفتگو کے دوران میں مقدام رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ چیز ذکر کی کہ سونے اور حریر (ریشم) کے پہننے اور جلود سباع کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یا نہیں؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ ان

چیزوں کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی منع فرمایا ہے اس کے بعد مقدام رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ

((فو الله لقد رأيت هذا كله في بيتك يا معاوية))

''یعنی اللہ کی قسم! یہ تمام چیزیں میں نے آپ کے گھر میں دیکھی ہیں۔''

تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ میں تمھارے اعتراض سے نہیں بچ سکوں گا۔

معترض اس روایت سے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا ہر سہ اشیاء کا استعمال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کرتے تھے جن کے استعمال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ گویا شرعی احکام کے خلاف ان کا طرز عمل تھا اور منہیات کے مرتکب تھے۔

اس چیز کے جواب کے لیے معروضات ذیل پیش خدمت ہیں ان کی طرف توجہ فرمائیں:

① روایت ہذا کی سند پر سابقاً کلام کر دیا ہے کہ یہ مجروح ہے اگر سند پر جرح کرنے سے صرف نظر کر لی جائے تب بھی دوسری یہ بات قابل غور ہے کہ یہی روایت اسی سند کے ساتھ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''السنن الکبریٰ'' میں نقل کی ہے لیکن اس میں وہ تمام الفاظ جو بنائے اعتراض ہیں (قال فو الله لقد رأيت هذا كله في بيتك يا معاوية فقال معاوية قد علمت اني لن انجو منك يا مقدام) نہیں پائے جاتے۔

یہاں سے رواۃ کی طرف سے روایت میں تصرف پائے جانے کی نشاندہی ہوتی ہے اور راوی کی جانب سے روایت میں اضافہ کا سراغ ملتا ہے۔

② نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حمص کے مقام پر خطبہ دیا اور خطبے میں آپ نے ذکر کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور منع فرمایا ہے میں ان کو تمھارے ہاں پاتا ہوں اور ان کے ارتکاب سے تمھیں منع کرتا ہوں۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

((النوح والشعر والتصاوير والتبرج وجلود السباع والذهب والحرير))[1]

مذکورہ ممنوعہ اشیاء کی منع کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دیگر کئی مقامات پر بھی نقل کی گئی ہے۔

③ مثلاً محدث نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن نسائی (کتاب اللباس باب تحریم الذهب علی الرجال) میں اپنی سند کے ساتھ ابو شیخ ہنائی کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی متعدد روایات ذکر کی ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز (مکہ و مدینہ) میں خطبات دیے، ان خطبات میں یہ مسئلہ ذکر کیا

---

[1] مسند احمد بن حنبل ص ۱۰۱ ج ۴ تحت مسندات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند احمد بن حنبل ص ۹۲ ج ۴ تحت مسندات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۷۷ ج ۳ باب ما نهى عن المراكب
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۶ ج ۸ تحت کتاب العقیقہ طبع کراچی

کہ اے مہاجرین وانصار! تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حریر اور ریشم کے لباس سے منع فرمایا ہے؟ حاضرین نے کہا کہ بے شک اسی طرح ہے پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا سونے کے پہننے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ بے شک منع فرمایا ہے۔

اور بعض روایات کے اعتبار سے اس کلام کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انا اشھد یعنی میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات بالکل اسی طرح ہے۔

((اخبرنا ابو شیخ الهنائی قال سمعت معاویة وحوله ناس من المهاجرین والانصار وقال لهم اتعلمون ان رسول الله ﷺ نهی عن لبس الحریر قالوا اللهم نعم قال ونهی عن لبس الذهب الا مقطعا قالوا نعم))[1]

تو یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان اشیاء کے ارتکاب سے منع کو نبی اقدس ﷺ سے خود نقل کرنے والے ہیں تو پھر وہ خود ان امور کے کیسے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ درآں حالے کہ نصوص قطعی ان کے پیش نظر تھیں یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ

اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو ان اشیاء کے استعمال کی منع تو معلوم تھی لیکن انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور ان امور کے مرتکب ہوئے تو یہ چیز بہت مشکل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت اور مقام عدالت سے بعید ہے اور ان کے کردار واخلاق کے خلاف ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی احکام کے پابند تھے اور شریعت پر عمل کرنے والے تھے یہ چیزیں غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات مقام صحابہ کو مجروح نہیں کر سکتیں اور ایسی روایات قابل اعتبار نہیں اور محدثین نے یہاں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے گا:

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفی کل رذیلة عنهم واذا انسدت الطرق (طرق تاویلها) نسبنا الکذب الی الرواة))[2]

"یعنی امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ہر عیب کی چیز سے نفی کرنے کے ہم مامور ہیں اور جب تاویل وتوجیہ کے طریقے مسدود ہو جائیں تو ہم جھوٹ اور دروغ کی نسبت راویوں کی طرف کر دیں گے۔"

فلہٰذا ان قواعد کے پیش نظر مذکورہ قسم کی طعن پیدا کرنے والی روایات ہرگز قبول نہیں ہو سکتیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار ان کے پیش نظر مجروح نہیں ہو سکتا اور اسلام کی اس نامور شخصیت کے دامن کو ان چیزوں سے داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] سنن نسائی ص ۲۴۲ ج ۲ باب تحریم الذہب علی الرجال، کتاب اللباس طبع دہلی

[2] شرح مسلم شریف (امام نووی) ج ۲ باب حکم الفیٔ (تحت الجہاد والسیر) بحوالہ مازری۔

استلحاق زیاد کا مسئلہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر جو مطاعن طعن کرنے والوں کی طرف سے وارد کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک مشہور طعن "استلحاق زیاد بن سمیہ" ہے۔ یعنی زیاد بن سمیہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ لاحق کر کے نسبی برادر قرار دیا۔ اور یہ "استلحاق" خاص سیاسی مصالح کے لیے کیا گیا تھا اور یہ امر شرعی قواعد کے برخلاف تھا۔

ازالہ

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے ہم چند امور بطریق ذیل پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے مسئلہ ہذا کی اصل صورت حال واضح ہو جائے گی:

① زیاد بن ابیہ کے ذاتی کوائف (نام، کنیت، خاندان، ولادت، وفات وغیرہ)

② زیاد کی لیاقت وصلاحیت اور اکابرین امت کا اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا۔

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واقعہ استلحاق اور تصویر مسئلہ کے دو پہلو۔

① یہ شخص زیاد بن ابیہ کے نام سے مشہور ہے جو بعد میں زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا گیا۔ اور عبید مولیٰ ثقیف کے فراش پر اس کا تولد ہوا تھا اس لیے اس کو زیاد بن عبید بھی کہا گیا اسے اپنی والدہ کی نسبت سے زیاد بن سمیہ بھی کہہ دیتے تھے۔ اس کی ماں کے نام کے سلسلے میں متعدد اقوال مورخین ذکر کرتے ہیں اس کی والدہ کا نام سمیہ بنت ابی بکرہ بتایا جاتا ہے اور اس کی والدہ کا ایک دوسرا نام اسماء بنت اعور بھی بعض مورخین نے لکھا ہے۔ زیاد کی کنیت ابو مغیرہ تھی۔

عام الفتح میں طائف کے مقام پر اس کی ولادت ذکر کی گئی ہے اور بعض مورخین نے اس کی ولادت عام الہجرت بھی بتائی ہے۔ زیاد کے والدہ کی طرف سے ایک مشہور اخیافی بھائی ابوبکرہ ہیں جن کا نام (نفیع بن مسروح) بتایا جاتا ہے ان کی ماں کا نام سمیہ بنت ابی بکرہ ہے بیان کرتے ہیں کہ یہ اہل اسلام کے محاصرہ طائف کے دوران میں مسلمان ہوئے۔

زیاد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۵۳ھ یا عند البعض ۵۴ھ میں فوت ہوا[1] اور وہ اس

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ۲۳۵ ج ۲ تحت وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہما

وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ وکوفہ پر امیر تھا۔ اہل تراجم نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ زیاد بن سمیہ صحابی نہیں ہے۔ (حوالہ جات کے لیے درج ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے)[1]

(۲) اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ زیاد کے لیے صحبت نبوی حاصل نہیں اور نہ اس سے کوئی مرفوع روایت مروی ہے لیکن یہ شخص فطری طور پر نہایت قابل، باصلاحیت اور فصیح اللسان تھا۔ تدبیر سیاست میں بہترین رائے رکھتا تھا اور عمدہ انتظامی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ چنانچہ عہد علوی میں ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی اہلیت کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی تھی کہ زیاد پختہ رائے رکھتا ہے اور سیاسی امور میں ماہر ہے اس بنا پر اس کو فلاں فلاں علاقے کا والی بنایا جائے۔

((فاستشار على الناس فيمن يوليه عليهم فأشار ابن عباس وجارية بن قدامة ان يولى عليهم زياد بن ابيه فانه صليب الرأى عالم بالسياسة فقال على هو لها فولاه فارس و كرمان وجهزه اليهما فى اربعة الاف فارس))[2]

''مطلب یہ ہے کہ فارس اور کرمان کے علاقہ جات میں بعض شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور خلیفہ وقت کی مخالفت میں رجحانات پیدا ہو گئے اور وہ لوگ خراج کی ادائیگی اور دیگر حقوق میں کوتاہی کرنے لگے۔ ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان علاقوں میں کسی مدبر حاکم اور والی کی ضرورت تھی آپ نے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جاریہ بن قدامہ نے یہ مشورہ دیا کہ زیاد صائب الرائے ہے اور امور سیاست میں مہارت رکھتا ہے لہٰذا اس کو وہاں کا والی بنا دیا جائے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول فرما کر فارس اور کرمان کے علاقے میں زیاد بن ابیہ کو والی اور حاکم بنا کر اسپ سواروں کا ایک دستہ دے کر روانہ کیا۔''

چنانچہ زیاد نے مذکورہ علاقوں میں پہنچ کر شورشیں ختم کر دیں، حالات خلیفہ کے حق میں سازگار بنا دیے اور خراج و دیگر حقوق کی ادائیگی کے معاملات کو درست کر کے واپس ہوا۔ بقول مورخین ۳۹ھ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا نیز شیعہ مورخین نے بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد ولایت میں زیاد کو

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۷۱ ج ۱ تحت زیاد بن ابی سفیان
المعارف (ابن قتیبہ) ص ۱۵۱ ج ۱ تحت اسماء الخلفاء
تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۹۸، ۱۹۹ ج ۱ تحت زیاد بن سمیہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۰ ج ۷ تحت سنہ ۳۹ھ
تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۲۴ ج ۵ تحت سنہ ۳۹ھ

فارس کا حاکم اور والی بنایا تھا[1] اور جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں زیاد کا حکومت کے اہم مناصب پر فائز کیا جانا مسلمات میں سے ہے۔ مورخین کے نزدیک عہد علوی میں اس کے کارنامے ناقابل انکار حقیقت کے درجے میں ہیں۔ ہم نے قبل ازیں زیاد کے متعلقات سیرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں ''بعض انتظامی امور'' کے عنوان کے تحت مختصراً بیان کر دیے ہیں۔

زیاد کی صلاحیتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((وكان يضرب به المثل فى حسن السياسة ووفور العقل وحسن الضبط لما يتولاه))[2]

''یعنی حسن سیاست، کمال عقل اور عمدہ نظم و ضبط کی صلاحیتوں میں ایک ضرب المثل فرد تھا۔''

زیاد بن ابیہ کی ایک اور صلاحیت و اعتماد کا ذکر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ وہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں انشاء پردازی اور کاتب کے منصب پر فائز رہا ہے۔ مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم کے ہاں اس نے یہ خدمات سر انجام دی ہیں[3] اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مواقع پر زیاد کو اس کی اہلیت اور اعتماد کی بنا پر اپنا نائب بھی بنایا۔ اور یہ چند چیزیں علمائے تراجم نے متعدد مقامات پر ذکر کی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی توثیق کے بارے میں کبار علماء نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس میں مندرجہ ذیل جملے بھی پائے جاتے ہیں:

((قال العجلى تابعى ولم يكن يتهم بالكذب))[4]

''یعنی زیاد (صحابی نہیں) تابعی ہے (لیکن دیانت دار ہے) دروغ گوئی نہیں کرتا۔''

اگر اس کے یہ اوصاف اس کے نسب پر اثر انداز نہ ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے ان کمالات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اسے اعلیٰ ذمہ داریاں بخشیں، اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ان صلاحیتوں کی قدر کرتے ہوئے حقیقت حال کا سراغ لگا لیا اور اس بات کی توثیق کی کہ ان کے والد کا سمیہ

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۱۹ تحت زیاد بن ابیہ (طبع مصر)

[2] الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ا تحت زیاد بن ابیہ

[3] تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۹۸-۱۹۹ ج ا تحت زیاد بن سمیہ
المعارف (ابن قتیبہ) ص ۱۵۱ تحت اسماء الخلفاء
الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ا تحت زیاد بن ابیہ
المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۳۷۸ تحت اسماء اشراف الکتاب

[4] الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ا تحت زیاد بن ابیہ

سے جاہلیت کے دور کا کوئی نکاح ہوا تھا، تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

(۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت گزر جانے کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو اس وقت آپ کو زیاد بن ابیہ کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ذاتی اہلیت وفطرتی صلاحیت کی بنا پر اسے حکومت کے بعض مناصب پر فائز کیا۔

استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۴ھ میں

مورخین اور دیگر اس فن کے علماء نے اپنی تفصیلات کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسے بہت طول دے دیا ہے لیکن اصل واقعہ مختصراً اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں طائف میں بعض دفعہ اپنی ضرورت کے لیے گئے اور وہاں سمیہ نامی ایک عورت کے ساتھ اس دور کے رسم ورواج کے مطابق نکاح کیا۔ اس عورت کے بطن سے زیاد بن سمیہ متولد ہوا تو سمیہ نے زیاد کے تولد کی نسبت ابوسفیان سے کی اور ابوسفیان نے بھی اس کا اقرار کیا۔ مگر یہ انتساب عام لوگوں میں مشہور نہیں ہوا بلکہ مخفی رہا۔ جیسا کہ مشہور مورخ عبدالرحمٰن بن خلدون رحمہ اللہ نے بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((کانت سمیة ام زیاد مولاة للحارث بن کندة الطبیب، وولدت عنده ابا بکرة، ثم زوجها بمولی له وولدت زیادا وکان ابوسفیان قد ذهب الی الطائف فی بعض حاجاته فاصابها بنوع من انکحةالجاهلیة وولدت زیادا هذا ونسبته الی ابی سفیان واقر لها به الا انه کان یخفیه))[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق زیاد کا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب ہوا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی اقرار کر چکے تھے مگر یہ نسبت عام لوگوں میں مشہور نہ تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بقول بعض مورخین زیاد بن سمیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبی استلحاق کی خواہش ظاہر کی۔ دیگر مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لاحق کرنے کا ارادہ کیا اور پھر اس معاملے کے متعلق شواہد طلب کیے۔

چونکہ اسلام میں جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور اولاد کی اپنے آباء سے نفی نہیں کی گئی۔ (۱) بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کی ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نسبت کو برحال رکھتے ہوئے اپنے ساتھ نسبی استلحاق کا معاملہ کیا۔

اس سلسلے میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے استلحاق زیاد کا

---

[1] تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۴ ج ۳ تحت استخلاف زیاد (طبع بیروت)

واقعہ ۴۴ھ میں پیش آیا تھا اور اس معاملے (زیاد بن سمیہ کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبی انتساب) پر شواہد طلب کیے اور درج ذیل شاہدوں زیاد بن اسماء حرمازی، مالک بن ربیعہ سلولی، منذر بن زبیر، جویریہ بنت ابی سفیان، مسور بن قدامہ باہلی، ابن ابی نصر ثقفی، زید بن نفیل ازدی، شعبہ بن علقم مازنی، عمرو بن شیبان کے قبیلہ کے ایک شخص اور بنی مصطلق قبیلہ کے ایک شخص نے شہادت دی کہ ابوسفیان نے زیاد بن سمیہ کے حق میں اپنے فرزند ہونے کا اقرار کیا تھا۔ خصوصی طور پر ان میں سے منذر بن زبیر نے اس بات کی بھی گواہی دی کہ انھوں نے یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنی تھی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے اس بات کا اقرار کیا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ ایام جاہلیت کے اس واقعہ پر مذکور بالا تمام شاہدوں نے اثبات میں گواہی دی۔

((وكان استلحاق معاوية له فی سنة اربع واربعين وشهد بذالك زياد بن أسماء الحرمازی ومالك بن ربيعة السلولی والمنذر بن الزبير فيما ذكر المدائنی باسانيده وزاد فی الشهود جويرية بنت ابی سفيان والمسور بن قدامة الباهلی وابن ابی نصر الثقفی وزيد بن نفيل الازدی وشعبة بن العلقم المازنی ورجل من بنی عمرو بن شيبان ورجل من بنی المصطلق شهدوا كلهم علی ابی سفيان ان زيادا ابنه الا المنذر فيشهد انه سمع عليا يقول اشهد ان ابا سفيان قال ذالك))[1]

اور ابن خلدون رحمہ اللہ کے الفاظ میں یہ معاملہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

((ورأى معاويةُ ان يستميله باستلحاقه، فالتمس الشهادة بذالك ممن علم لحوق نسبه بابی سفيان۔ فشهد له رجال من اهل البصرة والحقه))[2]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے ٹھہری کہ زیاد کا اپنے ساتھ استلحاق کر لیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے اس بات پر شہادت تلاش کی اور جو لوگ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیاد کے نسب کے الحاق کو جانتے تھے ان سے شہادت حاصل کی چنانچہ اہل بصرہ میں سے متعدد افراد نے اس بات پر گواہی دی اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کر لیا۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ ان شواہد کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ استلحاق کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اس مسئلے کو اپنی رائے میں حق سمجھ کر حق کی حمایت کی تھی اور

---

۱ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۶۳ ج ا تحت زیاد بن ابیہ۔

۲ تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۵ ج ۳ تحت استلحاق زیاد

کسی قلت کو کثرت میں بدلنے یا کسی ذلت سے عزت حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ نے اس مسئلے کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے اور تاریخ طبری میں بھی اسی طرح ہے:

((وقال (معاوية) انی لا اتكثر بزياد من قلة ولا اتعزز به من ذلة ولكن عرفت حق الله فوضعته موضعه))[۱]

اہل تراجم لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد زیاد نے اس معاملے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا کہ اس معاملے کے بارے میں گواہوں نے جو گواہی دی ہے اگر وہ برحق ہے تو الحمد للہ، اور اگر یہ بات واقع میں درست نہیں ہے تو میں ان گواہوں کو اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((فخطب معاوية فاستلحقه فتكلم زياد فقال ان كان ما شهد الشهود به حقا فالحمد لله وان يكن باطلا فقد جعلتهم بينی وبين الله))[۲]

مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ

مسئلہ ہذا کے متعلق یہ ایک رخ تھا جو ان تفصیلات کے ساتھ بقدر ضرورت لکھا گیا ہے۔ اب اس واقعہ کا دوسرا رخ تحریر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''استلحاق زیاد'' کے واقعہ کو اس دور کے بعض دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم درست نہیں سمجھتے تھے اور وہ حضرات اس معاملے میں بایں طور معترض تھے کہ شرعی قاعدہ (الولد للفراش وللعاهر حجر) یعنی اولاد اسی کی شمار کی جاتی ہے جس کے ہاں پیدا ہو اور بغیر نکاح والے کے لیے پتھر کی سزا ہے، صحیح ہے اور اس کا خلاف کرنا ناجائز ہے۔

اور علمائے کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ ایک گونہ توجیہ ذکر کی ہے کہ روایت الولد لفراش وللعاهر الحجر کا قاعدہ صحیح ہے لیکن اس کا محمل اس وقت درست ہے جب صاحب فراش کی طرف سے اولاد کے حق میں دعویٰ پایا جائے۔ اور اگر صاحب فراش کی طرف سے دعویٰ نہیں پایا گیا لیکن اس کے مقابلے میں دوسرے شخص نے اولاد کا اقرار کر رکھا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس اقرار (اور عدم دعویٰ صاحب فراش) کی بنا پر اس الحاق کو جائز سمجھتے تھے خصوصاً اس حالت میں کہ یہ اقرار دور جاہلیت میں کیا گیا تھا۔

((بل الظاهر انه حمل قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر"

---

۱ تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۶ ج ۳ تحت استخلاف زیاد
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۲۳ ج ۶ تحت سنہ ۴۴ھ ذکر الخبر عن سبب عزلہ

۲ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

علی ما اذا ادعی صاحب الفراش کما ادعی عبد بن زمعة ابن ولیدة ابیه فی مورد الحدیث، واما اذا لم یدعه واقر اخر بانه ابنه فکان عند معاویة الحاقه بالمقر لا سیما اذا ثبت انه اقر به فی الجاهلیة قبل الاسلام))[1]

ان حالات میں اس مسئلے میں رائے کا اختلاف موجود تھا۔ لیکن بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی رائے کے خطا ہونے پر تنبہ ہوا اور آپ نے سابق موقف کو ترک کر دیا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی نوعیت کا فریقین کی طرف سے ایک تنازع پیش ہوا۔ ایک شخص نصر بن حجاج بن علاط سلمی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق دعویٰ دائر کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ اس مسئلے میں دوسرا فریق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھے انھوں نے بیان کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں فریق کے اس تنازع نے طول پکڑا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شخص صاحب فراش کی اولاد ہے دوسرے کا حق نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر نصر بن حجاج نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اے امیر معاویہ! زیاد کے حق میں آپ نے کیسے فیصلہ کیا تھا؟ (وہ فیصلہ تو اس کے برخلاف تھا) تو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلہ سے بہتر اور برحق ہے۔

یہ دوسرا کیس اپنی جگہ واضح تھا جب کہ زیاد والے کیس میں عبد بن زمعہ کی طرح کوئی مدعی ہی نہیں تھا تو اگر ایسے الجھے ہوئے معاملے میں ظاہر حدیث منطبق نہیں کی گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل کھلے معاملے میں بھی اس کا خلاف کیا جائے۔ فلہٰذا اس مقدمے کے فیصلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت مومنانہ شان سے فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلے سے بہرحال بہتر اور اولیٰ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ التزامی طور پر حدیث رسول کے اولیٰ بالعمل ہونے کی دعوت ہے۔

پہلے کیس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بطور ایک مجتہد کے ایک رائے رکھتے تھے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس فیصلے کو صحیح سمجھا لیکن اس دوسرے کیس میں اجتہاد کو راہ نہ تھی۔ اس میں آپ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ حدیث نبوی کے مقابلے میں معاویہ کے اجتہاد کی یہاں کوئی گنجائش ہی نہیں۔

چنانچہ محدث ابویعلیٰ موصلی رحمہ اللہ نے اپنے مسندات میں اس مسئلے کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فطالت خصومتهم فدخلوا معه علی معاویة وفهو تحت رأسه فادعیا فقال

---

[1] اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۴۸۷، ۴۸۸ ج ۱۵ کتاب الاقرار۔ طبع کراچی۔

معاویة سمعت رسول الله ﷺ یقول "الولد للفراش وللعاهر الحجر" قال نصر فاین قضاءك هذا؟ یا معاویة فی زیاد فقال معاویة قضاء رسول الله ﷺ خیر من قضاء معاویة))[1]

اور فتح الباری میں یہی مضمون بعبارت ذیل درج ہے:

((وفی حدیث معاویة قصة اخری له مع نصر بن حجاج و عبدالرحمن بن خالد بن ولید فقال له نصر فاین قضاءك فی زیاد؟ فقال قضاء رسول الله ﷺ خیر من قضاء معاویة))[2]

مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دیانت داری اور حق پسندی کا پہلو نمایاں طور پر پایا جاتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے میں انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا اور اتباع نبوی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے اور فرمان رسالت کو اپنی رائے پر فوقیت دیتے تھے۔

حقیقت حال

استلحاق زیاد کے واقعہ کے سابق و لاحق دونوں پہلو ناظرین کے سامنے آ گئے۔ رائے سابقہ کے مالہ و ماعلیہ اور اس کے اسباب و دواعی کو بھی سامنے لایا گیا اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں جو رجوع کیا ہے اگرچہ وہ علیٰ سبیل الالزام کے ہے وہ بالکل واضح اور برملا ہے اور اکابر محدثین نے بیان کیا ہے اور اس واقعہ کی عبارات بھی اہل علم کی تسلی کے لیے اوپر لکھ دی گئی ہیں۔

اور کسی مسئلہ میں اپنی سابق رائے سے رجوع کر لینا نہ اخلاقاً قبیح ہے نہ شرعاً غلط ہے نہ واقعتاً برا ہے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ کئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک عرصہ کے بعد اپنے بعض مسائل سے رجوع کیا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے متعہ کے مسئلے سے رجوع کرلیا۔ پہلے اس کے جواز کا قول کرتے تھے لیکن بعد میں اس کے عدم جواز کا فیصلہ کرلیا۔ اصول سرخسی جلد اول میں ہے:

((ابن عباس رضی اللہ عنہما کان یقول باباحة المتعة ثم رجع الی قول الصحابة))[3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رجوع کر لینے کا یہ مسئلہ بے شمار محدثین و فقہاء نے نقل کیا ہے لیکن ہم نے یہاں صرف ایک حوالہ درج کرنا کافی خیال کیا ہے۔ اس چیز پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی نقد و

---

1. مسند ابی یعلیٰ ص ۳۴۷ ج ۶ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان
   مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۴ ج ۵ تحت باب الولد للفراش
2. فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۲ ج ۱۲ تحت آخر باب الولد للفراش حرۃ کانت اولمۃ
   اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۴۸۸ ج ۱۵ کتاب الاقرار طبع کراچی
3. اصول سرخسی (ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی) ص ۳۲۱ ج ۱ طبع اول دکن۔

طعن نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اس مسئلے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طعن و ملامت کے مستحق نہیں ہیں بلکہ ان کی حق پسندی پر یہ واقعہ قوی دلیل ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است۔

طعن کرنے والوں کی نظروں میں یہ عیب و نقص ہی معلوم ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف سے رجوع کر لینا بھی ثابت ہے اور اکابر محدثین نے اسے نقل کر دیا ہے۔ ان حالات میں حضرت موصوف پر طعن قائم رکھنا اور قبیح تنقید کی شکل میں اسے عوام میں بیان کرنا بڑا ظلم ہے[1] اور قابل نفرت تعبیرات سے اسے ادا کرنا اور مذموم عبارات کی شکل میں لکھنا نہایت ناروا طریق اور برا انداز تحریر ہے۔ یہ ایک مقتدر صحابی کے حق میں بدظنی نشر کرنے کا معاندانہ رویہ ہے جو قابل مذمت ہے۔

---

[1] استلحاق زیاد کے واقعہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے بعبارت ذیل تنقید ذکر کرتے ہیں مثلاً:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شریعت کے مسلمہ قاعدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ (حالانکہ ایسا نہیں۔ یہاں ایک فارق موجود تھا جس کی تفصیل اوپر ہم نے ذکر کر دی ہے)۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی زنا کاری پر شہادتیں قائم کیں (کیا یہ دور جاہلیت کی بات نہیں؟)

③ اور اس معاملے میں حلال و حرام کی تمیز بھی روا نہیں رکھی...... وغیرہ وغیرہ

لطیفہ: یہی زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں کارکن تھا تو ثقہ، معتمد، بہترین صالح شخص تھا مگر وہی شخص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچ گیا تو وہ بڑا قبیح، بدکار، ظالم، ولد الحرام، ولد الزنا، حرامی بن گیا۔ یا للعجب!! (منہ)

مسئلہ استخلاف یزید

معترض دوست استخلاف یزید کے مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت کچھ اعتراضات قائم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ منتخب کرنا درست نہیں تھا اس طریقہ سے سابقہ خلفاء کا انھوں نے خلاف کیا اور مخالفین اسلام قیصر و کسریٰ کے طریقہ کو مروج کیا۔ اس وجہ سے امت میں بڑے مفاسد کھڑے ہوئے۔ آپ نے قوم کو غلط راہ پر ڈال دیا۔ یہ کام انھوں نے ذاتی مفاد اور حفاظت اقتدار کی خاطر سرانجام دیا تھا جو امر مذموم تھا۔

اس مسئلے کو صاف کرنے کے لیے چند امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان پر توجہ فرمائیں، امید ہے قابل اطمینان ہوں گے:

① مسئلہ استخلاف یزید میں پہلے یہ چیز معلوم کرنی چاہیے کہ شرعی طور پر فرزند کو اپنے والد کی جگہ پر والی و حاکم منتخب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق یہ چیز واضح ہے کہ نصوص قرآنی اور احادیث صحیحہ کے اعتبار سے یہ صورت منع نہیں بلکہ جائز ہے۔ شیعہ حضرات اس مسئلہ پر اپنی کتابوں سے بھی کوئی سند نہیں لا سکے کہ بیٹے کو جانشین بنانا ناجائز ٹھہرے۔ اگر شرعی قوانین اور آئین کی رو سے بیٹے کو باپ کی جگہ پر والی منتخب کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس دور کے اکابر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام کیسے منتخب کرلیا؟ انھیں کیوں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح امت ایک غلط راہ پر چل پڑے گی۔

بلکہ روایات میں اس طرح موجود ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دفن سے فراغت کے بعد خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف دعوت دی اور بلایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

((ثم النصرف بالحسن بن علی من دفنه فدعا الناس إلى بيعته فبايعوه)) [1]

یہاں سے واضح ہوگیا کہ والد کی جگہ اس کے فرزند کو والی اور حاکم بنانا درست ہے، یہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں اور نہ یہ قیصر و کسریٰ کے طریق کی اتباع ہے اور جو لوگ دن رات وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت علی ابن ابی طالب طبع لیڈن

پڑھتے ہوں وہ اس قسم کی غلط بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ البتہ انتخاب میں اس کی اہلیت شرط ہوتی ہے اور اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے جیسا کہ ہم آیندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

(۲) مسئلہ استخلاف کے متعلق امت کے اکابر علماء نے شروط اور قیود ذکر کی ہیں جن کو ذیل میں ذکر کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔

چوتھی اور پانچویں صدی کے حنابلہ وشوافع کے کبار علماء کے یہ بیانات ہیں ان کو پہلے درج کیا جاتا ہے، اس کے بعد دیگر مورخین ومحدثین کے فرمودات اور مزید چیزیں ذکر کی جائیں گی جو اس مسئلہ کے سمجھنے میں مفید ومعین ہیں:

شروط وقیود

چنانچہ علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے کتاب الاحکام السلطانیہ میں اس چیز کو بعبارت ذیل واضح کیا ہے:

((وقال الاكثر من الفقهاء والمتكلمين تجوز امامته و صحت بيعته ولا يكون وجود الافضل مانعا من امامة المفضول اذا لم يكن مقصرا عن شروط الامامة كما يجوز فى ولاية القضاء تقليد المفضول مع وجود الافضل))[1]

''یعنی مسئلہ ہذا میں علماء کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے علامہ ماوردی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر فقہا اور متکلمین کا قول یہ ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے اور اس کی بیعت صحیح ہے اور افضل کا وجود اس بات سے مانع نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ مفضول میں امامت کے شروط میں کوتاہی نہ پائی جائے۔ جیسا کہ قضا کے معاملہ میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو قاضی بنانا جائز ہے۔''

اور قاضی ابویعلی محمد بن حسین الفراء اپنی تصنیف الاحکام السلطانیہ میں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

((ويجوز ان يعهد الى من ينتسب اليه بابوة او بنوة اذا كان المعهود له على صفات الائمة لان الامانة لا تنعقد للمعهود إليه بنفس العهد وانما تنعقد بعهد المسلمين والتهمة تنتفى عنه))[2]

''مطلب یہ ہے کہ اگر منصب یافتہ شخص صفات امامت کا حامل ہو تو عہدہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ

---

[1] کتاب الاحکام السلطانیہ (ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی التوفی ۴۵۰ھ) ص ۵ تحت باب الاول فی عقد الامامت (طبع مصر)

[2] الاحکام السلطانیہ (ابویعلی محمد بن حسین الفراء التوفی سنہ ۴۵۸ھ) ص ۹ تحت فصول فی الامامہ طبع مصر (التوفی سنہ ۴۵۸ھ)

باپ ہو یا بیٹا ہو۔ کیونکہ کسی کو محض عہدہ عطا کر دینے سے وہ عہدے دار نہیں بن جاتا بلکہ وہ شخص اسی وقت عہدے دار کہلانے کا حق دار ہوتا ہے جب مسلمان اسے اس عہدے کے لیے قبول کریں اور اسی صورت میں عہدہ دینے کی تہمت سے بچا جا سکتا ہے۔''

چنانچہ ان شروط و قواعد کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اس منصب کے لیے اہلیت و صلاحیت کا پایا جانا لازم ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھا گیا جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

③ استخلاف یزید کے متعلق اکابر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رحمہم اللہ اس مسئلے میں مختلف آراء رکھتے تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ اس انتخاب اور نامزدگی کا یہ طریق کار درست نہیں۔ لیکن دیگر صحابہ اور اکابرین امت کی رائے یہ تھی کہ موجودہ حالات کے مطابق یہ انتخاب اور نامزدگی درست ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے بھی یہی تھی کہ اگرچہ یزید سے افضل حضرات موجود ہیں تاہم حالات حاضرہ کے پیش نظر مفضول کی نامزدگی درست ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر و کسریٰ کی اتباع میں ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت کی سیاسی و ملکی ضرورت کے تحت انھوں نے ایسا کیا تھا۔ یہ ان کا اجتہاد فکر تھا۔

استخلاف یزید کے مسئلہ میں تاریخوں کے اعتبار سے بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم بعض روایات کے پیش نظر یہ واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا دیگر حضرات یہ رائے رکھتے تھے کہ اگر فاضل افراد (جو دین و اسلام اور عبادت میں سبقت رکھنے والے ہیں) موجود ہیں تو ان کو چھوڑ کر ایک مفضول کو جو رائے اور معرفت (یعنی ملک رانی اور تدبیر سیاست) میں قوی ہو، مقدم کر دیا جائے تو درست ہے۔

شرح بخاری میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

① ((وكان رأى معاوية فى الخلافة تقديم الفاضل فى القوة والرأى والمعرفة على الفاضل فى السبق الى الاسلام والدين والعبادة۔ فلهذا اطلق انه احق))[1]

اور قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف کے معاملے میں درست اقدام کیا تاہم انھوں نے یہ چیز تسلیم کی ہے کہ:

② ((ألا انا نقول ان معاوية ترك الافضل فى ان يجعلها شورى والا يخص

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۳۲۴ ج ۷ تحت الحدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما (ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جانا)

بها احدا من قرابته فكيف ولدا))[1]

''یعنی ہم کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلے کے متعلق شوریٰ قائم کرنا افضل تھا اور قرابت داری میں سے اگر چہ بیٹا ہو اس کو خاص نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انھوں نے افضل اور بہتر چیز کو اس معاملے میں ترک کر دیا۔''

لیکن اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک مجبوری بھی تھی آپ کے حلقہ سیاست کے لوگ جو سالہا سال سے آپ کے وفادار چلے آ رہے تھے اور بڑی بڑی حوصلہ آزما جنگوں میں وہ آپ کے فدا کار ساتھی رہے تھے انھیں چھوڑنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بس میں نہ تھا۔ شامی لوگ اموی شخص کے بغیر کسی اور کی ولی عہدی پر راضی نہ ہو سکتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ ان کی رائے کے خلاف چلنے سے جمعیت اسلام پھر کہیں منتشر نہ ہو جائے اور دو تین سلطنتیں قائم نہ ہو جائیں۔ آپ نے ان کی رائے کا احترام کیا اور نظم سلطنت میں وہ تدبیر اختیار کی کہ آیندہ انتشار سلطنت کا کوئی عنوان قائم نہ ہو سکے۔

عراق کے لوگ اگر چہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے تھے لیکن ان کا عدم استقلال اور غیر مستقل مزاجی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخفی نہ تھی۔ آپ کا سیاسی تدبر اس کے سوا اور کوئی راہ نہ پا سکا کہ جانشین شام والوں میں سے چنیں اور یہ کہ اموی ہو۔ ان کے مشیروں کی رائے میں اس پہلو سے یزید کے سوا کوئی اور امیدواران شرطوں پر پورا نہ اترتا تھا۔

اور ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس مضمون کو بعبارت ذیل بیان کیا ہے:

((وعدل عن الفاضل الى المفضول حرصا على الاتفاق واجتماع الاهواء الذى عند الشارع وإن كان لا يظن بمعاوية غير هذا۔ فعدالته وصحبته مانعة من سوى ذالك))[2]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فاضل کو چھوڑ کر مفضول کی طرف عدول کیا۔ وہ قوم کے اتفاق اور اجتماع کی رعایت اور لوگوں کی خواہشات کا لحاظ کیے ہوئے تھے اور ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس معاملے میں بہتر گمان رکھتے ہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی دیگر چیز ان کی عدالت اور صحابیت کی شان کے خلاف ہے۔''

نیز ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اس مسئلہ کو دیگر عبارات کی شکل میں بھی پیش کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

---

[1] العواصم من القواصم (ابن العربی) ص ۲۲۲ تحت بحث ہذا

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۱ تحت الفصل الثلاثون فی ولایۃ العہد طبع مصر (ص ۳۷۲-۳۷۳ طبع بیروت)

((والذی دعا معاویة لایثار ابنه یزید بالعهد دون من سواه انما هو مراعاة المصلحة فی اجتماع الناس واتفاق اهواءهم باتفاق اهل الحل والعقد علیه حینئذ من بنی امیة اذ بنوامیة یومئذ لا یرضون سواهم وهم عصابة قریش واهل الملة اجمع واهل الغلب منهم اثره بذالك دون غیره ممن یظن انه اولی بها))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے شخص کو منصب خلافت نہیں دیا بلکہ اپنے فرزند یزید کو دیا۔ یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت کے لوگوں کے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت سامنے تھی اور بنو امیہ کے اہل حل وعقد کے اتفاق کی رعایت ملحوظ خاطر تھی۔ اس دور میں بنو امیہ قریش کی بڑی جماعت تھی اور ان کا غلبہ تھا، وہ کسی دوسرے شخص پر رضامند ہونے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ ان حالات کے پیش نظر یزید کو منتخب کیا اور اس منصب کے لیے بہتر سمجھا۔''

مسئلہ ہذا میں مصلحت اور حسن ظن

اور مقدمہ میں ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس چیز کو بعبارت ذیل بھی پیش کیا ہے:

((وکذالك عهد معاویة الی یزید خوفا من افتراق الکلمة بما کانت بنوامیة لم یرضوا تسلیم الامر الی من سواهم فلو قد عهد الی غیره اختلفوا علیه مع ان ظنهم کان به صالحا ولا یرتاب احد فی ذالك ولا یظن بمعاویة غیره فلم یکن لیعهد الیه وهو یعتقد ما کان علیه من الفسق حاشا لله لمعاویة من ذالك))[2]

''مطلب یہ ہے کہ اپنے فرزند یزید کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو منصب سپرد کیا تھا وہ کلمہ اہل اسلام میں افتراق وانتشار سے بچانے کی بنا پر تھا۔ اس سبب سے کہ قبیلہ بنو امیہ امر خلافت کو اپنے سوا کسی دوسرے کی طرف سپرد کر دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ اگر یہ معاملہ ان کے غیر کی طرف سپرد کر دیا جاتا تو یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کر دیتے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یزید کے متعلق ان کا بہتر گمان تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ (بظاہر کوئی چیز اس کے خلاف نہ پائے جانے پر) ان کا یہ ظن فی نفسہ درست تھا۔ یزید میں فسق وفجور ظاہری طور پر اور برملا پایا جائے اور پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیں، حاشا وکلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ

---

1. مقدمہ ابن خلدون تحت الفصل الثلاثون فی ولایۃ العہد ص ۲۱۱ طبع مصر (ص ۳۷۲-۳۷۳ طبع بیروت)
2. مقدمہ ابن خلدون ص ۳۶۵ ج ا تحت انقلاب الخلافہ الی الملک (طبع بیروت)

چیز بعید ہے۔“

(حاشیہ) قوله مع ان ظهم كان به صالحا یزید بن معاویہ کے قبائح اور معائب کے متعلق لوگوں کے بہت کچھ اقوال پائے جاتے ہیں۔ لیکن افراط وتفریط کے درمیان یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ جس دور میں یزید کا انتخاب اور نامزدگی کی گئی اس دور میں اس کے مفاسد اور قبائح علانیہ طور پر موجود نہیں تھے۔ چنانچہ اس پر مندرجہ ذیل قرائن دستیاب ہوتے ہیں:

❁ مورخین نے لکھا ہے کہ جب بلاد روم میں غزوات ہوئے اور غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اسلام کی طرف سے جو لشکر اس غزوہ کے لیے پہنچا اس کا امیر الجیش یزید بن معاویہ تھا اور متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے زیر کمان اسلامی جہاد میں شریک تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ اور ایک دیگر مقام پر یہ تصریح بھی موجود ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما بھی اس جیش میں شریک وشامل تھے۔

((وفيها (سنة ۴۹ھ) غزا يزيد بن معاوية بلاد الروم حتى بلغ قسطنطينية ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر و ابن عباس وابن الزبير وابوايوب الأنصارى رضی اللہ عنہم)) [۱]

((وقد كان (الحسين بن على رضی اللہ عنہما) فى الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد فى سنة احدىٰ وخمسين)) [۲]

❁ نیز مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ کے دوران میں جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو یزید نے آپ کی بیمار پرسی کی اور آپ نے یزید کو بعض وصیتیں فرمائیں جن پر اس نے عمل کیا۔ اور جب آپ فوت ہو گئے تو یزید نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ:

((وكان (ابوايوب الانصارى رضی اللہ عنہ) فى جيش يزيد بن معاوية واليه اوصى وهو الذى صلى عليه)) [۳]

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دور میں یزید کی سربراہی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا۔ یزید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیادت کی اور ان کے وصایا پر عمل کیا اور اس نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ

۲ - البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ باہلہ سنہ ۵۱ھ

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۸ ج ۸ تحت تذکرہ حضرت ابو ایوب الانصاری سنہ ۵۲ھ

فلہٰذا یہ چیزیں اس بات کا قرینہ ہیں کہ اس دور میں یزید کے قبائح اور معائب ظاہر نہیں تھے اور اس کا کردار درست تھا۔ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے ساتھ کارہائے خیر میں شریک رہتے تھے اور جہاد جیسے اہم امور کو یزید کی معیت میں سرانجام دیتے تھے۔

اگر یزید کا کردار اس زمانہ میں خراب تھا اور عادات قبیحہ کا مرتکب تھا تو پھر ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ساتھ تعاون کیسے روا رکھا؟ اور ان امور خیر میں کیسے شامل رہے؟ آیات و احادیث کیا ان کے پیش نظر نہیں تھیں؟

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

اس پر ایک دیگر قرینہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے ساتھ جب اس دور کے لوگوں کا یزید کے متعلق کلام ہوا اس وقت انھوں نے یزید کے معائب ذکر کیے تو ان کے جواب میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

((ما رأيت منه ما تذكرون وقد حضرته واقمت عنده فرأيته مواظبا على الصلاة متحريا للخير يسئل عن الفقه ملازما للسنة۔ قالوا فان ذالك كان منه تصنعا لك))[1]

"یعنی محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا: معائب کی جو چیزیں تم ذکر کرتے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھیں۔ میں نے اس کے پاس اقامت کی ہے، میں نے اس کو نماز کا پابند، امر خیر کا تلاش کرنے والا، دینی مسائل کا دریافت کرنے والا اور سنت کو لازم پکڑنے والا پایا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اس سے بطور تصنع کے صادر ہوئی ہیں۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کو مجھ سے کیا خوف اور کیا امید تھی کہ اس نے ایسی چیز کا اظہار کیا؟"

مسئلہ ہذا کی تائید

اسی طرح حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "اثبات شہادت حسین" میں اس مسئلے کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

"وقتیکہ امیر معاویہؓ یزید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نبود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہؓ را ازاں خبر نہ بود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از و مشہود شد مشہور است۔"[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۳۳ ج ۸ تحت حالات یزید

[2] تحقیق و اثبات شہادت حسین از مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ص ۷۶ مترجم انوار الحسن شیرکوٹی

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جب اپنا ولی عہد بنایا تو اس وقت وہ علی الاعلان فاسق نہیں تھا۔ اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ در پردہ تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں اس کی صلاحیت اور حسن تدبیر مشہور ہے۔''

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یزید پہلے فاسق نہیں تھا بلکہ بعد میں ہوا۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی اس صلاحیت کی بنا پر اس کو اپنا ولی عہد منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ نیز یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شیرازۂ امت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لیے یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ یہ بیعت اس لیے نہ تھی کہ وہ یزید کو ہر طرح سے حق دار خلافت سمجھتے تھے بلکہ اس لیے کہ امت مسلمہ میں خوں ریزی نہ ہو اور جس طرح بھی بن پڑے مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے مجتمع رہیں۔ یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا اس شرط کے ساتھ تھا کہ اُن کی اللہ اور رسول اللہ سے بیعت برقرار رہے گی اور وہ حکومت کی کسی ایسی بات کو ہرگز نہیں مانیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہو۔ بایعنا هذا الرجل على بيعة الله ورسوله (بخاری)

مذکورہ بالا اشیاء اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال و احوال عموماً اس درجہ کے نہ تھے کہ اس کی مخالفت ضروری ہو، اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا یا اس کی نامزدگی کی تو اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا گیا تھا۔ آئندہ کے لیے کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا حالات پیش آئیں گے؟ (والغيب عند الله تعالىٰ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان کا ذمہ دار خود یزید ہے نہ کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ان کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا بڑی زیادتی ہے اور آنجناب اس کے ذمہ دار نہیں۔

مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی طرف سے تائید

مکتوبات قاسمی میں مولانا مرحوم نے اسی مسئلے کو اس طرح نقل کیا ہے:

''واین طرف مذہب حضرت امیر معاویہؓ درباره خلافت آن بود که ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگراں باشد گو افضل از و باشند افضل است از دیگراں۔ نظر بریں او را افضل از دیگراں دانستند و اگر افضل ندانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند۔ چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شده کہ استخلاف افضل، افضل است نہ واجب۔ لیکن ایں قدر را گناه نتواں گفت کہ سب وشتم امیر معاویہ پیش آئیم ایں طرف امیر معاویہؓ را از اجلہ صحابہ نمی شاریم کہ بنسبت ترک افضل و اولی ہم دریں چنیں امور معذرت نمائیم۔''[1]

---

[1] مکتوبات قاسمی مع ترجمہ اردو ص ۳۸-۳۹ بعنوان مذہب امیر معاویہ درباره خلافت۔

''یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ دوسروں کے اعتبار سے زیادہ ہو (اگرچہ وہ دیگر امور میں اس سے افضل ہوں) تو وہ دوسروں کی بہ نسبت خلافت کے لیے افضل ہے۔ اس بنا پر وہ (یزید کو اس معاملے میں) دوسروں سے افضل جانتے تھے اور اگر افضل نہیں جانتے تھے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ انھوں نے ترک افضل کیا، ترک واجب نہیں کیا۔''

چنانچہ مقدمات سابقہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں۔ لیکن ترک افضل و ترک اولیٰ کو ایسا گناہ نہیں کہا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر سب وشتم کرنے لگیں اور ان کو اکابر صحابہ میں سے شمار نہ کریں۔

مندرجات بالا کے فوائد وثمرات آیندہ عنوان ''بحث کا اختصار'' کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

بحث کا اختصار

① حاصل کلام یہ ہے کہ استخلاف کے مسئلے میں چند اشیاء پیش کی گئی ہیں جن میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے انتخاب میں کسی شرعی قاعدہ اور اسلامی ضابطہ کا برخلاف نہیں کیا۔

② اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دور کے حالات کے پیش نظر یہ انتخاب کیا تھا (اگرچہ بعض حضرات صحابہ اس انتخاب کے خلاف رائے رکھتے تھے) تاہم متعدد صحابہ کرام اور اکابرین امت اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ تھے بلکہ ہم نوا تھے۔

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس دور میں امت مسلمہ کے مقاصد خیر اور اجتماعی مصالح تھے اور قریش کے بڑے اہم قبیلہ بنوامیہ کے اتفاق واتحاد کو افتراق سے بچانا مقصود خاطر تھا تا کہ اہل اسلام کی مرکزی قوت میں انتشار واقع نہ ہو اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم رہے پارہ پارہ نہ ہو جائے۔

④ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کے متعلق حسن ظن تھا کہ اس میں انتظام مملکت کی اہلیت اور صلاحیت پائی جاتی ہے اور ظاہر طور پر اس میں خلاف اسلام کوئی بات موجود نہیں تھی، اور غیب کی کسی بات پر اطلاع بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کسی کو نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے آں موصوف اس مسئلے میں معذور ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ

((معاوية معذور فيما وقع منه ليزيد لانه لم يثبت عنده نقص فيه))[1]

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں مورد الزام بنانا کسی طرح درست نہیں۔

⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند یزید کو خلیفہ نامزد کر کے تقویٰ کے اعلیٰ درجے کے خلاف

---

۱ تطہیر الجنان مع الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۳۵، الفصل الثانی فی فضائلہ ومناقبہ۔

جواز کے درجہ کو اختیار کیا، کسی امر واجب کا خلاف نہیں کیا۔ حضرات شیخین سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے جو طریق استخلاف اختیار فرمایا وہ تورع اور تقویٰ کا اعلیٰ مقام تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور کے حالات اور مصالح کے پیش نظر انتخاب کے مسئلے میں جو صورت اختیار کی وہ درجہ جواز میں تھی، اور غایت سے غایت یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس مسئلے میں ترک افضل کیا۔

لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو امیہ اور ان کے حلیف قبائل ایک بہت بڑی طاقت تھے انھیں نظر انداز کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کو نامزد نہیں کر سکتے تھے۔ فلہٰذا ان کا یہ طریق کار شرع کے برخلاف نہیں اور نہ نفرین و تقبیح کے لائق ہے اس وجہ سے ان پر نہ تو سب و شتم روا ہے اور نہ طعن و تشنیع درست ہے اور نہ ملامت جائز ہے۔

بدعنوانیاں

استخلاف یزید کے سلسلے میں معترض احباب کئی روایات کا سہارا لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرتے ہیں کہ انھوں نے بیعت یزید کے معاملے میں کئی بدعنوانیاں کیں۔ اب اس کے جواب کے لیے چند عنوانات قائم کر کے کلام کیا جاتا ہے ان پر غور فرمالیں:

① طمع وتحریص

معترض دوست حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتراض قائم کرتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کو طمع و لالچ دلا کر اپنے فرزند کی خلافت کے لیے بیعت پر آمادہ کیا اور اس سلسلے میں زر کثیر صرف کیا۔ اسی طرح کئی لوگوں نے طمع و لالچ میں آ کر بیعت یزید قبول کر لی۔

اس سلسلے میں معلوم ہونا چاہیے کہ اس اعتراض کی بنیاد عموماً تاریخی روایات پر ہے اور وہ اس درجہ کی قابل اعتماد نہیں کہ ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن کی بنیاد بنایا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز و طریق لوگوں سے حسن سلوک کا تھا اور وہ لوگوں کے ساتھ روا داری کا برتاؤ کرتے تھے، لوگوں کو اموال عطا کرنا ان کا شیوہ تھا اور وہ اکابر کو عطایا، ہدایا اور وظائف دیا کرتے تھے۔ لیکن ان واقعات کو معترض احباب نے بیعت یزید کے سلسلے میں اعتراض قائم کرنے کا ایک زینہ بنا لیا ہے اور اپنے فاسد اغراض کی خاطر واقعات کا رخ دوسری طرف کر دیا ہے اور اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک پسندیدہ فعل کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھتے ہوئے طمع و لالچ دلانے اور رشوت کا نام دے کر ایک معیوب چیز اور قابل طعن چیز بنا دیا ہے۔ سچ ہے کہ:

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است

نیز اس سلسلے میں جو روایت رشوت دینے دلانے کی بنیاد قرار دیتے ہیں یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رشوت دی

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رشوت لی، اس روایت کے رواۃ میں سے بعض راویوں کا حال ذیل میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

((ووقع عند الاسماعيلى من طريق مومل بن اسماعيل عن حماد بن زيد))

مومل بن اسماعیل کے متعلق اگرچہ توثیق بھی پائی جاتی ہے تاہم نقد و جرح بھی مذکور ہے۔ چنانچہ یعقوب بن سفیان بسوی ذکر کرتے ہیں کہ

((وقد يجب على اهل العلم ان يقفوا عن حديثه ويتخففوا من الرواية عن فانه منكر يروى المناكير عن ثقات شيوخنا))[1]

اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((وقال البخارى منكر الحديث وقال ابوزرعة فى حديثه خطأ كثير))[2]

اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

((وقال محمد بن نصر المروزى المومل اذا انفرد بحديث وجب ان يتوقف و يثبت فيه لانه كان سيئ الحفظ كثير الغلط))[3]

❁ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ اہل علم پر لازم ہے کہ مومل کی حدیث سے رک جائیں اور اس سے روایت لینا کم کر دیں۔ یہ منکر الحدیث ہے، ثقہ شیوخ سے منکر روایات نقل کرتا ہے (جو معروف روایات کے خلاف ہوتی ہیں)۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مومل منکر الحدیث ہے اور ابو زرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مومل کی حدیث میں بہت خطا ہوتی ہے۔

❁ محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مومل جب حدیث کے نقل کرنے میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے توقف کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس کا حافظہ خراب تھا، کثیر غلطیاں کرنے والا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ اس نوع کی روایات پر رشوت دینے دلانے کے طعن کی بنیاد قائم کرنا درست نہیں۔ ایسے مجروح راویوں کی روایت کے ذریعے سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور وثاقت کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔ فلہذا یہ روایات قابل اعتناء نہیں۔

---

۱ المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۵۲ ج ۳ طبع بیروت۔

۲ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۲۸ ج ۴ تحت مومل بن اسماعیل (طبع بیروت)

۳ تہذیب التہذیب ص ۳۸۱ ج ۱۰ تحت مومل بن اسماعیل۔

② فریب کاری وحیلہ سازی

نیز یہ چیز بھی مخالفین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف یزید کے معاملے میں بڑی حیلہ سازی کی تھی اور مکر وفریب سے کام لیا تھا۔

اس طعن کا مدار طبری کی ایک روایت پر ہے جس میں بیعت یزید کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زیاد کی طرف مشورے کے طور پر خط تحریر کرنا اور پھر زیاد کا عبید بن کعب کی طرف قاصد بھیجنا مذکور ہے۔ اس روایت کی سند اس طرح مذکور ہے کہ:

((حدثنی الحارث قال حدثنا علی عن مسلمة قال لما اراد معاویة ان یبایع لیزید کتب الٰی زیاد...... الخ))

اس روایت کی سند کا مختصر سا حال ملاحظہ فرمائیے جو بنائے طعن ہے کہ یہاں طبری کا شیخ حارث ہے لیکن معلوم نہیں کہ یہ شخص کون بزرگ ہیں۔ کیونکہ طبری کے شیوخ میں کئی حارث مذکور ہیں مثلاً حارث بن محمد، حارث بن کعب اور حارث بن حصیر وغیرہم۔ اور ان حوارث میں بعض شیعہ بزرگ بھی ہیں۔

سند میں دوسرا راوی علی ہے، اور علی سے مراد کون علی ہیں؟ بظاہر علی سے مراد علی بن محمد مدائنی ہے جو ایک مورخ اور اخباری آدمی ہے۔

سلسلہ سند میں تیسرے راوی مسلمہ ہیں جن کے متعلق حسب سابق معلوم نہیں کہ کون مسلمہ ہیں۔ بظاہر یہ ہے کہ مسلمہ بن محارب کوفی ہے جو اس دور کا آدمی نہیں ہے جس دور میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ طبری کی بعض روایات میں یہ سلسلہ سند اس طرح مذکور ہے کہ

((حدثنی عمرو بن شبه قال حدثنی ابوالحسن المدائنی (علی بن محمد) اخبرنا مسلمة بن محارب عن داود بن أبی هذا عن شعبی...... الخ))[1]

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمہ بن محارب بعد کے دور کا آدمی ہے اور جس دور میں مذکورہ بالا مسئلہ پیش آیا تھا اس دور میں یہ شخص موجود نہیں تھا۔ فلہٰذا بنائے طعن کی روایت کے اسناد پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مرسل ہے، راوی اور واقعہ کے درمیان انقطاع زمانہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی روایت کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر الزام تراشی اور فریب کاری وغیرہ کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ مخالفین کی طرف سے اس نوع کی روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کے لیے لوگوں میں پھیلائی جاتی ہیں جو لائق اعتبار اور قابل اعتناء نہیں۔

---

[1] تاریخ طبری ص ۱۵۶ ج ۵ سنہ ۳۵ھ (تحت احوال قتل عثمان)

③ جبر و اکراہ

اور دیگر یہ چیز اس مقام پر بطور طعن ذکر کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر مسئلہ بیعت کی خاطر بہت کچھ دباؤ ڈالا اور لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور کر دیا اور انھیں اس کے بغیر چارۂ کار نہ رہا۔ چنانچہ لوگوں نے اضطراری حالت میں بیعت یزید قبول کر لی۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے محاسن کو نظر انداز کرتے ہوئے معائب اور مطاعن کے متعلق بہت کچھ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے یہ طعن اور اعتراض بھی اسی درجے میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیعت یزید کا مسئلہ ایک مجتہد فیہ مسئلے کے درجے میں تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور اس میں (جیسا کہ اپنی جگہ پر ذکر کیا جاتا ہے) رائے کا اختلاف ہوا تھا۔ بعض اس کے خلاف تھے اور بعض دیگر اس رائے کے حق میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس دور کے حالات اور سیاسی وملی مصالح کے پیش نظر اسے صحیح سمجھتے تھے۔

لوگوں پر اس معاملے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ جو شیعی مورخ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف ہیں انھوں نے بھی برملا طور پر اپنی شیعی تواریخ میں لکھ دیا ہے کہ

((و حج معاویة تلك السنة۔ فتألف القوم ولم یکرههم علی البیعة))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سال حج کیا اور قوم کے ساتھ الفت سے پیش آئے اور انھیں بیعت (یزید) پر ہرگز مجبور نہیں کیا۔''

یہ تصدیق اعدائے معاویہ کی طرف سے اس طعن کا صحیح جواب ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم پر بیعت یزید کے سلسلے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا۔

④ تہدید قتل

اس مقام پر بیشتر تاریخی روایات اس نوع کی ہیں جو مجروح اور مقدوح رواۃ سے مروی ہیں اور اس وجہ سے درجہ صحت تک نہیں پہنچ سکتیں۔ چنانچہ ان کا اجمالی محاسبہ ذکر کیا جاتا ہے:

سند پر کلام

ایسی تاریخی روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے حق میں قتل کی سزا کی تہدید مذکور ہے ان روایات کی سند میں بعض جگہ راوی کہتا ہے کہ

((قال سمعت أشیاخ المدینة یحدثون))

---

[1] تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب کاتب العباسی الشیعی المعروف یعقوبی) ص ۲۲۹ ج ۲ تحت واقعات وفات امام حسن رضی اللہ عنہ (۴۹ھ) طبع بیروت

''میں نے یہ روایت شیوخ مدینہ سے سنی ہے۔''

یہ اہل مدینہ کے اشیاخ خدا جانے کون حضرات ہیں؟ کس ذہنیت کے مالک ہیں؟ اور ان کا دینی معیار کیسا ہے؟ ایسے مجہول الذات رواۃ کی روایت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

بعض دیگر روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے لیے وعید اور تہدید کی گئی ہے اور قتل کی سزا کا خوف دلایا گیا ہے ان روایات کی سند میں مذکور ہے کہ قال حدثنی رجل بنخلة یعنی مجھے ایک شخص نے نخلہ کے مقام پر بیان کیا۔

یہ رجل مجہول الذات والصفات ہے۔ خدا جانے وہ کیسا شخص ہے؟ کس ذہنیت کا مالک ہے؟ اور کیسے نظریات کا حامل ہے؟ اس قسم کے مجہول رواۃ کی روایات کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کو گرانا اور ان پر طعن و تشنیع کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

اور اس مسئلے کے متعلقہ بعض روایات جو حدیث کی کتابوں میں دستیاب ہوتی ہیں ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس مسئلے میں اپنے خلاف رائے رکھنے والے حضرات کے ساتھ گفتگو پائی جاتی ہے۔ وہاں دونوں فریق کے درمیان خلاف رائے کے درجے تک تکلم اور کلام پایا جاتا ہے اور بعض اوقات اس معاملے میں شدت بھی مذکور ہے جیسا کہ مختلف فیہ مسئلے پر فریقین کے کلام میں شدت آ جایا کرتی ہے اور سخت کلامی تک نوبت پہنچتی ہے، لیکن اس سے زیادہ چیز وہاں مذکور نہیں۔

کسی مسئلے میں اختلاف رائے کا پایا جانا معاشرے کا ایک لازمہ ہے جس سے اجتناب ایک مشکل امر ہے۔ اور بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کئی مسائل میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے مثلاً:

① صدیقی دور خلافت میں مالک بن نویرہ وغیرہ کے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل کی سزا و جزا کے معاملے میں اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہ فرماتے تھے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سزا ملنی چاہیے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ یہ واقعہ ایک غلط فہمی کی بنا پر سرزد ہوا ہے فلہٰذا مالک بن نویرہ وغیرہ کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سزا کے مستحق نہیں۔ چنانچہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل درآمد ہوا اور انھوں نے مالک بن نویرہ کی دیت ادا کی اور ان کے قیدیوں کو واپس کر دیا اور ان کا مال و اسباب لوٹا دیا۔[1]

② ابولولو مجوسی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد اس کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کو عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بے قابو اور مغلوب الغضب ہو کر قتل کر دیا تو اس وقت

1. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۷۰ ج ا تحت واقعہ ہذا در عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ان کے قتل کے بدلے اور عوضانہ کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ ابولولو کے رشتہ داروں کے قتل کے عوض میں عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قتل کا بدلہ لیا جانا چاہیے، مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو اس وقت خلیفہ منتخب ہو چکے تھے انھوں نے ان حضرات کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے ان مقتولین کا معاوضہ اپنی طرف سے ادا کر کے تنازع کو ختم کر دیا۔

اس نوع کے کئی معاملات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ملتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں اختلاف کا واقع ہونا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح استخلاف یزید کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے جواز کے حق میں تھے اور بعض اس معاملے میں خلاف رائے رکھتے تھے (مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حضرت حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم) ۔ان حضرات میں سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے اختلاف کیا تھا لیکن بعد میں انھوں نے اس معاملے میں موافقت اختیار کر لی تھی اور امت کو مزید خون ریزی سے بچا لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف کے مسئلے میں نہ کسی کو زدوکوب کیا ہے، نہ کسی کو قید میں ڈالا ہے، نہ کسی کو قتل کیا ہے اور نہ کسی کو سزا دی ہے۔ مورخین کی روایات پر نظر کر کے معترضین نے یہ تمام مطاعن مرتب کیے ہیں اور ایسی دلکش عبارات میں عوام کے سامنے ان کو پیش کیا ہے کہ اسے پڑھ کر ناواقف شخص حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چالاکی ہے، فریب دہی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی پیدا کرنے کی تدبیر ہے اور صحابہ کے ساتھ اپنے بغض و عداوت کا اظہار ہے جس کو یہ لوگ اپنے سینوں میں مستور کیے ہوئے ہیں۔

اس مسئلے کی حقیقت اسی قدر ہے جو ہم نے مندرجات بالا میں ذکر کر دی ہے۔ جس سے ایک منصف مزاج آدمی اصل معاملے کو صحیح طور پر معلوم کر سکتا ہے۔

خودغرضی و مفاد پرستی سے براءت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق معترض لوگ استخلاف یزید کے معاملے کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے قبیلے کے مفاد کی خاطر یہ خودغرضی اور مفاد پرستی کا معاملہ کیا تھا۔ وہ اس معاملے میں مخلص نہیں تھے اور انھوں نے اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کی تدبیر اختیار کی تھی۔

یہ چیز واقعات کے برخلاف ہے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیانات اس کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان کے خطبے کا ایک حصہ ناظرین کی خدمت میں ذکر کیا جاتا ہے جو حافظ ذہبی اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنے اپنے مقام پر ذکر کیا ہے۔

((وقال ابوبکر بن أبی مریم عن عطیة بن قیس قال خطب معاویة فقال اللهم ان کنت انما عهدت لیزید لما رأیت من فضله۔ فبلغه ما املت واعنه۔ وان

کنت انما حملنی حب الوالد لولده وانه لیس باهل فاقبضه قبل ان یبلغ ذالك))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے خطبہ میں فرمایا: اے اللہ! میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے۔ اس کے متعلق مجھے جو امید ہے اس تک اسے پہنچا دے اور اس کی اعانت فرما۔ اور اگر میں نے محبت پدری کی بنا پر (ولی عہد) بنایا ہے اور وہ اس کا اہل نہیں تو اس مقصد تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض فرما لے (اور ولی عہدی کو پورا نہ کر)۔''

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی خود غرضی اور مفاد پرستی کی بنا پر یہ اقدام نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی رائے میں مخلص اور دیانت دار تھے۔ اس بنا پر وہ مجمع عام میں اس قسم کی دعا کر رہے ہیں۔ اس نوع کے بیانات کے بعد بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا صحابہ و تابعین حضرات کے حق میں مفاد پرستی اور فاسد اغراض کی طعنہ زنی کرنا نہایت ناروا فعل ہے بلکہ ان کی نیت پر حملہ اور ان کے ساتھ سوء ظنی کا مظاہرہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ان چیزوں سے اسلام نے ہمیں منع فرمایا ہے۔ (الله الله فی اصحابی۔ لا تتخذوا هم من بعد غرضا...... الخ) یعنی ارشاد نبوی ہے کہ لوگو! میرے اصحاب کے معاملے میں اللہ سے خوف کرو۔ میرے بعد میرے صحابہ کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنا لینا۔ جس نے ان سے محبت کی وہ ان کے علم و عمل کے باعث نہیں، بلکہ میری محبت کی اساس پر ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ ان کے کسی عمل کی بنا پر نہ ہوگا ان کا حقیقت میں مجھ سے بغض ہوگا جس کے باعث وہ ان سے بغض کرنے لگیں گے۔

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۶۷ ج ۲ تحت بیعت یزید
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۸۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۶ھ، طبع اول مصر۔

شرب خمر (یعنی شراب پینے) کا شبہ پھر اس کا ازالہ

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب پینے کا طعن وارد کیا جاتا ہے۔ اس اعتراض کی بنیاد مندرجہ ذیل قسم کی روایات پر ہے:

((حدثنا زید بن الحباب حدثنی حسین حدثنا عبدالله بن بریدة قال دخلت انا وابی علی معاویة فاجلسنا علی الفراش ثم أتینا بالطعام فاکلنا ثم أتینا بالشراب فشرب معاویة ثم ناول ابی ثم قال ما شربته منذ حرمه رسول الله ﷺ ثم قال معاویة کنت اجمل شباب قریش واجوده ثغرا وما شیء کنت اجد له لذة کما کنت اجده وانا شاب غیر اللبن او انسان حسن الحدیث یحدثنی))

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میرا باپ اور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے۔ انھوں نے ہمیں فرش پر بٹھایا پھر ہمارے لیے طعام لایا گیا پس ہم نے کھایا پھر مشروب لایا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نوش کیا پھر انھوں نے میرے باپ کو پکڑایا پھر انھوں نے کہا جب سے نبی کریم ﷺ نے اسے حرام کیا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں قریش کے جوانوں میں اجمل تھا اور میرے سامنے کے دانت عمدہ تھے یعنی میں خوبرو تھا۔ میں جوانی کے دور میں اس سے زیادہ لذت والی چیز نہیں پاتا تھا۔ ایک تو دودھ اور دوسرا ایسا انسان جو مجھے عمدہ گفتگو بیان کرے (یہ دونوں چیزیں میرے لیے پسندیدہ تھیں)۔''

اس روایت میں "فشرب معاویة" کے لفظ سے مخالفین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کا طعن تجویز کیا ہے۔

الجواب

یہ واضح بات ہے کہ معترض لوگ اصل چیز سے چشم پوشی کر کے اپنے زعم کے مطابق اعتراض پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاندین مخالفین نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

اب اس مقام پر اعتراض ہذا رفع کرنے کے لیے چند چیزیں ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بنظر انصاف اگر توجہ فرمائیں گے تو مسئلہ صاف ہو جائے گا اور اعتراض مندفع ہوگا۔

سند کے اعتبار سے بحث

① پہلی بات یہ ہے کہ روایت ہذا کے اسناد میں ایک راوی "حسین بن واقد مروزی" ہے اس کے متعلق علماء نے وثاقت ذکر کی ہے مگر ساتھ ہی یہ چیز بھی لکھی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس حسین بن واقد کی مرویات کا ذکر ہوا تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی مرویات کیا چیز ہیں، کچھ بھی نہیں اور اس کی مرویات کی بے وزنی بیان کرتے ہوئے ہاتھ کو جھاڑ دیا۔

ا۔ فاضل عقیلی رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((ذکر ابوعبدالله حسین بن واقد فقال واحادیث حسین ما أری أی شیء هی؟ ونفض یده))[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

۲۔ ((وربما أخطأ فی الروایات قال احمد فی احادیثه زیادة ما ادری ای شیء هی؟ ونفض یده))

((قال احمد احادیثه ما ادری ای شیئ هی))[2]

۳۔ ((ثقة له اوهام))[3]

۴۔ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال اور المغنی میں وثاقت ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((واستنکر احمد بعض حدیثه...... الخ))[4]

راوی پر اس طرح نقد پائے جانے کے بعد روایت کا وزن جس درجے کا رہ جاتا ہے وہ اہل علم وفن پر واضح ہے۔

② بالفرض اس سند میں نقد کا اعتبار نہ کیا جائے اور اس سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی اس روایت کے متن کے متعلق اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس کی عبارت کا مفہوم واضح نہیں اور معنی کے اعتبار سے مفہوم میں تدافع پایا جاتا ہے۔

---

[1] ضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۲۵۱ ج ا تحت حسین بن واقد المروزی

[2] تہذیب التہذیب ص ۳۷۴ ج ۲ تحت حسین بن واقد المروزی

[3] تقریب التہذیب ص ۱۱۴ تحت الحسین بن واقد (طبع لکھنؤ)

[4] میزان الاعتدال ص ۵۴۹ ج ا تحت الحسین بن واقد، طبع بیروت
المغنی (ذہبی) ص ۱۷۶ ج ا تحت حسین بن واقد (طبع حلب)

وجہ یہ ہے کہ لفظ "ثم ناول ابی" کے بعد "ثم قال" مذکور ہے۔ اس "قال" کا فاعل اگر لفظ "ابی" کو بنایا جائے تو "ثم قال" کے بجائے نحوی لحاظ سے "فقال" ہونا چاہیے۔ اور اگر "ثم قال" کا فاعل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنایا جائے تو روایت کا مفہوم باہم متعارض بن جاتا ہے اس وجہ سے کہ ماقبل میں شرب معاویة موجود ہے پھر یہ کہنا کہ ما شربة منذ حرم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، اس سے متعارض مفہوم تیار ہوتا ہے۔

نیز اہل علم کی توجہ کے لیے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ روایت ہذا ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں بعض دیگر الفاظ کے ساتھ اس طرح مذکور ہے اور واقعہ ایک ہی ہے:

((حدثنا عبدالله بن بريدة قال دخلت انا وأبى على معاوية فاجلس أبى على السرير واوتى بالطعام واطعمنا واوتى بشراب فشرب فقال معاوية ما شیء كنت استلذه وانا شاب فاخذه اليوم الا اللبن فأخذه كما اخذه قبل اليوم اليوم والحديث الحسن))[1]

مذکورہ روایت کے متن اور مصنف ابن ابی شیبہ و دیگر محدثین کے متن روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثم قال ما شربة منذ حرمه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات رواۃ کی طرف سے مدرج اور الحاقی ہیں۔ ان کلمات کو عبارت سے الگ کر لیا جائے تو متن روایت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اور مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ قابل اعتراض روایت کی تعبیر اپنے معنی کے لحاظ سے غیر واضح ہے اور ناقلین کے تصرف سے خالی نہیں۔ اسی بنا پر فاضل ہیثمی نے مجمع الزوائد میں یہ روایت ذکر کرتے وقت قابل اشکال کلمات کو حذف کر دیا اور آخر میں لکھا کہ وفى كلام معاوية شیء تركته[2]

③ درایت کے اعتبار سے

اس کے بعد ہم دوسرے طریقے سے اس مسئلے پر کلام کرنا چاہتے ہیں:

ایک بات تو یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کتاب اللہ کے حامل اور عامل تھے اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قائم کرنے والے اور فرمان نبوی پر عمل کرنے والے تھے۔ کتاب اللہ اور احادیث اس مضمون پر دال ہیں۔ بنا بریں صریح حکم شرعی کی خلاف ورزی کوئی صحابی بھی نہیں کرتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کے منصب پر فائز ہیں وہ حرام فعل کے کیسے مرتکب ہوئے اور انھوں نے

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴-۹۵ ج ۱۱ تحت ما ذکر من حدیث الامراء والدخول علیہم (طبع کراچی)

[2] مجمع الزوائد ص ۴۲ ج ۵ کتاب الاطعمہ

شرعی مسئلے کا کیسے خلاف کر دیا؟ حالانکہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حرمت خمر پر کئی روایات اور احادیث منقول ہیں مثلاً:

① ((عن يعلى بن شداد بن اوس سمعت معاوية يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول كل مسكر حرام على كل مؤمن))[1]

② ((عن معاوية رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من شرب الخمر فاضربوه وان عاد فاضربوه وان عاد فاضربوه فان عاد فاقتلوه))[2]

''ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سماعت کیا آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ دینے والی چیز ہر مومن پر حرام اور ناجائز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص شراب خوری کرے اس کو (حد) لگاؤ۔ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) لگاؤ۔ اور اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) مارو۔ (اور پھر چوتھی مرتبہ وعیداً اور تہدیداً فرمایا) کہ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو مار ڈالو۔''

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حرمت خمر کی روایات خود نقل کرنے والے ہیں اور نبی اقدس ﷺ سے شراب خوری کی وعیدیں خود سماعت کر چکے تھے اور کاتب نبوی اور منشی رہ چکے ہیں فلہٰذا یہ مسئلہ ان پر مخفی نہیں تھا اور انھوں نے ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہرگز عمل درآمد نہیں کیا۔ یہ تو ان کے مقام دیانت کے خلاف ہے۔

(۲) فقہی قواعد

① قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا کا جواب علمائے کرام اس قاعدے کے اعتبار سے بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ روایت جو مورد اعتراض ہے درست تسلیم کر لی جائے تو وہ فعلی ہے اور یہ ابن ماجہ و مسند احمد وغیرہ کی روایات قولی ہیں فلہٰذا قولی اور فعلی کے تعارض کی صورت میں قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

② نیز یہ روایات جو اَب ذکر کی گئی ہیں محرم ہیں اور قابل اعتراض روایت مبیح ہے۔ محرم اور مبیح روایات کے تقابل کی صورت میں محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱، ابواب الاشربہ باب کل مسکر حرام (طبع دہلی)

[2] مسند امام احمد ص ۹۷ ج ۴ تحت مسندات معاویہؓ
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان (نور الدین ہیثمی) ص ۳۶۴ باب ما جاء فی شارب الخمر
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۳۱۳ ج ۸ کتاب الاشربہ والحد فیہا۔

رفع اشتباہ

اگر کوئی ناواقف شخص یہ اعتراض کرے کہ راوی کا عمل جب اپنی مروی روایت کے خلاف پایا جائے تو وہ قواعد کے اعتبار سے قابل اعتراض اور لائق طعن ہے تو اس کے متعلق جواب یہ ہے کہ علمائے اصول حدیث و فقہ نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ

۱۔ ((وان کان قبل الروایة او لم یعرف تاریخه لم یکن جرحا)) [۱]

۲۔ ((قال فی التوضیح وان عمل بخلافه قبلها او لم یعلم التاریخ لا یجرح)) [۲]

''مطلب یہ ہے کہ اگر روایت کنندہ کا عمل روایت کرنے سے قبل اپنی مروی کے خلاف پایا گیا یا اس کے عمل کا قبل الروایت ہونا یا بعد الروایت ہونا متعین نہیں ہو سکا تو اس صورت میں یہ چیز راوی کے حق میں قابل طعن نہیں ہے۔''

۳۔ نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام اور اکابر ہاشمی حضرات مثلاً حسنین شریفین، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم وغیرہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے اور ان کے ہدایا اور وظائف قبول اور وصول کرتے تھے اور اس دور کی جہاد کی مساعی میں شامل رہتے تھے۔ [۳]

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شراب خوری کے مرتکب تھے تو ان حضرات نے کیوں منع نہیں کیا؟ اور ان کے ساتھ دینی و دنیوی تعلقات کیوں استوار رکھے؟ کیا یہ حضرات ایک گناہ اور ظلم پر تعاون کرتے رہے؟ اور ظلم پر تعاون کے مرتکب ہوئے؟ کیا یہ آیات ان کے پیش نظر نہیں تھیں:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

(۴) نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''ہادیاً مہدیاً'' کے الفاظ کے ساتھ دعا دے کر مشرف فرمایا ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں یقیناً منظور ہوئیں۔

اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب خوری کا اعتراض درست ہے تو وہ قوم کے لیے ''ہادی'' اور اپنے

۱۔ نور الانوار تحت بیان طعن یلحق الحدیث

۲۔ بذل المجہود شرح ابی داود ص ۸ ج ۲ بحث رفع الیدین

۳۔ مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۹۵ تا ۲۰۹ (مؤلف کتاب ہذا)

⑤ بالفرض اگر قابل اعتراض روایت مذکورہ کو کسی درجے میں تسلیم کرلیا جائے تو اس کا محمل اور مفہوم یہ ہوگا کہ وہ چیز جو ان حضرات نے نوش فرمائی وہ خمر نہیں تھا جو شرعاً حرام ہے اور ناجائز ہے بلکہ وہ اس دور میں ایک قسم کا مشروب تیار کیا جاتا تھا اور وہ مسکر نہیں ہوتا تھا اور بطور مقوی غذا کے بعض اوقات اس کو استعمال میں لاتے تھے اور راوی کی تعبیر نے اس چیز کو ایسے الفاظ میں نقل کیا ہے کہ جس سے اس کے حرام ہونے کا شبہ پیدا کرلیا گیا۔

نبیذ کا استعمال اکابرین امت کی نظر میں

مذکورہ مقوی غذا جو ہم نے ذکر کی ہے وہ نبیذ تھی[1] اور اس دور میں نبیذ تمر (کھجور) سے تیار کی جاتی تھی اور بعض اوقات منقیٰ اور شہد سے بھی بنائی جاتی تھی اور نبیذ شرعاً حلال تھی۔ اس دور میں اکابر حضرات اس کی حلت کی بنا پر ہی استعمال فرماتے تھے۔

فقہائے کرام نے شرب نبیذ کے واقعات میں حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ مقام ذیل ملاحظہ فرمائیں۔[2]

نیز اس مقام پر خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف اور حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق علماء نے ذکر کیا ہے:

① ایک شخص موسیٰ بن طریف اپنے والد سے نقل کرتا ہے (طریف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیت المال کا منشی تھا) وہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبیذ نوش فرمایا جو سبز رنگ کے مٹکے سے لیا گیا تھا۔

۱۔ ((عن موسیٰ بن طریف عن ابیه قال وکان علی بیت مال علی بن ابی طالب ان علیا شرب نبیذ جرة خضراء)) [3]

۲۔ اور علماء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے متعلق شرب نبیذ کا ذکر کیا ہے کہ وہ مٹکے سے نبیذ نوش فرمایا کرتے تھے۔

((عن منذر الثوری عن ابن الحنفیة انه کان یشرب نبیذ الدن)) [4]

② اسی طرح حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق مذکور ہے کہ خالد بن بسیط کہتے ہیں کہ ایک دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا اس میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بھی مدعو تھے پس ہم سب لوگوں نے کھانا کھایا اور اس

---

[1] قوله النبيذ: التمر ينبذ فى جرة الماء او غيرها اى يلقى فيها حتى يغلى وقد يكون من الزبيب والعسل (المغرب للمطرزی) ص۱۹۶ ج۲ تحت النبیذ طبع دکن۔

[2] المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۷ تا ۱۳ ج ۲۴ کتاب الاشربہ (طبع مصر)

[3] طبقات ابن سعد ص ۱۷۱ ج ۶ تحت طریف طبع لیڈن

[4] طبقات ابن سعد ص ۸۵ ج ۵ تحت محمد بن حنفیہ طبع لیڈن

کے بعد پینے کے لیے نبیذ لایا گیا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے نوش کیا اور ہم نے بھی پیا۔

((حدثنا ابو العریان خالد بن بسیط قال دعینا الی دعوۃ فیھا الحسن البصری فاکلنا فاتی بنبیذ فشرب الحسن وشربنا))[1]

(۴) نیز قدیم مورخ ومحدث یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا ہے یہ بھی اس مسئلے کی وضاحت کے لیے بڑا بین ثبوت ہے:

((سمعت یحیی (بن معین) یقول سمعت یعقوب بن ابراھیم بن سعد عن ابیہ قال اخبرنی من رأی بریدۃ بن سفیان یشرب الخمر فی طریق الری۔ قال یحیی وقد روی محمد بن اسحق عن بریدۃ بن سفیان ھذا۔ قال ابو الفضل: اھل المدینۃ ومکۃ یسمون النبیذ خمرا والذی عندنا انہ رأی بریدۃ یشرب نبیذا فی طریق الری فقال رأیتہ یشرب خمرا))[2]

''یعنی یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یعقوب بن ابراہیم سے سنا وہ اپنے والد سے ذکر کرتے تھے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے بریدہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کو طریق الری میں خمر پیتے ہوئے دیکھا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے بریدہ بن سفیان سے اس چیز کو روایت کیا۔ اور ابو الفضل کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ نبیذ پر خمر کا اطلاق کرتے تھے اور نبیذ کو خمر کہہ دیتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کو جو طریق الری میں نبیذ پیتے دیکھا گیا ہے اسی کو دیکھنے والے نے خمر کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔''

حاصل یہ ہے کہ اس دور میں نبیذ پر خمر کا اطلاق ہوتا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ واقعات مذکورہ بالا کے ذریعے سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ طعام کے بعد بعض اوقات بعض مقوی مشروب استعمال کیے جاتے تھے جن میں سے ایک نبیذ ہے جو شرعاً حلال اور جائز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق جو واقعہ معترضین پیش کرتے ہیں اس میں بھی مشروب اسی نوعیت کا تھا جو شرعاً جائز تھا۔ شراب نوشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طعن کا مورد صرف عناد کی بنا پر قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] کتاب الکنی دولابی ص ۳۰ ج ۲ تحت کنیت ابو العریان طبع حیدر آباد دکن۔

[2] تاریخ یحییٰ بن معین ص ۰۷ ج ۳ المتوفی ۲۳۳ھ طبع ام القریٰ مکہ مکرمہ
تاریخ یحییٰ بن معین ص ۳۹۶ ج ۳ تحت روایت نمبر ۱۹۲۳ طبع ام القریٰ مکہ مکرمہ

اسم معاویہ پر طعن پھر اس کا جواب

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ''معاویہ'' کے معنی آواز کرنے والی سگ مادہ کے ہیں۔ اس کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے شبہ بالا رفع ہو جاتا ہے:

① سب سے پہلے اس کے لغوی معنی اور مادہ کے اعتبار سے بعض چیزیں پیش کی جاتی ہیں اس کے بعد دیگر امور پیش خدمت ہوں گے۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ ''معاویہ'' اگر معروف بلام ہو تو اس کا معنی ''سگ مادہ آواز کنندہ'' (بھونکنے والی کتیا) کے ہیں اور بغیر الف لام کے لوگوں کے نام کے طور پر مستعمل ہے جیسے معاویہ بن ابی سفیان اور اس کو اصطلاح لغت میں ''اسم منقول عنہ'' کہتے ہیں۔[1] صاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ نے اسی مقام پر اسی مادہ (عوی) سے ایک محاورہ دعاواهم ای صایحهم (یعنی اس شخص نے لوگوں کو آواز دی) بھی ذکر کیا ہے۔[2] اس محاورہ کے اعتبار سے ''معاویہ'' کا معنی ''لوگوں کو آواز دینے والا'' بھی درست ہے۔

یاد رہے کہ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیدا کرے کہ اسم ''معاویہ'' میں ''ۃ'' تانیث ہے تو مذکورہ بالا محاورہ اس میں کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ تو اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے یہ پیش کر دینا کافی ہے کہ رجال کے اسماء اور اعلام میں بعض دفعہ ''ۃ'' تانیث کے لیے نہیں ہوتی جیسے "یا ساریة الجبل" میں اسم ''ساریہ'' ایک معروف شخص کا مشہور نام ہے۔ اس طرح طلحہ، عکرمہ وغیرہ بھی اعلام واسماء الرجال مذکر ہیں اور ان میں ''ۃ'' پائی جاتی ہے جو کسی طرح بھی تانیث پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح اسم "معاویة" میں ''ۃ'' تانیث کے لیے نہیں ہے۔

نیز اہل لغت کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اسماء اور اعلام میں ان اسماء کے اصل مادہ کا لغوی معنی مراد نہیں

---

[1] القاموس ص ۱۸۹٦ طبع قدیم تحت مادہ عوی
تاج العروس ۲۵۹--۲٦۰ ج ۱۰ طبع بیروت تحت مادہ عوی۔

[2] القاموس ص ۱۸۹٦ طبع قدیم تحت عوی

لیا جاتا اور علم بن جانے کی صورت میں لغوی معنی اور اس کا اصل مفہوم متروک ہو جاتا ہے مثلاً عباس اور جعفر جب کہ علم (اسماء) ہوں تو ان کے لغوی معنی اور مفہوم مراد نہیں لیے جاتے۔ کیونکہ ''عبوسیت'' کا لغوی معنی ''برا منہ بنانا'' اور تیوری چڑھانا ہے اور اسی طرح ''جعفر'' کا لغوی معنی ''شتر'' بھی ہے جب کہ عباس اور جعفر اکابر بنی ہاشم حضرات کے اسماء ہیں اور ان کا لغوی معنی و مفہوم کبھی مراد نہیں لیا جاتا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسب شریف میں یعنی ساتویں پشت میں ایک نام کلاب ہے جو مرہ کا بیٹا ہے، وہاں بھی لغوی معنی مراد نہیں بلکہ وہ مفہوم متروک ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے نام میں لغوی معنی و مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔

اعلام (اسماء) میں طریق کار نبوی

مزید گزارش یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ قبیح اسماء کو تبدیل فرما دیا کرتے تھے چنانچہ وہ اسماء جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرمائے ان میں سے چند ایک بطور نمونہ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

① ایک لڑکی یعنی (بنت عمر بن خطاب) کا نام ''عاصیہ'' تھا اس کا نام آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کرتے ہوئے فرمایا "انت جمیلة"

② ایک لڑکی کا نام ''برہ'' تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا نام ''زینب'' رکھو "سموھا زینب"

③ ایک شخص سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا ''حزن''۔ آپ نے فرمایا "انت سھل"

④ محدثین نے ذکر کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''العاص'' کا نام تبدیل فرما دیا تھا۔ اسی طرح عتلہ، شیطان اور غراب وغیرہم جیسے متعدد اسماء تبدیل فرمائے۔

⑤ ایک شخص عبد شر جناب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جنابؐ نے ارشاد فرمایا تیرا نام عبد خیر ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ اگر معاویہ نام قبیح تھا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حسب دستور اس کو تبدیل فرما دیتے لیکن اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ یہ چیز اس کے صحیح ہونے کی تائید ہے اور اس کو محدثین کی اصطلاح میں تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

''معاویہ'' نام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

نیز نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام ''معاویہ'' تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] ابوداؤد شریف ص ۳۲۹ ج ۲ کتاب الادب باب فی تغیر الاسم القبیح، طبع دہلی

اپنی زبان مبارک پر اسی اسم کو استعمال فرمایا اور اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ لہٰذا آنجناب ﷺ کا ان اصحاب کے نام ''معاویہ'' کو تبدیل نہ فرمانا صحت اسم کی قوی دلیل ہے۔ ذیل میں بطور مثال چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے اسمائے گرامی ''معاویہ'' تھے:

① معاویہ بن ثور بن عبادہ بن بکاء العامری البکائی۔

② معاویہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔[1]

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الاصابہ میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''معاویہ'' کے نام سے ذکر کیے ہیں۔ اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے تجرید اسماء الصحابہ میں بہت سی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ''معاویہ'' نام سے ذکر کی ہے۔[2]

صاحب ''تاج العروس'' نے لکھا ہے کہ ''معاویہ'' نام کے سترہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ پائے جاتے تھے۔

((والمسمى بمعاوية سواه من الصحابة سبعة عشر رجلا)) [3]

بصورت الزام شیعہ حضرات کی کتب میں ''معاویہ'' بطور اسماء الرجال

① معاویہ صحابی رسول

معاوية بن الحكم اسلمى عده الشيخ فى رجاله من اصحاب رسول الله ﷺ

② معاویہ شاگرد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ

معاوية بن صعصعة ابن اخى لاحنف: عده الشيخ فى رجاله من اصحاب امير المومنين

③ معاویہ ہاشمی حضرات میں

معاوية بن عبدالله بن جعفر الطيار: ذاك ولد بعد وفات امير المومنين [4]

④ معاویہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے شاگردوں میں

① معاوية بن سعيد الكندى الكوفى: عده الشيخ فى رجاله تارة مثل ما فى

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۰ ج ۳ تحت اسمہ معاویہ

[2] تجرید اسماء الصحابہ ص ۸۹، ۹۰ ج ۲ تحت اسماء معاویہ

[3] تاریخ العروس (زبیدی) ص ۲۵۹، ۲۶۰ ج ۱۰ تحت مادہ عوی

[4] عمدۃ الطالب ص ۳۸ تحت عقب جعفر طیار

تنقیح المقال (مامقانی) ص ۲۲۲ ج ۳ تحت باب معاویہ

العنوان فی اصحاب الصادق

② معاویة بن سلمة النضری: عده الشیخ من رجال الصادق[1]

مندرجہ بالا مقامات پر معاویہ کا نام مستعمل ہے اور اس پر کسی قسم کا طعن معترضین نہیں کیا کرتے تو امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے اس حکمت عملی کی وجہ کیا ہے؟

ایک لطیفہ

ناظرین کرام نے مذکورہ بالا اسماء کو شیعہ کتب سے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے ایک فرزند کا نام معاویہ تھا۔ یہاں ہم ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لیے ایک لطیفہ پیش کرتے ہیں جو شیعہ کے اکابر علماء نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کتاب عمدۃ الطالب میں جمال الدین ابن عنبہ شیعی ذکر کرتے ہیں کہ

((فولد عبدالله عشرين ذكرا وقيل اربعة وعشرين منهم معاوية بن عبدالله كان وصى أبيه وانما سمى معاوية لان معاوية بن ابى سفيان طلب منه ذالك۔ فبذل له مائة الف درهم وقيل الف الف))[2]

''یعنی عبداللہ کے بیس یا چوبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام معاویہ بن عبداللہ تھا اور وہ اپنے باپ کے ''وصی'' تھے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان نے عبداللہ بن جعفر کو ایک لاکھ درہم اور بقول بعض دس لاکھ درہم دیے تاکہ وہ اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھے۔''

(فلہٰذا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا۔)

مندرجہ بالا روایت کی روشنی میں اکابر شیعہ کے نزدیک آل ابی طالب حضرات کی یہی کچھ حیثیت ہے کہ وہ چند دراہم لے کر اپنی اولاد کے اسماء اپنے دشمنوں کے نام کے مطابق رکھ دیتے تھے (سبحان اللہ)

یہ چیز واضح طور پر ہاشمی حضرات کی کردار کشی ہے جو شیعہ کے اکابر علماء نے بڑے عجیب طریقے سے درج کر دی ہے مگر یہ چیز ہمارے نزدیک ہرگز صحیح نہیں۔

علمائے انساب کے نزدیک

علمائے انساب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ کا نکاح اور شادی مروان بن حکم کے لڑکے معاویہ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ عبارات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

① ((وتزوج (معاوية بن مروان بن الحكم) رملة بنت على بن ابى طالب بعد

---

[1] تنقیح المقال (مامقانی) ص ٢٢٣-٢٢٤ ج ٣ تحت باب معاویہ

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ٣٨ تحت عقب جعفر طیار طبع ثانی نجف

ابی الهیاج عبدالله بن أبی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب))[1]

② رملہ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا ابو ہیاج کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد

((ثم خلف علیها معاویة بن مروان بن الحکم بن ابی العاص))[2]

مذکورہ بالا ہر دو حوالہ جات سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ کا معاویہ بن مروان کے نکاح میں ہونا بین طور پر ثابت ہے۔ فلہٰذا معاویہ کا نام قابل طعن و تشنیع نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ائمہ کرام کی اولاد، رشتہ داروں، تلامذہ اور خدام وغیرہ میں معاویہ کا نام مروج و مستعمل اور متداول ہے۔ ان حقائق کے بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے نام پر اعتراض و طعن قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ انصاف درکار ہے۔

---

۱ جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم) ص ۸۷ تحت اولاد حکم بن ابی العاص

۲ نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۴۵ تحت ولد علی بن ابی طالب۔

عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن تجویز کرنے والے دوستوں کی طرف سے یہ چیز بڑے آب و تاب سے پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح دستیاب نہیں ہوتی۔ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو اسلام میں کوئی صحیح اہمیت نہیں اور نہ ان کے حق میں زبان نبوت سے کوئی شرف منقول ہے۔

ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب، شرف و مدائح، کردار و اخلاق اور اسلامی خدمات وغیرہ کے متعلق ان شاء اللہ تعالیٰ ایک مستقل تصنیف زیر تالیف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو وہاں حتی المقدور ان مسائل کو بیان کرنے کا قصد ہے۔ اب سردست اس مقام پر چند ایک فضائل و مناقب اختصاراً و اجمالاً پیش خدمت ہیں جو بطور نمونہ ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان سے مندرجہ بالا عدم صحت فضیلت کے شبہ کا ازالہ ہو سکے گا اور ان پر توجہ فرما لینے سے مسئلہ ہٰذا واضح ہو جائے گا۔ اور مزید اشیاء بھی جو اس مقام کے متعلق ہیں وہ بھی پیش کی جاتی ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرما دیں۔

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اثبات فضیلت کے لیے پہلے یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قبل از فتح مکہ اور بقول بعض فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ان کا اسلام لاناسید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبول ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اظهرت اسلامی فجئته فرحب لی[1] یعنی میں اسلام لایا پس آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں ''مرحبا'' کا کلمہ ارشاد فرمایا۔

نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس میں بہت سے اہم امور میں شریک رہے اور متعدد مناصب اور اعزازات کے شرف سے مشرف ہوئے مثلاً:

ا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے

---

[1] البدایہ ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ

مواقع نصیب ہوئے۔ یہ ان کے قبول اسلام کی بہت بڑی علامت ہے اور نشر اسلام کے لیے واضح مساعی ہیں۔ اس کی تفصیلات اپنے مقام پر پائی جاتی ہیں مثلاً غزوہ حنین و طائف میں شمولیت و شرکت کرنا۔ ان کے اعادہ کا یہ موقع نہیں ہے کیونکہ یہ چیز مسلمات میں سے ہے۔

۲۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو ''کاتبین نبویؐ'' میں شامل کیا گیا اور عہدہ کتابت وحی و غیر وحی کی اہم ذمہ داری دربار نبوت سے ان کو نصیب ہوئی۔ جیسا کہ علمائے کرام نے اس مسئلے کو اپنی جگہ پر وضاحت سے درج کیا ہے[1] اور ہم نے اس مسئلے کی تفصیل بقدر ضرورت اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۳۶-۱۳۷ پر ذکر دی ہے۔ رجوع فرما کر تسلی کی جا سکتی ہے۔

۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض انتظامی امور پر بھی مامور فرما کر روانہ فرمایا کرتے تھے مثلاً وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ یمن کے ایک مقام حضر موت میں اراضی کا ایک قطعہ عنایت فرمانے کا قصد فرمایا تو اس اہم کام کے لیے آنجناب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ آپ وہاں پہنچ کر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو اراضی کا مناسب قطعہ سپرد کر دیں۔

یہ خصوصی اعتماد اور وثوق کی علامت ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی امور میں طبعی صلاحیت کا واضح ثبوت ہے اور ان کے حق میں بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

((فبعث رسول الله ﷺ معی معاوية بن ابی سفيان قال وأمره أن يعطينی ارضا فيدفعها الی))[2]

۴۔ نسبی روابط

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کے ساتھ نسبی روابط ہیں جو

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۴ ج ا تحت تسمیۃ من کتب لہ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ باب معاویہ
زاد المعاد (ابن قیم) ص ۳۰ ج ا فصل فی کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم (طبع قدیم)
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۸۰ ج ۲ تحت کتاب النبی

[2] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۷۵-۱۷۶ ج ۴ قسم ثانی تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
صحیح ابن حبان ص ۱۶۶، ۱۶۷ ج ۹، ۱۰ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۴۲۵ ج ۳ باب الواؤ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
مشکوۃ شریف ص ۲۵۹ الفصل الثانی باب احیاء الموات الشرب (بحوالہ ترمذی و دارمی)
مزید حوالہ جات مسئلہ اقربا نوازی ص ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمات میں سے ہیں مثلاً:

(الف) جناب نبی اقدس ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا (جن کا اسم گرامی رملہ ہے) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر اور ہمشیر ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم ﷺ سے برادر نسبتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔[1]

(ب) علمائے انساب نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سردار دو جہاں ﷺ کے ''ہم زلف'' (سانڈھو) بھی ہیں۔ کیونکہ جناب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیر جن کا نام ''قریبۃ الصغریٰ'' ہے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[2]

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ مزید رشتہ داریاں بھی ہیں جن کو ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۲۶-۱۲۷ کے تحت درج کر دیا ہے اور کتب انساب سے حوالہ جات ساتھ ذکر کر دیے ہیں۔

مذکورہ بالا چند ایک امور فضیلت نمونہ کے طور پر ذکر کر دیے ہیں۔ تمام فضائل کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں۔

② فضیلت کی صحیح روایت کے فقدان کا جواب

بعض اہل علم کی طرف سے کتابوں میں یہ قول دستیاب ہے کہ لم یصح فی فضل معاویۃ شیء اور عدم فضیلت کے طعن کا مدار اس نوع کے اقوال پر ہے۔ یہ قول بعض اہل علم کا ہے۔ نہ فرمان نبوی ہے نہ صحابہ کا فرمان ہے نہ تابعی کا نہ جمہور علمائے امت کا یہ بیان ہے بلکہ یہ اس عالم کا اپنا ذاتی خیال ہے۔ اور شاذ قول کے درجہ میں ہے اس وضاحت کے بعد اس مسئلے کے متعلق علمائے کرام نے جو چیزیں ذکر کی ہیں ذیل میں ایک ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ مندرجہ بالا اشیاء جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ان میں سے ہر ایک مستقل فضیلت کا باب ہے۔ اگر بالفرض فضیلت کی کوئی دیگر روایت صحیح دستیاب نہ بھی ہو تب بھی مذکورہ اشیاء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف کے اثبات میں اور ان کے اعزاز یافتہ ہونے میں کسی طرح کم نہیں۔ تاہم مندرجہ بالا قول عدم صحت فضیلت کے جواب میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قائل کی ''عدم صحت روایت'' سے کیا مراد ہے؟

اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیونکہ متعدد روایات جو درجہ حسن میں ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں

---

[1] مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۲۶-۱۲۷ پر حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

[2] مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۲۷ بحوالہ کتاب المحبر ص ۱۰۲ طبع دکن۔

اگرچہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجے سے کم ہے۔ اور جو روایات درجہ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم شدہ ہے۔ فلہٰذا حسان روایات کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں پایا جانا عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

((فان اريد بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بين المحدثين فلا ضير فان فسحتها ضيقة وعامة الأحكام والفضائل انما تثبت بالاحاديث الحسان لعزة الصحاح ولا ينحط ما في المسند والسنن عن درجة الحسن))[1]

اور کبار علماء نے متعدد روایات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں درج کی ہیں جن کو درجہ حسن میں شمار کیا جاتا ہے مثلاً:

۱۔ ((يقول (عرباض بن سارية السلمى رضي الله عنه) سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب))[2]

''یعنی عرباض بن ساریہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کے حق میں فرماتے تھے کہ اے اللہ! اس کو حساب و کتاب کا علم عنایت فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔''

۲۔ ((عبدالرحمن بن عميرة المزنى رضي الله عنه يقول: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول فى معاوية بن ابى سفيان: اللّٰهم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به)) قال الترمذى حديث حسن غريب۔[3]

۱۔ الناہیہ عن ذم معاویہ ص۳۴ فصل فی الاجوبہ عن مطاعنہ (عبدالعزیز پرہاروی) طبع ملتان

۲۔ فضائل الصحابہ (امام احمد) ص۹۱۳-۹۱۴ ج۲ تحت فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند امام احمد ص۱۲۷ ج۴ تحت مسندات عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ
صحیح ابن حبان ص۱۶۹-۱۷۰ ج۹ تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
موارد الظمان، نور الدین ہیثمی ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص۳۴۵ ج۲
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص۳۵۶ ج۹ باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳۔ التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص۳۲۷ ج۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ص۹۱۳-۹۱۴ ج۲ تحت فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ
موارد الظمآن (نور الدین ہیثمی) ص۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
مشکوٰۃ شریف ص۵۷۹ بحوالہ ترمذی شریف باب جامع المناقب الفصل الثانی
ترمذی شریف ص۵۴۷ ابواب المناقب، تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع لکھنؤ (قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب)

''یعنی عبدالرحمٰن بن عمیرہ مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں ارشاد فرماتے سنا: اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور ہدایت یافتہ فرما، اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت فرما۔''

۳۔ ((عن أبی ادریس الخولانی عن عمیر بن سعد قال: لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اللهم اهده))[۱]

''یعنی عمیر بن سعد خولانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا تذکرہ خیر وخوبی کے بغیر مت کرو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا اے اللہ! انھیں ہدایت عطا فرما۔''

یہ چند ایک روایات ہم نے پیش کی ہیں جو علماء کے نزدیک درجہ حسن سے کم نہیں اور علمائے کرام اس طرح بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایات حسن لغیرہ کے درجے کی ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو حسن غریب سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم ہے کہ ''درجہ حسن'' کی روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور اس سے احکام شرعی ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ فلہذا مذکورہ بالا روایات کی موجودگی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق صحت روایت کے فقدان کا قول کرنا درست نہیں۔

③ تائیدات

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ بلدہ دمشق میں تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما روایت فضیلت کی عدم صحت کا جواب ذکر کرتے ہوئے درج ذیل قول کیا ہے:

((واصح ما روی فی فضل معاویة حدیث أبی حمزة عن ابن عباس رضی الله عنهما انه کان کاتب النبی صلی الله علیه وسلم فقد اخرجه مسلم فی صحیحه وبعده حدیث العرباض "اللهم علمه الکتاب والحساب" وبعده حدیث ابن ابی عمیرة "اللهم اجعله هادیا مهدیا"))[۲]

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی مندرجہ بالا قول نقل کیا ہے جو حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کے قول کی من وعن

---

۱ التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع حیدرآباد دکن۔
جامع الترمذی ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ بلدہ دمشق ص ۶۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (عکسی قلمی)

۲ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوط عکس شدہ ص ۶۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

تائید ہے۔

((وقال السيوطى الشافعى اصح ما ورد فى فضل معاوية حديث ابن عباس رضی اللہ عنہما انه كاتب النبى صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجه مسلم فى صحيحه وبعده حديث العرباض رضی اللہ عنہ "اللهم علمه الكتابة" وبعده حديث ابن ابى عميرة رضی اللہ عنہ "اللهم اجعله هاديا مهديا"))[1]

مندرجہ بالا تائیدات کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب نبوی ہونے کی فضیلت کو، جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے، علمائے کرام "اصح" چیز فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ علماء کے نزدیک فضیلت کتابت نبوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح تر فضیلت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے فلہذا ان کی فضیلت کی عدم صحت کا قول کرنا اپنی جگہ پر درست نہیں۔

اور جو روایات اس سے کم درجے کی ہیں ان کے حق میں اکابر علماء "حسن" ہونے کا حکم درجہ بدرجہ لگا رہے ہیں فلہذا یہ بھی اپنے مقام پر مقبول اور لائق اعتماد ہیں اور قابل حجت ہیں اور مردود نہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ حسن روایات سے شرعی مسائل اور فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں فلہذا ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اثبات بلاشبہ درست ہے۔

مزید تائید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق جہاں دیگر چیزیں دستیاب ہیں وہاں ایک اور بہترین فضیلت صحیح روایات میں پائی جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر میں پہلے جہاد کرنے والے جیش (لشکر) کے متعلق جنت کی خوشخبری ذکر فرمائی اور اس لشکر کے امیر اور سپہ سالار خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ اس پیش گوئی کا مختصر واقعہ صحیح بخاری میں اس طرح ہے:

((ان عمير بن اسود العنسى حدثه انه اتى عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ وهو نازل فى ساحل حمص وهو فى بناء له ومعه ام حرام قال عمير فحدثتنا ام حرام رضی اللہ عنہا انها سمعت النبى صلی اللہ علیہ وسلم يقول: اول جيش من امتى يغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت: ام حرام قلت يا رسول الله! انا فيهم؟ قال انت فيهم۔ قالت: ثم قال النبى صلی اللہ علیہ وسلم اول جيش من امتى يغزون مدينة القيصر مغفور لهم۔

[1] تنزیہ الشریعہ (ابن عراق کنانی) ص ۸ ج ۲ تحت باب فی طائفۃ من الصحابہ۔ الفصل الاول
ذیل اللالی (سیوطی) ص ۵۷ کتاب المناقب مطبع علوی لکھنؤ طبع قدیم۔

فقلت: انا فیھم یا رسول اللہ؟ قال: لا))[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ حمص کے ساحل پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر فروکش تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں۔ اس موقع پر جناب ام حرام رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کیا (کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں میرے مکان پر تشریف فرما تھے، خواب سے بیدار ہوئے) تو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحر میں جہاد اور غزا کرے گا اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے (یعنی انھوں نے ایسا عمل کیا ہے جس سے ان کو جنت ملے گی)۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں۔ جناب نے ارشاد فرمایا کہ تم ان میں داخل ہو۔ پھر دوسری بار جناب نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے اول جیش جو مدینہ قیصر پر غزا اور جہاد کرے گا ان کے لیے مغفرت ہے۔ پھر میں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں ان میں داخل ہوں؟ فرمایا کہ نہیں (بلکہ تم پہلے جیش میں ہو)۔''

محدثین کے نزدیک یہ ایک مسلم امر ہے کہ پہلی بار بحری غزوہ جو ۲۷ھ میں پیش آیا تھا اور جس کو غزوہ قبرص کہتے ہیں اس میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ ام حرام رضی اللہ عنہا شامل تھیں۔ اس بحری غزوہ کے امیر جیش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ نامی ان کے ہمراہ تھیں۔ اس جیش کے حق میں زبان نبوت سے مژدۂ جنت ثابت ہے۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس عالم فانی میں جنت کی خوشخبری اور وہ بھی زبان نبوت سے، یہ ایک نہایت سعادت مندی ہے پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عدم فضیلت کا قول کسی طرح درست نہیں۔

مذکورہ بالا فضیلت کی صحت میں کوئی اشتباہ نہیں محدثین کے نزدیک یہ بالکل صحیح ہے۔ اور کوئی شخص اگر تعصب کی بنا پر اس کی صحت کا انکار کر دے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تحاسد اور تعاند کرنا (یعنی حسد اور عناد رکھنا) آخرت میں نقصان دہ ثابت ہوگا۔ ارشاد نبوت ہے کہ

((لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا))

''یعنی اے ایماندارو! آپس میں حسد مت رکھو! باہم بغض مت کرو! ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو! اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو کر رہو۔''

④ بصورت دیگر

اکابر علمائے کرام نے محدثین کی ''مصطلحات'' کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو محدثین کا

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۴۰۹-۴۱۰ کتاب الجہاد تحت باب ما قیل فی قتال الروم۔

قول "لا یصح ، ولا ثبت ھذا الحدیث" کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ روایت "موضوع" ہے یا "ضعیف" ہے ان لوگوں سے یہ قول محدثین کی مصطلحات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں کہ

((کثیرا ما یقولون ما لا یصح ولا یثبت ھذا الحدیث۔ ویظن منه من لا علم له انه موضوع أو ضعیف وھو مبنی علی جھله بمصطلحاتھم وعدم وقوفه علی مصر حاتھم))[1]

چنانچہ اس کی چند ایک تمثیلات اہل علم کے لیے یہاں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اس مسئلے میں اطمینان خاطر کا باعث ہوسکیں:

۱۔ ((قال الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیث الاذکار المسمی "بنتائج الافکار" ثبت عن احمد بن حنبل انه قال لا اعلم فی التسمیة ای فی الوضوء حدیثا ثابتا۔ قلت: لا یلزم من نفی العلم ثبوت العدم، وعلی التنزل: لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف، لاحتمال ان یراد بالثبوت الصحة فلا ینتفی الحسن))[2]

اور ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ میں لکھا ہے کہ

۲۔ ((وقول الامام احمد "لا یصح" لا یلزم منه ان یکون باطلا کما فھمه ابن القیم فقد یکون الحدیث غیر صحیح وھو صالح للاحتجاج به بان یکون حسنا والله تعالیٰ أعلم))[3]

۳۔ ((وقال نور الدین السمھودی فی "جواھر العقدین فی فضل الشرفین" قلت لا یلزم من قول احمد فی حدیث التوسعة علی العیال یوم عاشوراء لا یصح ان یکون باطلا فقد یکون غیر صحیح وھو صالح للاحتجاج به إذا الحسن رتبته بین الصحیح والضعیف انتھی))[4]

---

[1] کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ) ص ۸٦ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر ٦۔

[2] کتاب الرفع والتکمیل (مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی) ص ۸٦ تحت ایقاظ نمبر ٦ طبع حلب

[3] تنزیہ الشریعة المرفوعة (ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی) ص ۱۵۸ ج ۲ فصل ثانی حدیث عاشورہ
موضوعات کبیر (ملا علی قاری ہروی حنفی) ص ۱۰۵ تحت فصل ومنھا الاکتحال یوم عاشورہ (طبع دہلی)

[4] کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (مولانا محمد عبدالحی لکھنوی) ص ۸۷ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر ٦
الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة (مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی) ص ۹۴، ۹۵ ج طبع لاہور تحت حدیث فضل یوم عاشورہ۔

مطلب یہ ہے کہ قولہ لا یصح کے مفہوم کو کبار علمائے حدیث حافظ ابن حجر، ابن عراق، مولانا نور الدین ہیثمی، مولانا عبدالحئی لکھنوی وغیرہم رحمہم اللہ نے واضح کر دیا ہے جس میں اشتباہ باقی نہیں رہا۔ یعنی اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی روایت کے متعلق "عدم صحت" کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں، اس سے واقع میں مقبول روایت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ یعنی عدم صحت کا قول صحت عدم کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اثبات فضیلت ہذا میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں اور قابل احتجاج ہیں۔ ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرف اور فضیلت بہتر طریق سے ثابت ہے اور جمہور علمائے امت اس کو صحیح قرار دیتے ہیں اور درست تسلیم کرتے ہیں۔

بالفرض اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں تو بھی یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں مرویات بقول معترض ضعیف ہیں تو عندالمحدثین ایک قاعدہ جاری ہے اس کے پیش نظر ضعیف چیز اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو تو وہ بھی ایک دوسرے کی موید ہو کر تقویت کا فائدہ بخشتی ہے۔

چنانچہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے جس کو بعد والے علماء اپنی اپنی عبارت میں ذکر کیا کرتے ہیں۔ فی الحال یہاں اس کے لیے دو حوالہ جات علامہ سخاوی و کنانی رحمہما اللہ کی عبارات میں پیش کیے جاتے ہیں:

① ((قال (البیهقی) ان اسانیده کلها ضعیفة ولکن اذا ضم بعضها الی بعض افاد قوة))[1]

② ((وقال (البیهقی) فیهما وفی حدیث أبی هریرة وابن مسعود (رضی اللہ عنہما) اسانیدها ضعیفة ولکنها اذا ضم بعضها الی بعض اخذت قوة انتهی))[2]

قاعدہ ہذا کی رو سے یہ چیز واضح ہو گئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فضائل کی مرویات میں اگر ضعف بھی پایا جائے تو بھی تعدد مرویات کی وجہ سے قابل قبول ہیں اور ان کے اثبات شرف میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں صحت مرویات کی نفی کرنے پر زور دیا ہے ان کی وہ چیز تحقیق کے برخلاف ہے اور مرجوح ہے۔ غایت سے غایت اگر نفی فضیلت کے قول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے حقیقی طور پر نفی مراد نہیں بلکہ اضافی طور پر یہ نفی مراد ہے۔ یعنی بہ نسبت اکابر صحابہ کرام خلفائے راشدین وغیرہم کے فضائل کثیرہ کے ان کے فضائل کم پائے جاتے ہیں۔

۱۔ المقاصد الحسنہ (شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ) ص ۴۳۱ تحت حدیث من وسع علی عیالہ فی یوم عاشورہ۔

۲۔ تنزیہ الشریعہ (محمد بن عراق کنانی ۹۶۳ھ) ص ۱۵۷ ج ۲ تحت حدیث من وسع علی عیالہ ..... الخ

ایک تنبیہ

بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص وعیب کے طور پر یہ چیز ذکر کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کے کتاب المناقب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مرویات کو ''باب ذکر معاویہ'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے، ''باب مناقب معاویہ'' کا عنوان تجویز نہیں کیا۔ فلہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس شبہ کا جواب عند العلماء وہ چیز ہے جو مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے اپنے مختصر سے رسالے ''الناہیہ عن طعن معاویہ'' میں ذکر کی ہے:

((واما الجواب عما فعله البخاری فانه تفنن فی الکلام فانه فعل کذا فی اسامة بن زید و عبدالله بن سلام و جبیر بن مطعم فذکر لهم فضائل جلیلة معنونة بالذکر))[1]

''یعنی جو طریقہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے وہ تفنن فی الکلام کے درجے میں ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسامہ بن زید، عبداللہ بن سلام اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کے ابواب میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے ان کے فضائل جلیلہ ذکر کیے ہیں اور عنوان باب ذکر فلاں (اسامہ بن زید وغیرہ) قائم کیا ہے۔''

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب بخاری شریف کے کتاب المناقب میں باب ذکر عباس بن عبدالمطلب اور باب ذکر عبداللہ بن عباس اور باب ذکر حذیفہ بن یمان کے عنوان سے تحریر کیے ہیں۔ حالانکہ ان حضرات کے عمدہ فضائل موجود ہیں۔ ان تمام حضرات کے حق میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ طریق تحریر تفنن فی الکلام کے طور پر ہی ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کی کمی کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب ذکر معاویہ'' کے عنوان سے جو ذکر کیا ہے وہ عدم فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ محض تفنن عبارت کے طور پر ہے جو بلغاء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

---

[1] الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۳۴ تحت فصل فی الاجوبہ عن مطاعنہ، طبع ملتان از مولانا عبدالعزیز پرہاروی

ازالہ شبہات

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی بعض عبارات کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو جمہور علمائے اہل سنت متقدمین اور متاخرین مثلاً حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی، ابن العربی، امام ربانی، ملا علی قاری اور ابن حجر مکی وغیرہ حضرات رحمہم اللہ نے اپنے اپنے دور میں جس طرح بیان کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب کو پیش کیا ہے وہ طریق صحیح اور درست ہے اور ان کے مقابلے میں اگر کسی بزرگ کی بعض مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں جن سے تنقیص شان کا پہلو نکلتا ہو تو وہ متروک اور مرجوح قرار دی جائیں گی۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و منصب بعد والے حضرات کے مرتبہ سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع ہے اور کم درجے والے شخص کو اپنے سے فائق شخصیت پر کلام کرنا مناسب نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ کی بعض عبارات ایسی پائی جاتی ہیں جن سے معترض لوگ کئی قسم کے اعتراضات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان کرنے اور ان کی خلافت و امارت کو ناحق قرار دینے کے لیے پیش کرتے ہیں مثلاً:

① ایک مقام پر لکھا ہے کہ ولیس هذا باول قارورة کسرت فی الاسلام۔

② ایک دیگر مقام پر مذکور ہے کہ

"بعضے جانب داران معاویہ بن ابی سفیان ایں لفظ را تاویل میکند و گویند مرادش ایں بود کہ چرا با حضرت علی مرتضیٰ درشتی درکلام نمے کنی و نمے فہمانی کہ دست از حمایت قاتلان عثمان بردارد۔"

③ ایک اور مقام پر درج ہے کہ

"ایں حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ و قرشیہ کہ بجناب ذی النورین داشت نبودہ است۔"

④ نیز ایک اور مقام پر مذکور ہے کہ

"محققین اہل سنت از اطلاق لفظ "خلیفہ" ہم تحاشی میکردند چنانکہ در حدیث صحیح (الخلافة بعدی ثلاثون سنة) و بالجملہ نزد اہل سنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلاشبہ تا سی سال امتداد یافت۔ بعد

حضرت امام حسنؓ کہ پانزدہم ماہ جمادی الاولی درسنہ چہل و یک بوقوع آمد انقطاع پذیر رفت۔''

⑤ ایک دوسرے مقام پر محاربین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کلمات یوں ذکر کیے ہیں کہ

''ومحاربت با ایشان از راہ شامت نفس وحب جاہ از راہ تاویل باطل وشبہ فاسد فسق عملی یا فسق اعتقادی است نہ کفر......الخ''

مذکورہ بالا قابل اعتراض اور موہم عبارات کے جواب کے سلسلے میں ذیل میں بعض امور ذکر کیے جاتے ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے اس چیز سے متعلقہ شبہات رفع ہو جائیں گے:

① شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب اور مقام کے متعلق اپنی مشہور تصنیف ''ازالۃ الخفا'' (مقصد اول کی تمہید تنبیہ سوم) میں تحریر کیا ہے کہ

''باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب فضیلت جلیلہ در زمرہ صحابہ رضی اللہ عنہم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔

اخرج ابوداود وعن أبی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فو الذی نفسی بیده لو انفق احدكم مثل احد ذهبا ما يبلغ مد احدهم ولا نصيفه

واخرج ابوداود عن ابی بکرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنہما ان ابنی هذا سيد وانی ارجو ان يصلح الله به بين فئتين من امتی۔

وفی رواية لعل الله ان يصلح به بين فئتين من المسلمين عظيمتين

وأخرج الترمذی من حديث عبدالرحمن بن عميرة رضی اللہ عنہ وكان من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لمعاوية اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به۔

وأخرج ابن سعد وابن عساكر عن مسلمة بن مخلد رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول لمعاوية اللهم علمه الكتاب ومكن له فی البلاد وقه العذاب

وأخرج الترمذی من حديث عمير بن سعيد رضی اللہ عنہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول اللهم اهدبه۔

وعقل نیز برآں دلالت میکند زیرا کہ از طرق کثیرہ معلوم شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند کہ وی فی

وقت من الاوقات خلیفہ خواہد شد۔‘‘[1]

یہ تمام تنبیہ بڑی عمدہ ہے اور جمہور اہل سنت کے نظریات کے عین مطابق ہے۔ اس مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور فضیلت کو خوب بیان کیا ہے۔ ان چیزوں کے پیش نظر مذکورہ تعبیرات متروک ہوں گی اور ناقابل التفات قرار پائیں گی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق کوئی منفردانہ چیز نہیں ہے بلکہ ہر دور میں اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور مقام کو اسی طرح بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مطاعن سے براءت اور ان کی صفائی ان حضرات نے اپنی اپنی تصنیفات میں پیش کی ہے۔ پس یہی مسلک اور طریق صحیح اور درست ہے اور اس کے مقابلے میں اگر کوئی مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں تو وہ متروک اور ناقابل التفات ہوں گی۔

(۲) نیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تالیفات و تصنیفات کی بعض عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریضات پائے جانے کی شکایت بعض لوگوں نے خود آنجناب کو تحریر کی تھی اور بطور اعتراض اس چیز کو پیش کیا تھا تو اس شکایت نامہ کے جواب میں خود شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے بذریعہ خط جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ وہ جواب آنجناب کے مطبوعہ خطوط میں مذکور ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

’’وتعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم برہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ اللہ خیر حافظا۔ وایں تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد۔‘‘[2]

حضرت شاہ صاحب موصوف کی اس تحریر کے ذریعے سے مندرجہ بالا قابل اعتراض اور تمام موہم عبارات کا مسئلہ حل ہو گیا کہ آنجناب نے اپنی تصنیفات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص شان کی کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی اور نہ وہ اس چیز کو صحیح اور جائز قرار دیتے تھے۔ یہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کی طرف سے تصرفات ہیں جن کو شاہ صاحب کی جانب منسوب کر دیا گیا۔

(۳) حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے دور کے ایک وسیع النظر بزرگ اور متبحر عالم دین تھے ان کی دیانت اور وفور علم سے یہ چیز بعید ہے کہ وہ کسی ذی قدر اور مشہور صحابی کی تنقیص کریں اور اس کو اپنے

[1] ازالۃ الخفا کامل فارسی ص ۱۴۶-۱۴۷ تحت تنبیہ سوم (طبع قدیم بریلی)

[2] مکتوبات شاہ عبدالعزیز نمبر سوم ص ۲۶۵-۲۶۶ مع مقدمہ محمد ایوب قادری مطبوعہ پاک اکیڈمی ص ۱۴۱ ج ا وحید آباد کراچی نمبر ۱۸۔

مقام سے گرا کر بیان کریں۔

اس بنا پر ان کے بعد میں آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار دیا ہے اور ان میں لوگوں کے عبارتی تصرفات کو واضح کر دیا ہے جیسا کہ خود شاہ صاحب موصوف نے اس چیز کو تسلیم کر کے اس کا رد کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اکابر اہل علم کی اس نشاندہی کو ہم ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ امداد الفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ

''اول تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک ہے۔''[۱]

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (کراچی والے) اپنی کتاب ''مقام صحابہؓ'' میں لکھتے ہیں کہ

''اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کسی وجہ سے ایسا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ جیسے جامع العلوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نہ خود اس کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں وفات کے کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے تو بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔''[۲]

④ اس کے بعد ان بعض عبارات کے متعلق اشتباہ کا ازالہ کیا جاتا ہے جو ابتداءً ذکر کی گئی ہیں۔

خلافت اور امامت کے متعلقہ بحث تحت عنوان ''ملوکیت کا شبہ اور اس کا ازالہ'' مفصل ذکر کر دی گئی ہے اس کے تحت ان عبارات کا جواب آ چکا ہے۔ تاہم اختصاراً مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا جاتا ہے کہ حدیث سفینہ جس میں ثلاثون سنہ کی میعاد منقول ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اور اس میں خلافت کاملہ راشدہ کی میعاد ذکر کی گئی ہے لیکن اس کے مقابلے میں دیگر متعدد صحیح روایات مروی ہیں جن میں اثنا عشر خلیفہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور

---

[۱] امداد الفتاویٰ ص ۳۰۷ ج ۵ کتاب البدعات طبع مجتبائی دہلی۔

[۲] مقام صحابہ ص ۷۴-۷۵ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (کراچی)

اس سے زائد بھی خلفاء اور خلافت کا مذکور ہونا روایات میں موجود ہے۔

ان روایات میں مطلق خلافت کا ذکر کیا گیا ہے جس کو امارت اور ملوکیت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر امارت و ملوکیت اور خلافت میں باہم تضاد نہیں۔ آیات اور روایات میں امیر اور ملک (یعنی بادشاہ) ہونا مومنین اور صالحین کے حق میں بطور نعمت ذکر کیا گیا ہے۔

ان معروضات کی روشنی میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ماسوا لوگوں پر خلیفہ کے اطلاق کرنے سے تحاشی (گریز) اور اجتناب کرنے کا کچھ مطلب نہیں نیز ان لوگوں کو بدترین ملوک کہنا بھی درست نہیں اور ''خلافت راشدہ'' کے بعد ''امامت حقہ'' جاری ہے اگرچہ خلافت راشدہ سے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے کم ہے فلہٰذا تمیں سال کے بعد امامت اور خلافت حقہ کے انقطاع کا قول کرنا درست نہیں۔

نمبر ۶ والی عبارت (ومحاربت با ایشان ازراہ شامت نفس) میں جو فسق اعتقادی کا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی وضاحت اور تشریح کے لیے اسی مقدمہ کے اوائل میں مصنف نے خود مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے وہ جواب کے لیے کافی ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

> ''اول آنکہ انکار معنی نص و مدلول آں بنا بر تاویل فاسد کفر نیست بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آنرا در عرف اہل سنت ''خطائے اجتہادی'' نامند۔''[1]

> ''مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر جو فسق اعتقادی کا ذکر ہے اسی کو عرف اہل سنت میں ''خطائے اجتہادی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ فلہٰذا محاربین علوی کے حق میں جہاں فسق عملی یا فسق اعتقادی کا ذکر پایا جاتا ہے وہ خطائے اجتہادی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

تاہم اس عبارت میں معبر کی طرف سے ''تعبیری تصرف'' کا احتمال مزید برآں ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ راوی و ناقل کی تعبیر بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے اور اصل مفہوم کا رنگ ہی بدل دیتی ہے۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۹ فارسی ابتدا مقدمہ ششم باب نمبر ۱۲ تولا و تبرا۔

حق گوئی کا مسلوب ہونا یعنی آزادی رائے کا خاتمہ پھر اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے احباب نے اس چیز کو بڑے عجیب انداز سے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور حق بات کہنا جرم تھا اور زبانیں حق کہنے سے بند کر دی گئی تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے ورنہ چپ رہو۔ حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے ہو تو قتل، قید و بند اور کوڑے کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ زبانوں پر قفل چڑھا دیے گئے تھے اور آزادی رائے کا خاتمہ کر دیا گیا تھا اور حق گوئی سلب کر لی گئی تھی۔

معترضین دوستوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے حق میں نقشہ بالا مرتب کیا ہے۔ لیکن اب ہم اس کے متعلق چند ایک واقعات کتب حدیث اور اسلامی تاریخ و تراجم سے پیش کرتے ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے مذکورہ امور کا جواب ہو جائے گا اور ایک منصف مزاج پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مذکورہ بالا نقشہ جو طاعنین نے پیش کیا ہے وہ کہاں تک درست ہے اور اس میں کس قدر صداقت پائی جاتی ہے؟ کیا اس دور کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں یا اس کے برعکس پائے جاتے ہیں؟

اس مسئلے پر واقعات پیش کرنے سے قبل بعض تمہیدی امور ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناصحانہ کلام تحریر کیا اور اس میں ایک نصیحت کی جس کو مورخین نے ایک پختہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

((عن عبدالله بن مبارك عن هشام بن عروة قال كتبت عائشة رضي الله عنها الى معاوية رضي الله عنه اتق الله فانك اذا اتقيته كفاك الناس اذا اتقيت الناس لم يغنوا عنك من الله شيئا))[1]

''یعنی عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا اس میں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے معاویہ اللہ سے ڈرتے رہنا جب تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں لوگوں کی طرف

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

سے کافی ہوگا اور جب تم لوگوں سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے لوگ تم کو نفع نہ دے سکیں گے۔''

اس مکتوب میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حق گوئی فرماتے ہوئے خدا خوفی کی ترغیب دی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین رکھنے کی نصیحت کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان نصائح کو دل و جان سے قبول کیا اور اس سے نفع اٹھایا۔

اسی طرح ایک مشہور صحابی ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے ایک خیر خواہانہ کلام فرمایا جو بہت مفید تھا۔

((اخبرنی العتبی قال دخل ابوامامة الباهلی رضی اللہ عنہ علی معاویة رضی اللہ عنہ فقال یا امیرالمؤمنین! انت رأس عیوننا فان صفوت لم یضرنا کدر العیون وان کدرت لم ینفعنا صفونا واعلم انه لا یقوم فسطاط الا بعمد))[1]

''یعنی ایک دفعہ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ (صحابی) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور آ کر فرمایا کہ اے امیر المومنین آپ ہمارے چشموں کے لیے اصل ہیں۔ آپ صاف رہیں گے تو چشموں کا میلا ہونا ہمیں ضرر نہ دے گا اور اگر آپ میں تکدر اور میلا پن ہوگا تو ہمارا صاف رہنا ہمیں نفع نہ دے گا، اور یقین جانیے کہ ستونوں کے بغیر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔''

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کلام کے بعد یہ دوسرے صحابی کا ناصحانہ کلام ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صاف گوئی کے ساتھ نصیحت کی گئی ہے اور انھوں نے اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

یہ دو حوالہ جات آنے والے واقعات کے لیے بطور تمہید کے پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حق گوئی کے دیگر واقعات ایک ترتیب کے ساتھ ناظرین کرام کی خدمت میں ہم پیش کرتے ہیں ان پر نظر انصاف فرمائیں:

① ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے آ کر کہا کہ اے معاویہ! اللہ کی قسم آپ خود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس شخص نے کہا کہ لاٹھی کے ساتھ ہم ٹھیک کریں گے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ پھر ہم درست ہو جائیں گے۔

۱۔ ((اخبرنا محمد قال اخبرنا معاذ بن معاذ قال اخبرنی ابوعبیدة قال ان کان

---

[1] کتاب المجتنیٰ ص ۳۹ تحت کلام معاویہ مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن (امام لغت وادب ابوبکر محمد بن حسن بن درید الازدی البصری المتوفی بغداد سنہ ۳۲۱ھ)

الرجل ليقول لمعاوية والله لتستقيمن يا معاوية! او لنقومنك۔ فيقول بما ذا؟
فيقول بالخشب فيقول اذا نستقيم))[1]

مطلب یہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگ حق بات کہتے اور راست گوئی کا حق ادا کرتے تھے ان پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور زبان بندی نہیں تھی۔

اسی نوع کی ایک دیگر روایت بلاذری رحمہ اللہ نے انساب الاشراف میں ذکر کی ہے اس میں سعید بن عاص اپنے والد سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور اسی اثنا میں وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اے معاویہ! آپ درست اور ٹھیک رہیں یا ہم آپ کی کجی کو درست کر دیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ اللہ تم پر رحمت فرمائے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں ابن فلاں حمیری ہوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو اس سے نرم کلام کر دیتا تو تجھ پر کوئی حرج نہیں تھا۔ اس کے بعد جب وہ چلا گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے یزید نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ اس کو ایسی سخت گفتگو پر سزا دیتے تو اس کے ذریعے سے دوسروں کی تادیب ہوتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے بیٹے! بعض دفعہ ایسے سخت کلام کی وجہ سے تیرے باپ کو سخت تکلیف پہنچتی ہے تاہم اس کا وبال اس پر ہوتا ہے جس نے قصور کیا۔

((عن سعيد بن العاص عن أبيه قال بينما رجل يخاطب معاوية! اذ قال والله يا معاوية لتستقيمن او لنقومن صعرك قال ومن انت رحمك الله؟ قال انا فلان بن فلان الحميرى قال وما كان عليك لو كان كلامك اللين من هذا فلما ولى قال يزيد بن معاوية يا امير المومنين لو نكلت بهذا تادب به غيره فقال يا بنى لرب غيظ قد تحطم بين جوانح ابيك لم يكن وباله الا على من جناه))[2]

(۲) محدثین نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو احقاق حق کے طور پر کلام کرنے کا

[1] کتاب المجتنی (ابن درید) ص ۱۴۱ طبع حیدر آباد دکن تحت کلام معاویہ رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۳ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ الخلفاء (سیوطی) طبع دہلی ص ۱۳۶ تحت سنہ ۴۱ھ حالات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
مخطوطہ ابن عساکر ص ۶۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ (بروایت ابن عون)
مخطوطہ ابن عساکر ص ۳۵ ـ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ (بروایت ابی عبیدہ)
مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۶۰ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہؓ

[2] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۰ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ایک واقعہ اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

ہشام بن سعید بن عقبہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور خطبہ میں ایسی بات ذکر کی جس کو حاضرین نے ناپسند کیا اور منکر جانا۔ پس ایک شخص نے بروقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام کو رد کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس چیز پر مسرور ہوئے (یا اس کو عجیب معلوم کیا) پھر فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آیندہ دور میں) امراء ہوں گے وہ گفتگو کریں گے لیکن لوگ ان کی بات کا رد نہ کر سکیں گے (حالانکہ ان کا کلام قابل تردید ہوگا) ایسے امراء لگا تار ایک دوسرے کے پیچھے دوزخ میں گریں گے۔

((حدثنا محمد بن السكن بن ابراهيم الايلى قال ثنا ابوعامر قال ثنا هشام بن سعيد بن عقبة قال خطب معاوية فتكلم بشىء مما ينكر الناس فرد عليه وقتا واحد قسرا واعجبه ثم قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: يكون امراء فيقولون فلا يرد عليهم يتهافتون فى النار يتبع بعضهم بعضا))[1]

(۳) نیز اس مقام پر محدثین اور مورخین دونوں حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق بات کہنے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے (جس کو ہم قبل ازیں مسئلہ اقربا نوازی کے ص ۱۵۹-۱۶۰ پر صرف مورخین کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں) تاہم اس واقعہ کو متعدد محدثین کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں اور مورخین کی طرف سے اس واقعہ کی جو تائید پائی جاتی ہے اس کے حوالہ جات ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

علامہ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

((عن ابى نفيل عن معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنه انه صعد المنبر يوم القمامة فقال عند خطبة انما المال مالنا والفىء فيئنا فمن شئنا اعطيناه ومن شئنا منعناه فلم يجبه احد فلما كان الجمعة الثانية قال مثل ذالك فلم يجبه احد فلما كان فى الجمعة الثالثة قال مثل مقالة فقام اليه رجل من حضرا المسجد فقال كلا انما المال مالنا والفىء فيئنا فمن حال بيننا وبينة حاكمناه الى الله باسيافنا فنزل معاوية فارسل الى الرجل فادخله فقال القوم هلك الرجل ثم دخل الناس فوجدوا الرجل معه على السرير فقال معاوية للناس ان هذا احيانى احياه الله سمعت رسول الله ﷺ يقول سيكون بعدى امراء

[1] کتاب التوحید واثبات صفات الرب ص ۲۲۸ طبع مصر تحت بحث کل من یشہد اللہ بالوحدانیہ یخرج من النار (شیخ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی سنہ ۳۱۱ھ)

يقولون ولا يرد عليهم يتقاحمون فى النار كما تقاحم القردة واذا تكلمت اول جمعة فلم يرد على احد فخشيت ان اكون منهم ثم تكلمت فى الجمعة الثانية فلم يرد على احد فقلت فى نفسى انى من القوم ثم تكلمت فى الجمعة الثالثة فقال هذا الرجل فرد على فاحيانى احياه الله))[1] (طبرانی فی الکبیر والاوسط وابویعلی ورجالہ ثقات)

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قمامہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔ فرمانے لگے بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فے کا مال بھی ہمارا مال ہے۔ جس کو ہم چاہیں گے دیں گے اور جس سے ہم چاہیں گے روک لیں گے۔ حاضرین میں سے کسی نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب دوسرے جمعہ کا دن آیا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا کلام فرمایا لیکن پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ جب تیسرا جمعہ آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا پھر کلام کیا جس طرح کا پہلے جمعہ میں کلام کیا تھا۔ تو اس دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ بات ہرگز اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا ہے اور فے کا مال بھی ہمارا ہے۔ جو شخص اس بات کے متعلق ہمارے درمیان حائل ہوگا اس کا فیصلہ ہم تلواروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ہاں پہنچائیں گے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے مقام پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ لوگ کہنے لگے کہ اب یہ سزا پا کر ہلاک ہوگا۔ لیکن جب لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چارپائی پر بیٹھا ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو زندہ رکھے اس نے مجھے گویا زندہ کر دیا ہے اور فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب امراء و حکام ہوں گے۔ وہ جو بات کہیں گے ان کے جواب میں کوئی کلام نہیں کر سکے گا اور وہ امراء دوزخ میں اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۶ ج ۵ تحت باب فی ائمة الظلم والجور وائمة الضلالة
مخطوطہ ابن عساکر (قلمی) عکس شدہ ص ۲۸۷ جلد ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۷۶ طبع دوم مصری مع الصواعق المحرقہ۔

بندر ایک دوسرے کے پیچھے گرتے ہیں۔

تحقیق میں نے پہلے جمعہ میں کلام کیا لیکن کسی نے بھی میرے کلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے خوف کھایا کہ کہیں میرا شمار بھی ان امراء میں نہ ہو۔ پھر میں نے دوسرے جمعہ کے روز اسی طرح کا کلام کیا تو پھر بھی میری بات کی کسی نے تردید نہیں کی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ کہیں میں ان احکام وامراء میں سے تو نہیں؟ پھر میں نے تیسرے جمعہ میں اسی طرح کا کلام کیا تو یہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے میری بات کو رد کر دیا (اور صحیح مسئلہ بیان کیا) اللہ تعالیٰ اس کو زندہ رکھے اس نے مجھے (دین کے معاملے میں) زندہ کر دیا ہے (اور میں اس وعید سے بچ گیا ہوں)۔"

حق گوئی کا یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو پیش آیا۔ اس واقعہ کو محدثین مثلاً طبرانی اور ابو یعلی موصلی وغیرہم رحمہم اللہ نے ثقہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے اور ساتھ اس کی توثیق بھی درج کر دی ہے۔ نیز مشہور مورخین مثلاً ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ اسلام میں اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے تطہیر الجنان میں اپنی اپنی عبارات میں مفصل درج کیا ہے جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق بات کہنے کا مسئلہ واضح ہو گیا اور آزادی رائے کا پایا جانا بھی ثابت ہو گیا۔

حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت عظیم پائی گئی ہے کیونکہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد نظر آتے ہیں۔

④ اس کے بعد ہم ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انصاف پسندی اور حق بات کو تسلیم کرنا واضح طور پر پایا جاتا ہے:

ایک دفعہ طاعون سے فرار کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا مکالمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون سے فرار کر کے کہیں جانا شرعاً ناجائز ہے پھر اس پر فرمان نبوی بیان کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس معاملے میں دوسری رائے تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس مقام پر طاعون کی وبا پھیل جائے وہاں سے گریز کرنا اور چلا جانا جائز ہے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سخت مخالفت کی اور ان کو برملا ٹوک دیا۔

اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز عصر کے بعد منبر پر تشریف لائے اور بیان فرمایا کہ عبادہ بن صامت نے جو اس مسئلے میں مجھے حدیث بیان کی ہے وہ درست ہے۔ پس عبادہ سے دین کے مسائل میں اقتباس کیا کرو، وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

((عن يعلىٰ بن شداد قال ذكر معاوية الفرار من الطاعون فذكر قصة له مع

عبادة فقام معاوية عند المنبر بعد صلاة العصر فقال الحديث كما حدثنى عبادة فاقتبسوا منه فهو افقه منى))[1]

اس واقعہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حق پرستی اور انصاف پسندی واضح ہے۔

⑤ اب اس مسئلے پر ایک دیگر واقعہ اکابر علماء نے ذکر کیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے حق وصداقت کا برملا اظہار کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے قلبی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔

((عن ابى مسلم الخولانى انه نادى معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما وهو جالس على منبر دمشق فقال يا معاوية انما انت قبر من القبور ان جئت بشىء كان لك شىء وان لم تجئ بشىء فلا شىء لك۔ يا معاوية رضی اللہ عنہ لا تحسبن الخلافة جمع المال وتفرقة ولكن الخلافة العمل بالحق والقول بالمعدلة واخذ الناس فى ذات الله عزوجل۔ يا معاوية انا لا نبالى بكدر الانهار ما صفت لنا رأس عيننا وانك رأس عيننا يا معاوية اياك ان تحيف على قبيلة من قبائل العرب فيذهب حيفك بعدلك فلما قضى ابو مسلم مقالة اقبل عليه معاوية فقال يرحمك الله))[2]

''مطلب یہ ہے کہ ایک مشہور تابعی راست گو بزرگ ابو مسلم خولانی[3] رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ

---

1. الاصابہ مع الاستیعاب (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۶۰ ج ۲ تحت عبادہ بن صامت بن قیس رضی اللہ عنہ۔

2. حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۶ ج ۲ تحت (۱۶۸) ابی مسلم الخولانی رحمہ اللہ۔
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۵ ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی۔

3. ابو مسلم خولانی کا اسم گرامی عبداللہ بن ثوب اور بقول بعض عبد بن ثوب ہے اور کنیت ابو مسلم ہے۔ بلاد یمن کے علاقے خولان سے ہیں۔ بڑے بزرگ اور پایہ کے تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ راست گو طبیعت تھی۔ ان کی حق گوئی اور صداقت پسندی کے متعدد واقعات دستیاب ہوتے ہیں۔ ہم اس مقام پر ان کی کرامت اور عظمت کے بعض واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ان کی رفعت مقام واضح ہوتی ہے۔
نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یمن میں ایک شخص ''اسود عنسی'' نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ ابو مسلم رحمہ اللہ ان ایام میں مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری اور شرف زیارت کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا اپنے علاقے میں ہی مقیم تھے۔ اسود عنسی نے اپنی نبوت کی تصدیق کی خاطر آپ کو بلوایا۔ اسود کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے آپ سے کہا کہ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت ونبوت کی شہادت دیتے ہو؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد اسود نے کہا کیا تم میری نبوت کی شہادت دیتے ہو اور مجھے نبی تسلیم کرتے ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ بات سننا گوارہ نہیں کرتا (اور اس چیز کو تسلیم نہیں کرتا)۔

←

انھوں نے ایک بار حضرت معاویہ ؓ سے مخاطب ہو کر کہا اور حضرت معاویہ ؓ اس وقت جامع دمشق کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے اے معاویہ! آپ قبروں میں سے ایک قبر ہیں (یعنی آپ قبر میں پہنچنے والے ہیں) اگر آپ کوئی بہتر چیز لائیں گے تو آپ کو فائدہ ہوگا اور اگر کوئی بہتر چیز نہیں لائیں گے تو آپ کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ اے معاویہ! یہ گمان نہ کریں کہ مال جمع کرنا اور پھر اسے تقسیم کرنے کا نام ''خلافت'' ہے بلکہ خلافت تو حق بات پر عمل کرنے، انصاف کی بات کہنے اور لوگوں کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے معاملہ کرنے کا نام ہے۔

اے معاویہ! جب تک کہ سرچشمہ صاف رہے ہمیں نہروں کے میلا اور گدلے ہونے کی پروا نہیں اور آپ ہمارے اصل چشمہ ہیں۔ اے معاویہ! آپ کو قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ پر ظلم کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ آپ کا ظلم آپ کے عدل کو ضائع کر دے گا۔

← اس کے بعد اسود عنسی نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ ایک آتش عظیم تیار کی جائے اور اس میں ابومسلم کو پھینک دیا جائے چنانچہ ابو مسلم ؒ کو ایک بڑے آتش کدہ میں ڈالا گیا۔ مگر آگ نے آپ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں کیا اور آپ صحیح اور سلامت زندہ رہے۔

پھر اسود کو اس کے حاشیہ نشینوں نے مشورہ دیا کہ اگر خولانی کو اس شہر میں رہنے دیں گے تو آپ کے خلاف یہ فضا خراب کرے گا تو اسود عنسی نے آپ کو شہر بدر کر دیا۔ اس کے بعد ابومسلم خولانی ؒ مدینہ طیبہ پہنچے تو آنجناب ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ مسند خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔

حافظ ابن کثیر ؒ کہتے ہیں کہ جب آپ حضرت صدیق اکبر ؓ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت فاروق اعظم ؓ بھی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ابومسلم ؒ کو اپنے اور حضرت عمر فاروق ؓ کے درمیان بیٹھنے کے لیے جگہ عنایت فرمائی اس کے بعد حضرت عمر فاروق ؓ نے ابومسلم خولانی ؒ کی پیشانی پر ازراہ محبت و شفقت بوسہ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں امت محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھ لیا جس کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ؑ والا معاملہ کیا گیا (اور وہ محفوظ رہے)۔

چنانچہ ابونعیم اصفہانی ؒ ذکر کرتے ہیں کہ:

((عن شرحبيل الخولانی قال بينا الاسود بن قيس بن ذی الحمار العنسی باليمن، فارسل الی ابی مسلم فقال له: اتشهد ان محمدا ﷺ رسول الله؟ قال نعم قال فتشهد انی رسول الله قال ما اسمع قال فامر بنار عظيمة فاحجت وطرح فيها ابومسلم فلم تضره فقال له اهل مملكة ان تركت هذا فی بلدك افسدها عليك فامره بالرحيل فقدم المدينة وقد قبض رسول الله ﷺ واستخلف ابوبكر...... الخ))[1]

اور ابن کثیر ؒ نے اس واقعہ میں مزید یہ چیز ذکر کی ہے کہ:

---

[1] حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۹ ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی ؒ (۱۶۸)

پس جب ابو مسلم رحمہ اللہ اپنی گفتگو تمام کر چکے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا (اس راست گوئی پر) اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو۔"

((ثم هاجر فوجد رسول الله ﷺ قد مات، فقدم على الصدق فاجلسه بينه وبين عمر۔ وقال له عمر رضی اللہ عنہ: الحمد لله الذى لم يمتنى حتى ارى فى امة محمد (ﷺ) من فعل به كما فعل بابراهيم الخليل علیہ السلام وقبله بين عينيه))[1]

اسی طرح ان کی دینی عظمت اور کرامت کا ایک دیگر واقعہ علمائے کرام نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ جب مسجد سے اپنے گھر کی طرف تشریف لاتے تو بلند آواز سے اپنے گھر کے پاس اللہ اکبر کہتے پھر ان کی اہلیہ جواباً اسی طرح الفاظ تکبیر کہتی تھی۔ ایک رات آپ تشریف لائے اور گھر کے دروازے کے پاس تکبیر کہی لیکن جواب میں گھر سے کسی کلمہ کی آواز نہیں سنائی دی۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور صحن میں کھڑے ہو کر پھر تکبیر اور سلام کہا مگر پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ گھر میں معمول یہ تھا کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو ان کی اہلیہ ازراہ خدمت آپ کی چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیتی اور آپ کے جوتے درست کر دیتی پھر طعام لا کر سامنے رکھتی۔ لیکن اب جب گھر میں تشریف لائے تو گھر کے اندر چراغ روشن نہیں تھا اور آپ کی اہلیہ گھر میں مغموم حالت میں سرنگوں کیے ہوئے پریشانی کے عالم میں زمین کرید رہی تھی۔ آپ نے گھر میں داخل ہو کر صورت حالات سے متعلق اپنی اہلیہ سے دریافت فرمایا۔

((قالت انت لك منزلة من معاوية وليس لنا خادم لوسألته فاخدمنا واعطاك فقال اللهم من افسد على امراتى فاعم بصرها قال وقد جاءتها امرأة قبل ذالك فقالت لها زوجك له منزلة من معاوية فلو قلت له يسأل معاوية يخدمه ويعطيه عشتم قال فبينا تلك المرأة جالسة فى بينها اذا انكرت بصرها فقالت ما لسراجكم طفى؟ قالوا لا! فعرفت ذنبها فاقبلت الى ابى مسلم تبكى وتسأله ان يدعوا الله عزوجل لها ان يرد عليها بصرها قال فرحمها ابومسلم فدعا الله لهما فرد عليها بصرها))[2]

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۶ ج ۸ تحت فصل ممن ذکرانہ توفی ہذہ السنۃ (۶۰ھ)

[2] حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۳۰ ج ۲ تحت (۱۶۸) ابومسلم الخولانی رحمہ اللہ

کتاب مجاب الدعوۃ ص ۱۲۳-۱۲۴ تحت دعا ابی مسلم الخولانی وفضلہ مصنفہ الامام الحافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا القرشی متوفی ۲۸۲ھ

"یعنی اہلیہ نے عرض کیا کہ آپ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک مقام ہے (یعنی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے) اور ہمارے لیے گھر میں کام کاج کے لیے کوئی خادم نہیں۔ اگر آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے طلب کرتے تو وہ ہمیں ایک خادم دیتے اور کچھ عطایا بھی عنایت فرماتے۔

یہ سن کر حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ برہم ہوئے اور فرمایا اے اللہ! جس نے میری بیوی کو یہ فساد ڈالنے والی بات سکھلائی ہے اس کی بینائی ختم کر دے۔ اس سے قبل آپ کے گھر میں ایک خاتون آئی تھی اور اس نے آپ کی اہلیہ سے بطور مشورہ کہا تھا کہ تمھارے خاوند کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام احترام ہے، اگر وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خادم اور کچھ عطیہ طلب کریں تو وہ دے دیں گے اور تمھاری معاشرتی حالت بہتر ہو جائے گی۔ وہ مشورہ دینے والی عورت ان کے گھر میں ہی بیٹھی

⑥ سابقہ واقعات کی طرح ایک دیگر واقعہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کے نقد کرنے کا علماء نے ذکر کیا ہے۔ اس میں بھی حق گوئی اور آزادی رائے کا مسئلہ واضح طور پر موجود ہے:

((عن عبدالله بن عروة عن ابی مسلم الخولانی عن معاوية بن أبی سفيان رضی اللہ عنہما انه خطب الناس وقد حبس العطاء شهرين او ثلاثة فقال له ابو مسلم يا معاوية! ان هذا المال ليس بمالك ولا مال ابيك ولا مال امك فاشار معاوية الى الناس ان امكثوا ونزل فاغتسل ثم رجع فقال ايها الناس ان ابا مسلم ذكر ان هذا المال ليس بمالى ولا مال ابى ولا مال امى وصدق ابومسلم انى سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول الغضب من الشيطان۔ والشيطان من النار والماء يطفى النار فاذا غضب احدكم فليغتسل۔ اغدوا على عطاياكم على بركة الله عزوجل))[1]

''یعنی ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کے عطایا اور وظائف ادا کرنے میں دو یا تین ماہ کی (کسی وجہ سے) تاخیر ہوگئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ دینے لگے۔ اس اثنا میں جناب ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے سخت کلامی کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (برملا ٹوک کر) کہا کہ یہ (بیت المال کا) مال نہ آپ کا ہے نہ آپ کے ماں باپ کی ملک ہے (بلکہ مسلمانوں کا حق ہے۔ بہ تقاضائے بشریت) اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناراضی ہوئی لیکن آپ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے، وہاں غسل کیا اور پھر واپس تشریف لا کر حاضرین کو خطاب کیا کہ ابو مسلم خولانی نے درست کہا

← ہوئی تھی کہ ناگہاں اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہوگئی اور وہ کہنے لگی تمہارے گھر کے چراغ کو کیا ہوا، کیا چراغ بجھ گیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں چراغ تو روشن ہے۔ اس پر عورت کو یقین ہوگیا کہ میری بینائی ابو مسلم کی بددعا سے ختم ہوگئی ہے۔
اس عورت نے رونا شروع کر دیا اور کہتی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری بینائی کے متعلق دعا کریں۔ اس پر ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کو اس عورت پر رحم آ گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس عورت کے حق میں دعا فرمائی اور اس عورت کی بینائی بحال ہوگئی۔''
حاصل کلام یہ ہے کہ اس واقعے سے یہ بات واضح ہوئی کہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق اور حسن سلوک قائم تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی قدر دانی کرتے تھے اور احترام کرتے تھے، باوجودیکہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق گوئی کرتے اور راست گوئی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ نیز معلوم ہوا کہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کو اپنے گھر میں معاشرتی خوشحالی پسند نہیں تھی اور وہ طلب دنیا سے نفور تھے، جیسا کہ اہل اللہ کا طریقہ ہے۔

[1] مخطوطہ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) قلمی عکس شدہ ص ۶۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۳۰ ج ۲ طبع مصر تحت (۱۶۸) ابو مسلم الخولانی رحمہ اللہ۔

ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے اور نہ میرے ماں باپ کا ہے۔ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ غضبناک ہونا شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو فرو کر دیتا ہے۔ پس جب ایسی صورت پیش آئے تو غسل کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ آپ لوگوں کو عطایا و وظائف مل جائیں گے۔ کل صبح آ جانا۔"

حاصل کلام

مختصر یہ ہے کہ معترض احباب نے حق گوئی کے مسلوب ہونے اور آزادی رائے کے خاتمے کے عنوانات کو بہت بنا سجا کر تحریر کیا ہے (جیسا کہ ابتدائے عنوان میں عرض کیا گیا)۔

ناظرین کرام کی خدمت میں ہم نے حدیث شریف اور تاریخ اسلام و تراجم سے اس دور کے صرف چند ایک واقعات بطور نمونہ پیش کر دیے ہیں۔ یہ صحابہ کرام اور تابعین سے منقول ہیں اور برملا مجالس عامہ میں پیش آئے ہیں۔ اس نوع کے خدا جانے کتنے مواقع سامنے آئے ہوں گے؟

ان امور پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں

① زبانوں پر قفل ڈال دیے گئے تھے؟
② کیا حق گوئی کا مسلوب کیا جانا اسی کا نام ہے؟
③ کیا آزادی رائے کا خاتمہ اسی طرح ہوتا ہے؟
④ کیا بیت المال کے مال کو صرف ذاتی مفاد کے لیے صرف کرنا اسی کو کہتے ہیں؟

خدارا انصاف فرمائیے اور جو چیز حق ثابت ہوا سے تسلیم کیجیے۔ تاریخ میں ہر قسم کا رطب و یابس، صحیح و غلط مواد موجود ہے۔ اس فن کے قواعد و ضوابط کے تحت جو چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت کے شایان شان ہو اس کو قبول کیا جاتا ہے اور جو چیز ان حضرات کے مقام و مرتبہ کے خلاف منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اکابرین امت کے نزدیک یہ بات مسلمات میں سے ہے۔

اب طعن کرنے والے دوستوں نے برعکس معاملہ کیا ہے۔ جس مواد سے طعن فراہم ہو سکتے ہیں اس کو لے کر مطاعن تیار کر لیے ہیں اور جن امور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فوقیت قائم اور براءت ثابت ہوتی ہے یا مطاعن سے دفاع ہو سکتا ہے ان کو نظر انداز کر کے عوام ناظرین کو غلط فہمی میں ڈال دیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون...... فیا حسرتاہ! یہ طریق تحریر دیانت داری کے برخلاف ہے اور اہل اسلام کے ساتھ دھوکا دہی کے مترادف ہے اور صحابہ کی جماعت کے ساتھ عناد پر دال ہے اور بہتر دور کو سیاہ دور قرار دینے کی سعی لاحاصل ہے۔ مالک کریم سب مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن کی توفیق بخشے۔

بیت المال کے اموال کی بحث

معترض احباب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق جہاں دیگر اعتراضات بڑے عمدہ عنوانات کے ساتھ تحریر کیے ہیں وہاں "قانون کی بالاتری کا خاتمہ" کے تحت مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں یہ طعن بھی ثبت کیا ہے کہ اس میں کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی گئی پھر اس پر بطور دلیل جو حوالہ جات دیے ہیں ان میں خاص طور پر مندرجہ ذیل واقعہ کو پیش نظر رکھا ہے۔

وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کا حاکم زیاد تھا۔ اس نے خراسان کے علاقے کی طرف حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا اور وہاں ان کے ذریعے سے خراسان کے علاقے میں فتوحات کثیرہ ہوئیں اور بے شمار غنائم حاصل ہوئے۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اموال غنائم کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے زیاد کو ایک مکتوب موصول ہوا کہ علاقہ خراسان سے حاصل ہونے والے غنائم میں سے سونا چاندی اور عمدہ اموال ان کے لیے الگ نکال لیے جائیں اور باقی مال کو حسب قاعدہ شرعی تقسیم کر دیا جائے۔

معترض احباب نے یہ واقعہ کتب سے نقل کر کے طعن قائم کیا ہے کہ اموال غنائم کی تقسیم کا یہ طریق کار کتاب وسنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

الجواب

سب سے پہلے واقعہ ہذا کی سند پر مختصراً کلام کرنا مناسب سمجھا گیا ہے تاکہ اس واقعہ کی صحت یا عدم صحت کے متعلق فیصلہ کیا جا سکے اور ان روایات کے درجہ اعتماد کو جانچا جا سکے اور ان کا محاسبہ کیا جا سکے۔

سند پر بحث

بعض کتابوں میں جو سند منقول ہے ان میں ایک راوی ہشام بن حسان قردوسی ہے جو حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے۔ اور ہشام قردوسی کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص حسن بصری رحمہ اللہ سے بیشتر روایات مرسل نقل کرتا ہے اور درمیان کے راوی یا رواۃ کو ساقط کر دیتا ہے اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ درمیان کا راوی کیسا شخص ہے؟ ثقہ ہے یا غیر ثقہ؟ کس ذہنیت کا حامل ہے؟ اور علماء فرماتے ہیں کہ ہشام بن حسان کی

جو روایت حسن بصری رحمہ اللہ سے ہے اسے محدثین کسی درجہ اعتماد میں شمار نہیں کرتے۔

((حدثنا عبدالرحمن نا أبي قال سمعت ابا بكر بن ابي شيبة يقول سمعت اسماعيل بن علية يقول كنا لا نعد هشام بن حسان في الحسن شيئا))[1]

اسی طرح حسن بصری رحمہ اللہ کے معروف شاگرد جریر بن حازم کہتے ہیں کہ میں حسن بصری رحمہ اللہ کے ساتھ سات سال رہا ہوں، میں نے ہشام بن حسان کو آپ کے پاس کبھی نہیں دیکھا۔

((جرير بن حازم فقال قاعدت الحسن سبع سنين ما رأيت هشاما عنده قط۔ فقلت يا ابا النضر قد حدثنا عن الحسن باشياء فيمن تراه اخذه؟ قال أراه اخذ عن حوشب))[2]

موجب اعتراض روایت اس قسم کے رواۃ سے مروی ہے جو اپنے مروی عنہ کو نہیں ذکر کرتے بلکہ اپنے شیخ کو گرا کر اوپر کے راوی کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ اور اس مقام کی دوسری روایات اس حیثیت کی ہیں کہ ان میں اتصال نہیں بلکہ انقطاع پایا جاتا ہے اور اخباری لوگ اس کے ناقل ہیں جو ہر رطب و یابس کو فراہم کرنے والے ہوتے ہیں۔ فلہٰذا ایسی روایات کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر طعن قائم کرنا اور ان کی شان دیانت کو مجروح کرنا ہرگز درست نہیں۔

چند دیگر امور

اب اس کے بعد اس واقعہ کے متعلق چند دیگر امور ذکر کیے جاتے ہیں:

① واقعہ ہذا کی متعلقہ روایات پر نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ ہذا میں ان حضرات کا اس دور میں رائے کا اختلاف پایا گیا جس کو فکر و نظر کا اختلاف کہنا بجا ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے جو انھوں نے زیاد کی معرفت ارسال کی وہ یہ تھی کہ اس موقع کے غنائم سے سیم و زر (چاندی سونا) اور عمدہ اموال مرکزی بیت المال میں جمع کرانے چاہییں۔ جب کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان غنائم کی تقسیم برموقع ہونی چاہیے۔ فلہٰذا انھوں نے اپنی فکر کے مطابق مرکز کی رائے کو تسلیم نہ کرتے ہوئے حسب قاعدہ غنائم کے مال کو موقع پر ہی تقسیم کر دیا۔ اندریں حالات اگر دونوں حضرات کی آراء کو اپنی اپنی جگہ تسلیم کر لیا جائے تو کسی قسم کا اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

② نیز یہاں معترضین کا یہ طعن کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ذات کے لیے سیم و زر اور عمدہ مال جمع

---

1. کتاب الجرح والتعدیل (ابن ابی حاتم رازی) ص ۵۶ ج ۳ قسم ثانی تحت ہشام بن حسان القردوسی
2. میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۹۶ ج ۴ تحت ہشام بن حسان القردوسی
   تہذیب التہذیب ص ۳۵ ج ۱۱ تحت ہشام بن حسان القردوسی

کرنا چاہتے تھے درست نہیں۔ مورخین نے تصریح کر دی ہے کہ جو حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمع مال کے لیے زیاد کو تحریر کیا تھا اس میں الفاظ یہ ہیں کہ:

((یجمع کله من هذه الغنیمة لبیت المال...... الخ))[۱]

اور ایک دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

((ان یصطفی من الغنیمة لمعاویة ما فیها من الذهب والفضة لبیت ماله...... الخ))[۲]

یعنی اس نوع کی تعبیرات کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیت المال کے لیے یہ اموال مرکز میں جمع کرانا چاہتے تھے اور خاص طور پر اپنی ذات کے لیے یہ حکم ارسال نہیں کیا تھا۔ ان عبارات سے خواہ مخواہ یہ مطلب اخذ کرنا کہ انھوں نے اپنی ذات کے لیے یہ مال الگ کرانا چاہا تھا ہرگز درست نہیں۔

ان روایات کا یہ محمل جو ہم نے ذکر کیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت کے مطابق بھی ہے اور اسی طرح علمائے کرام فرمایا کرتے ہیں۔ زمانہ قریب کے ایک بہترین مورخ اور عمدہ سیرت نگار عالم (علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ) نے بھی تقسیم مال کے مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے تیسرا جواب یہی تحریر کیا ہے کہ:

((انه لیس فی هذه العبارة ما یستدل به علی استیثار معاویة المال لنفسه فان مراده ان العمال لیس لهم تقسیم الفئ بل الامر موکول الی الخلیفة فعلی العامل ان یجمع الاموال ویرسلها الی الخلیفة وللخلیفة ان یضعها موضعها))[۳]

''مطلب یہ ہے کہ اس عبارت سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ذات کے لیے جمع اموال کو ترجیح دینا اور ان پر اپنی دسترس قائم کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ تقسیم اموال فے (وغیرہ) کا معاملہ عمال کی طرف مفوض نہیں بلکہ یہ معاملہ خلیفۃ المسلمین کے سپرد ہے۔ عاملین کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اموال کو جمع اور فراہم کریں اور خلیفہ وقت کے ہاں ارسال کر دیں۔ پھر خلیفۃ المسلمین اموال کو ان کے مواقع میں صرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔''

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۹ ج ۸ تحت سنہ ۴۵ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۷ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

۳ الانتقاد علی تمدن اسلامی از مولانا شبلی نعمانی ص ۳۳ تحت جواب الثالث طبع قدیم

اموال غنیمت کے مسائل بھی یہی حکم رکھتے ہیں کہ شرعی حدود کے تحت خلیفہ وقت کی ہدایت کے مطابق ان پر عمل درآمد کیا جائے۔ عمال و حکام خلیفہ اسلام کے فرمان سے بے نیاز ہو کر اموال کے صرف کرنے اور تقسیم کرنے کے مجاز نہیں۔

③ ایک آزمائشی مکالمہ

واقعہ ہذا کے متعلق ابن عساکر رحمہ اللہ نے ایک دیگر روایت ذکر کی ہے جس میں اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے آزمائشی طور پر کلام کیا تھا۔ بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حاضرین سے بطور سوال و جواب مکالمہ فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ''حق گوئی اور آزادی رائے'' کے عنوان کے تحت بھی اسی قسم کا ایک مکالمہ پایا جاتا ہے (جیسا کہ قبل ازیں تحریر کر دیا ہے) جس میں آپ نے فرمایا "والمال مالنا والفئی فیئنا" اس پر حاضرین میں سے ایک شخص کا بروقت جواب دینا مذکور ہے۔

اس مقام پر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آزمائشی طور پر حاضرین سے کلام کیا۔ اس مکالمہ کو ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں مفصل ذکر کیا ہے۔ ایک مشہور راوی قتادہ رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ جب حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کا جوابی مراسلہ زیاد کی طرف پہنچا تو زیاد نے اس مراسلہ اور اپنی طرف سے ایک مکتوب کو یکجا کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ جب یہ مکتوب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موصول ہوا تو آپ لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور زیاد کے مکتوب کی خبر دی اور حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ردعمل کو بیان کیا (حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مرکز کی طرف سے موصولہ ہدایات کے برخلاف اموال غنائم سے خمس علیحدہ کر کے باقی اموال مجاہدین میں برموقع تقسیم کر دیے تھے) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ اس پر بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ اس خلاف ورزی پر صلیب پر چڑھائے جانے کے قابل ہیں۔ بعض نے یہ رائے دی کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جانے چاہئیں۔ اور بعض نے یہ رائے دی کہ جتنا مال انھوں نے وہاں تقسیم کیا ہے اس کا ضمان اور تاوان ان سے وصول کیا جائے۔

ان آراء کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کلام فرمایا کہ تم لوگ برے وزیر ہو۔ تم سے تو فرعون کے رائے دہندگان بھی بہتر تھے۔ کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں ایسے شخص کو سزا دوں اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو میرے مکتوب پر ترجیح دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو میرے طریقے سے مقدم رکھا ہے۔ اس شخص نے بڑا اچھا اور عمدہ کردار ادا کیا ہے اور درست کارگزاری کا مظاہرہ کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمدہ مناقب اور بہترین محامد میں شمار کیا جاتا ہے۔

((عن سعيد بن ابی عروبة عن قتادة قال لما انتهى كتاب الحكم بن عمرو الى زياد كتب بذالك الى معاوية وجعل كتاب الحكم فى جوف كتابه فلما قدم الكتاب على معاوية خرج الى الناس فاخبرهم بكتاب زياد وصنيع الحكم فقال ما ترون؟ فقال بعضهم أرى ان تصلبه وقال بعضهم أرى تقطع يديه ورجليه وقال بعضهم أرى ان تغرمه المال الذى اعطا۔ فقال معاوية بئس الوزراء انتم!! وزراء فرعون كانوا خيرا منكم۔ اتأمرونى ان اعمد الى رجل اثر كتاب الله تعالىٰ على كتابى و سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على سنتى فاقطع يديه ورجليه؟ بل احسن و اجمل☆ واصاب فكانت هذه مما تعد من مناقب معاوية))[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کردار وعمل کی قدردانی فرمائی اور اس کو درست قرار دیا۔ اور علمائے امت اس چیز کو محامد ومحاسن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کرتے ہیں۔ فلہذا اس واقعہ سے کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مستنبط کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور معترض احباب کے اس واقعہ کے متعلق معلومات خاصے کمزور پائے جاتے ہیں ورنہ اس موقع کی تمام مرویات پر نظر کرنے کے بعد کوئی بات محل اعتراض اور جائے طعن نہیں ہے۔

بصورت دیگر

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تقسیم مال کے مسئلے میں عوام الناس کے ساتھ درست معاملہ رکھتے تھے اور مال کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سے متعلق ایک دیگر واقعہ تحریر کیا جاتا ہے اور علامہ ذہبی اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو اپنی اپنی عبارات میں نقل کیا

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکس شدہ ص ۵۲۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

☆ قولہ احسن واجمل...... بعض روایات میں اس موقع پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مرکز کے حکم کی خلاف ورزی پر قید میں ڈال دیا گیا اور ان پر کئی قسم کے تشدد کیے گئے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں فوت ہو گئے۔ یہ سب چیزیں راویوں کی طرف سے روایت میں تجاوزات ہیں اور داستان کو دردناک بنانے کے لیے اضافہ کی گئی ہیں اور یہ ہرگز درست نہیں۔ جیسا کہ ابن عساکر رحمہ اللہ کے بیان کردہ مندرجہ بالا واقعہ نے اس مسئلے کو صاف کر دیا ہے۔ یہی درست ہے اور حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ موصوف کی وفات طبعی طور پر خراسان میں ہوئی تھی۔

ہے۔ ہم قبل ازیں کتاب اقربانوازی ص ۱۶۱ تحت ''اسلامی خزانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں'' ذکر کر چکے ہیں لیکن اب ابن عساکر رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا جاتا ہے۔

عطیہ بن قیس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو میں نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! تمھیں عطیات دینے کے بعد تمھارے بیت المال میں جو مال باقی ماندہ موجود ہے اسے میں تمھارے درمیان تقسیم کر دوں گا اور اگر آیندہ سال بھی زیادہ مال پہنچ گیا تو وہ بھی تم لوگوں میں تقسیم کر دیں گے اور اگر یہ صورت نہ پائی گئی تو ہم پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ یقیناً بیت المال کا مال میرا مال نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے جو اس نے تمھاری طرف لوٹا دیا ہے۔

((عن عطية بن قيس قال خطبنا معاوية فقال ان في بيت مالكم فضلا عن عطاءكم وانا قاسم بينكم ذالك فان كان فيه قابلا فضلا قسمته عليكم والا فلاعتيبة على فانه ليس مالي وانما هو في الله الذي افا عليكم))[1]

اس واقعہ سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تقسیم مال کے متعلق طریق کار واضح ہو گیا اور ان کا بیت المال کے حق میں نظریہ بھی سامنے آ گیا کہ وہ ان اموال کو اللہ اور مسلمانوں کا مال تصور کرتے تھے اور اموال کو اسلامی قواعد کے خلاف نہیں استعمال کرتے تھے۔ ان مسائل میں شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی کا پروپیگنڈا اور بیت المال میں ناروا تصرف کے الزامات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بالکل غلط بیانی پر مبنی ہیں اور اس دور کے واقعات کے برعکس ہیں۔

شرعی احکام کی رعایت

مسئلہ مذکورہ کے متعلق یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دین کے معاملات میں شرعی قواعد کی پوری رعایت رکھتے تھے اور اس پر عمل درآمد کی دیگر اہل اسلام کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے کئی خطبات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک خطبہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے جس کو اکابر مورخین اور محدثین نے اپنی تصانیف میں اپنی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن نجی ابو عامر الہوزنی کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں حج ادا کیا۔ آپ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص قاص (قصہ گو) ہے جو لوگوں کے سامنے عجیب چیزیں بیان کرتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے بلا بھیجا۔ جب وہ شخص آیا تو

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکس شدہ ص ۲۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابع
المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمۃ علی معاویہ۔

آپ نے فرمایا کہ تجھے اس بات کی کس نے اجازت دی ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے کسی نے حکم نہیں دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ پھر تو یہ کام کس لیے کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک علم (اخباری روایات) ہے جسے ہم پھیلاتے ہیں۔اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اگر پہلے میں نے تجھے منع کیا ہوتا تو اب میں تجھے سزا دیتا۔ اب تو یہاں سے چلا جا اور اس کے بعد تیرے متعلق یہ شکایت سننے میں نہ آئے۔اس کے بعد جب ظہر کا وقت ہوا تو آپ نماز کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔

((حدثنی عبدالله بن نجی ابوعامر الهوزنی قال حججت مع معاوية فلما قدم مكة اخبر ان بها قاصا يحدث باشياء تنكر فأرسل اليه معاوية فقال أمرت بهذا؟ قال لا۔ قال فما حملك عليه؟ قال علم ننشره فقال له معاوية لو كنت تقدمت اليك لفعلت بك۔ انطلق فلا اسمع انك حدثت شيئا۔ فلما صلى الظهر قعد على المنبر فحمد الله و اثنى عليه ثم قال يا معشر العرب والله لئن تقوموا بما جاء به نبيكم ﷺ فغيركم من الناس احرى ان لا يقوم به الا ان رسول الله ﷺ قام فينا يوما فقال ان من كان قبلكم واهل الكتاب افترقوا على ثنتين وسبعين ملة يعنى الاهواء وان هذه الامة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعنى الاهواء اثنتين وسبعين فى النار وواحدة فى الجنة وهى الجماعة فاعتصموا بها فاعتصموا بها))[1]

اور یعقوب بسوی نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((انه سيخرج فى امتى اقوام تتجارى بهم تلك الاهواء كما يتجارى الكلب بصاحبه فلا يبقى منه عرق ولا مفصل الا دخله۔ والله يا معشر العرب لئن لم تقوموا بما جاء محمد (ﷺ) بغيركم من الناس احرى ان لا يقوم به))[2]

''اس خطبے کا اجمالی مضمون اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے جماعت عرب! اللہ کی قسم اگر آپ لوگ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قائم نہیں کریں گے تو باقی اقوام بطریق ادنیٰ اس دین کو قائم نہیں کریں گی۔ (فلہٰذا تمھارے لیے دین کا قائم کرنا بہت ضروری ہے) اور آپ نے ارشاد نبوی نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اور اہل کتاب بہتر طبقوں میں تقسیم ہوگئے تھے اور اس امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ وہ

1. کتاب السنہ (محمد بن نصر مروزی المتوفی سنہ ۲۹۴ھ) ص ۱۴-۱۵ مطبوعہ ریاض
2. کتاب المعرفہ والتاریخ (یعقوب بسوی) ص ۳۳۱-۳۳۲ ج ۲ تحت ابی عامر عبداللہ بن نجی الہوزنی۔

سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک جماعت جنت میں جائے گی اور وہ اہل اسلام کی بڑی جماعت ہوگی۔ پس تم لوگ مضبوطی سے جماعت کے ساتھ رہو۔

اور بعض روایات میں یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ اس امت میں کئی لوگ صاحب اہواء یعنی خواہش پرست پیدا ہوں گے اور نفسانی خواہشات ان کی رگ و پے میں سمائی ہوں گی۔ ان لوگوں سے تم اجتناب اور اعراض کرنا اور دین نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر قائم رہنا۔

مندرجہ بالا خطبے کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنے اور دین اسلام پر قائم رہنے کی اہل اسلام کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ فلہٰذا وہ دین کے مسائل اور احکام شرعی کے برخلاف کرنا کیسے پسند کر سکتے تھے؟ وہ شخص جو دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کی دوسروں کو تلقین کرتا ہے اگر وہ خود شرعی احکام کا پابند نہ ہو تو اس کی ترغیب و تلقین کیسے موثر ہو سکتی ہے؟ اور اس پر کیا ثمرہ مرتب ہو سکتا ہے؟

اسی چیز کی تائید میں بعض اکابر مورخین کا قول ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ

((ومعاوية ومن كان فى عصره بالشام من الصحابة والتابعين اتقى لله واشد محافظة على اداء فرائضه وافقه فى دينه))[1]

''یعنی اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رحمہم اللہ ملک شام میں موجود تھے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت خائف اور متقی تھے اور فرائض کی ادائیگی پر بہت محافظت اور پابندی کرنے والے تھے۔ دین کے معاملات میں نہایت فقیہ تھے اور ان سے یہ معاملات مخفی نہیں تھے۔''

ایک تائید

نیز گزارشات بالا کے بعد یہ چیز قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان ایام میں جن میں یہ واقعات پیش آئے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، مسور بن مخرمہ، زید بن ثابت، سائب بن یزید، عقیل بن ابی طالب، حسین بن علی، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات میں سے کسی بزرگ نے ان اموال کی تقسیم کے معاملے میں کوئی اعتراض نہیں کھڑا کیا۔ حالانکہ یہ حضرات خلاف شرع معاملہ پائے جانے پر خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے اور

[1] تاریخ بلدہ دمشق کامل (ابن عساکر) ص ۳۵۱ ج ۱ (طبع اول دمشق) تحت باب ما ورد فی ذم اہل الشام وبیان بطلانہ عند ذوی الافہام۔

شرعی قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تائید کرنے والے نہیں تھے۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہے کہ بیت المال سے اس دور میں ان تمام حضرات کو درجہ بدرجہ وظائف اور عطایا جاری ہوتے تھے۔ بیت المال کے اموال میں اگر شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی پائی گئی تھی تو ان حضرات نے اعتراض کیوں نہیں کیا؟ اور وہاں سے اموال حاصل کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا؟

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى اور وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ کتاب وسنت کے اس نوع کے فرامین کیا ان کے پیش نظر نہیں تھے؟ اور کیا یہ حضرات ان پر علم پیرا نہیں ہوتے تھے؟ اس معاملے میں ان حضرات کا تعامل ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صفائی پیش کرنے اور دفاع کرنے کے لیے کافی و وافی ہے۔

اموال کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت

سیرت نگار علماء اور مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری ایام کے متعلق تحریر کیا ہے کہ جب آپ کے آخری اوقات آ گئے تو آپ نے جہاں دیگر وصایا فرمائیں ان میں سے ایک وصیت یہ بھی فرمائی کہ میری مالی جائداد میں سے نصف مال لے کر بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر مال کے معاملے میں فروگزاشتیں ہوئی ہوں تو ان کا مداوا ہو جائے اور باقی مال صاف ہو سکے۔ اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح معاملہ فرمایا تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ

((ان معاوية اوصى بنصف ماله ان يرد الى بيت المال كانه اراده ان يطيب له الباقى لان عمر قاسم عماله))[1]

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے اموال کے سلسلے میں حتی المقدور قواعد شرعی کا لحاظ رکھا اور دینی احکام کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی حتیٰ کہ آخری وصایا میں بھی بیت المال کے متعلق اپنے ذاتی اموال میں سے نصف مال داخل بیت المال کرنے کی وصیت فرمائی۔

فلہذا معترض احباب نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اموال کے معاملے میں کتاب وسنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کا طعن ذکر کیا ہے وہ درست نہیں اور اس دور کے واقعات اس بات کے خلاف پائے جاتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس اعتراض سے ملوث نظر نہیں آتا اور قانون کی بالاتری کے خاتمے کا اعتراض سراسر بے جا معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۲، ۱۳۱ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوط عکسی ص ۵۲ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

توریث مسلم و کافر کا مسئلہ

معترض احباب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ طعن بھی قائم کیا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیا۔ یہ سنت طریقہ کے خلاف بدعت تھی۔ اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آ کر موقوف کیا۔

جواب

ناظرین کرام اس بات کو یاد رکھیں کہ توریث مذکورہ کا مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ ہے پھر تابعین اور تبع تابعین میں مختلف فیہ رہا، اور پھر اکابر فقہاء میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ پہلے ہم اس اختلاف کی نوعیت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کے بعد اس کے متعلقہ دیگر امور ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اس تمام بحث پر نظر کر لینے کے بعد اس مسئلہ کے نشیب و فراز سامنے آ جائیں گے اور معترضین کے اس اعتراض کی خفت اور سبکی کے ساتھ ساتھ اس کا بے محل ہونا بھی واضح ہو جائے گا۔ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ مسئلہ اس طرح تھا کہ

((لا یرث المسلم کافرا ولا الکافر مسلما))

''یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔''

اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ

((یرث المسلم من الکافر من غیر عکس))

اور اس کی دلیل ان حضرات کی طرف سے علماء نے جو لکھی ہے وہ مسند امام احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں باسند مذکور ہے:

((عن یحیی بن یعمر عن ابی الاسود الدیلی قال کان معاذ بالیمن فارتفعوا الیه فی یهودی مات وترك اخا مسلما فقال معاذ انی سمعت رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم يقول: "ان الاسلام يزيد ولا ينقص" فورثه))[1]

"یعنی ابو الاسود دیلی کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں تھے وہاں ایک یہودی مر گیا جس کا بھائی مسلمان ہو چکا تھا۔ لوگوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی توریث کا معاملہ پیش کیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ اسلام بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے، کم نہیں ہوتا۔ پس آپ نے مسلمان بھائی کو یہودی بھائی کا وارث قرار دیا۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبداللہ بن معقل مشہور تابعی نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے فیصلوں کے بعد میں نے کوئی بہترین قضا اور عجیب فیصلہ نہیں دیکھا جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب کے حق میں قضاء (فیصلہ) کیا تھا۔ وہ اس طرح تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں گے مگر اہل کتاب ہمارے وارث نہیں ہوں گے۔ جس طرح کہ ہمیں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز اور حلال ہے مگر ان کے لیے ہماری عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں۔

((حدثنا وكيع قال ثنا اسماعيل بن ابى خالد عن الشعبى عن عبدالله بن معقل قال ما رأيت قضاء بعد قضاء اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم احسن من قضاء قضى به معاوية فى اهل الكتاب۔ قال نرثهم ولا يرثوننا كما يحل لنا النكاح فيهم ولا يحل لهم النكاح فينا))[2]

اور سعید بن منصور رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((حدثنا سعيد قال ثنا هشيم قال انا اسماعيل بن أبى خالد عن الشعبى قال لما قضى معاوية بما قضى به من ذالك فقال عبدالله بن معقل ما احدث فى الاسلام قضاء بعد قضاء اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هو اعجب الى من قضاء معاوية انا نرثهم ولا يرثونا كما ان النكاح يحل لنا فيهم (اهل الكتاب) ولا يحل لهم فينا))[3]

---

[1] مسند امام احمد ص ۲۳۰-۲۳۶ ج ۵ تحت حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱۱ روایت نمبر ۱۱۴۹۶ تحت کتاب الفرائض طبع کراچی
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۳ ج ۵ تحت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامراء الی الیمن۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱۱ روایت نمبر ۱۱۴۹۷ تحت کتاب الفرائض طبع کراچی۔

[3] کتاب السنن (سعید بن منصور) ص ۴۵ ج ۳ ق اول تحت باب لا یتوارث اہل الملتین

دیگر تائید

ایک مشہور تابعی مسروق رحمہ اللہ ہیں، ان سے شعبی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ مسروق رحمہ اللہ نے فرمایا:

((عن الشعبی عن مسروق قال کان معاویة یورث المسلم من الکافر ولا یورث الکافر من المسلم قال قال مسروق (بن الاجدع) وما حدث فی الاسلام قضاء احب الی منه))[1]

یہ حضرات (عبداللہ بن معقل اور مسروق بن اجدع رحمہ اللہ) تابعین اور تبع تابعین میں سے مشاہیر لوگوں میں سے ہیں انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو احسن واعجب قرار دیا لیکن اس کو بدعت نہیں قرار دیا۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دلائل میں علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرات فرماتے تھے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ الاسلام یعلوا ولا یعلی۔ نیز یہ فرمان نبوی بھی بیان فرماتے تھے کہ الاسلام یزید ولا ینقص جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے۔ ان فرامین نبوی کی روشنی میں ان حضرات کا یہ فیصلہ تھا کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو ایک یہودی کی موت پر پیش آیا تھا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔

اس مقام کی مزید معلومات اور وضاحت مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کریں:

① المبسوط ص ۳۰ ج ۳۰ باب مواریث اہل الکفر

② فتح الباری ص ۴۱ ج ۱۲ باب لا یرث المسلم الکافر......الخ

③ عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۲۶۰ ج ۲۳ کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم......الخ

اس مقام کی تھوڑی سی وضاحت ذیل میں اکابر علماء کی عبارات سے پیش کی جاتی ہے۔ اکابر محدثین اور فقہاء نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے قول کے موافق مندرجہ ذیل علماء نے قول کیا ہے:

① ((وقول معاذ بن جبل و معاویة بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) وبه اخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفیة و محمد بن علی بن الحسین (رحمہم اللہ)))[2]

---

[1] مسند داری ص ۳۹۷ باب فی میراث اہل الشرک واہل الاسلام مطبوعہ کانپور قدیم
سنن سعید بن منصور ص ۴۴ ج ۳ قسم اول۔

[2] عمدۃ القاری (بدر الدین عینی) شرح بخاری شریف ص ۲۶۰ ج ۲۳ کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم......الخ

② ((وبه قال مسروق و سعيد بن المسيب و ابراهيم النخعي و اسحق))[1]

③ ((ذهب معاذ بن جبل و معاوية والحسن و محمد بن الحنفية و محمد بن علی بن الحسين و مسروق الى ارثه اخذا من حديث الاسلام يعلوا ولا يعلى۔ اخرجه الطبرانى فى الاوسط والبيهقى دلائل كذا ذكره الحافظ فى الدرايته))[2]

ان ہر سہ حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد نہیں ہیں بلکہ دیگر بعض صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور مشہور ہاشمی حضرات کا اس مسئلے میں یہی قول ہے۔ اسی طرح ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کتاب التمہید ص ۱۶۳ ج ۹ طبع جدید میں تحت اول حدیث لابن شہاب عن علی بن الحسین یہ مسئلہ مندرجہ تفصیل کے موافق نقل کیا ہے۔ فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں متفرد نہیں کہا جا سکتا اور وہ اس مسئلہ میں بدعت کے مرتکب نہیں قرار دیے جا سکتے۔

تنبیہ

بعض روایات میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ

((واول من ورث المسلم من الكافر معاوية))

تو اس کے متعلق اتنی بات معلوم ہونی چاہیے کہ یہ قول ابن شہاب زہری نے اپنی طرف سے ذکر کیا ہے یہ کسی صحابی کا قول نہیں۔ اور زہری کا یہ قول بھی متصل نہیں بلکہ مرسل ہے۔[3] علاوہ ازیں دیگر صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال اس کے برخلاف موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کے اول قائل قرار دینا درست نہیں۔ (جیسا کہ ماقبل میں درج ہے)۔

اسی طرح بعض دیگر علماء نے اس کو قضية محدثة فى الاسلام کہا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحقیق کو ساقط القول قرار دے کر رد کیا ہے۔ یہ ان کی متفردانہ رائے ہے ورنہ اس مسئلے پر دیگر صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے اقوال موجود ہیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی تائید پائی جاتی ہے۔

مختصر بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس دور کا مختلف فیہ اور مجتہد فیہ ہے۔ مندرجات بالا کی روشنی میں اس مسئلے کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اول قول کرنے والا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور قانون کی بالاتری کے خاتمے کے تحت لا کر اسے اسلامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دینا انصاف کے خلاف ہے اور زیغ عن الحق ہے۔

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۴۱ ج ۱۲ کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم

[2] حاشیہ موطا امام محمد ص ۳۱۷ باب لا یرث المسلم الکافر، طبع مصطفائی۔

[3] تاریخ یحییٰ بن معین ص ۲۲۱ ج ۳ تحت روایت نمبر ۱۰۲۷۔

مسئلہ دیت کی بحث

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والے احباب نے دیت[1] کے مسئلے میں بھی آپ کو مطعون کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ سنت طریقہ یہ تھا کہ معاہد (ذمی) کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوگی مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف دیت خود لینی شروع کر دی اور ذاتی تصرف میں لائے۔ اس طرح آپ نے یہ طریقہ سنت طریقہ کے خلاف رائج کیا اور بقول معترض اسلامی آئین کی خلاف ورزی کی۔

الجواب

اس مسئلے کے متعلق مختصراً بعض روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے مسئلہ ہذا کی نوعیت واضح ہو جائے گی۔ اس کے بعد اصل طعن کا جواب ان روایات کی روشنی میں پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مشہور صحابی ذکر کرتے ہیں کہ

((لما دخل رسول الله ﷺ مكة عام الفتح قام في الناس خطيبا فقال يا ايها الناس! لا يقتل مؤمن بكافر دية الكافر نصف دية المسلم ... الخ)) [2]

یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ ابوداود مرفوعاً درج ہے:

((لا يقتل مؤمن بكافر (اى الحربى) دية الكافر نصف دية المسلم لا جلب ولا جنب ... الخ))

((وفى رواية قال دية المعاهد نصف دية الحر۔ رواه ابوداود)) [3]

"یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جناب نبی اقدس ﷺ عام الفتح میں جب مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آنجناب ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے

---

[1] قتل کے بدلے میں مالی معاوضے کو دیت کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

[2] مسند امام احمد ص ۱۸۰ ج ۲ تحت مسندات عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

[3] مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۲ باب الدیات الفصل الثانی۔

لوگو! مومن شخص کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور کافر کی دیت مسلم کی دیت سے نصف ہوگی۔''

''اور ایک دوسری روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاہد (ذمی) کی دیت حر (آزاد) کی دیت کے نصف ہوگی۔''

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مسئلے میں نصف دیت کے ارشادات بھی موجود ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہ اللہ کے بعض اقوال میں دیت اہل الذمہ کے تحت یہی منقول ہے کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلے میں نصف ہوتی ہے۔

اگرچہ اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوتی ہے اور بہت سے اکابر فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے اور اس پر مرفوع روایات بھی موجود ہیں۔ اس بنا پر اکابر فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے جیسا کہ ہم نے مختصراً پیش کر دیا ہے اس مسئلے کی تفصیلات مع دلائل مطولات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نصف دیت کا جو قول کیا ہے یہ ان کا متفرد قول نہیں ہے، ان کے سامنے مرفوع روایات اور بعض دیگر دلائل موجود ہیں اس بنا پر ان کا یہ قول قابل اعتراض نہیں ہے اور نہ اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے اور نہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی اس دور کے مختلف فیہ اور مجتہد فیہ مسائل میں سے ہے، اس کو بدعت قرار دینا درست نہیں۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بااختیار حاکم اور امیر المومنین تھے اور اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ انھوں نے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت اپنے اجتہاد فکر سے اس مسئلہ میں نصف دیت کی صورت اختیار کی جبکہ مندرجہ بالا مرفوع مرویات بھی ان کی تائید میں موجود ہیں اور اس موقف کی موید ہیں۔

نصف دیت کا خود لے لینا

معترضین نے اپنی عبارات میں یہ تاثر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت مقتول کے ورثاء کو دیتے تھے اور باقی نصف خود لے لیتے تھے۔ اس کے متعلق محدثین اور فقہاء کے مندرجہ ذیل حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اصل مسئلے کی نوعیت سامنے آ جائے گی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بقایا نصف دیت خود نہیں لیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کراتے تھے۔

① مشہور محدث ابوداود سجستانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المراسیل میں باب دیۃ الذمی کے تحت یہ مسئلہ بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((وعن ربیعة بن عبدالرحمن قال کان عقل الذمی مثل عقل المسلم فی زمن

رسول الله ﷺ وزمن أبی بکر و زمن عمر و زمن عثمان حتی کان صدر من خلافة معاویة فقال معاویة ان کان اهله اصیبوا به فقد اصیب به بیت مال المسلمین فاجعلوا لبیت المسلمین النصف ولاهله النصف خمسمائة دینار))[1]

"یعنی ربیعہ بن عبدالرحمٰن (تابعی) ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔ حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں جب یہ صورت پیش آئی تو آپ نے فرمایا کہ ذمی کے اہل وعیال کو اگر نقصان پہنچا ہے اور وہ مصیبت زدہ ہوئے ہیں تو مسلمانوں کے بیت المال کا بھی نقصان ہوا ہے۔ پس اس طرح کرو کہ دیت کا نصف ذمی کے اہل وعیال کو دے دو اور باقی نصف مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دو۔ اس دور میں نصف دیت کی مالیت پانچ صد دینار تھی چنانچہ پانچ پانچ صد دینار بیت المال اور ذمی کے اہل وعیال میں تقسیم کر دیے گئے۔"

حوالہ ہذا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ محدثین حضرات کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ایک خلیفہ تھے اسی لیے ان کی حکومت کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ روایت مذکورہ بالا کے الفاظ سے واضح ہے۔

دوسرا یہ مسئلہ واضح ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت اپنے لیے نہیں لیتے تھے بلکہ اسے بیت المال میں داخل کروایا کرتے تھے۔ نصف دیت خود لینے کا پروپیگنڈا درست نہیں۔

② اب مسئلے پر دوسرا حوالہ فقہ کی ایک مشہور کتاب الدیات سے پیش کیا جاتا ہے:

((کانت (دیة الذمی) علی عهد رسول الله ﷺ الف دینار وابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم حتی کان معاویة رضی اللہ عنہ اعطی اهل القتیل خمس مائة دینار ووضع فی بیت المال خمس مائة دینار))[2]

"یعنی امام ابوبکر احمد بن عمرو رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ذمی کی دیت جناب نبی کریم ﷺ اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایک ہزار دینار تھی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے مقتول کے رشتہ داروں کو پانچ سو دینار دلوائے اور پانچ سو دینار بیت المال میں داخل کرائے۔"

③ اور مشہور مالکی فاضل ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد (کتاب الدیات) میں بھی مسئلہ ہذا اسی طرح ذکر

---

1. المراسیل (ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی التوفی ۲۷۵ھ) ص ۲۹ طبع مصر تحت باب دیۃ الذمی
2. کتاب الدیات (امام ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم ضحاک شیبانی متوفی ۲۸۷ھ) ص ۳۶ باب دیۃ الذمی
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۰۲ ج ۸
بدایۃ المجتہد (ابن رشد) تحت کتاب الدیات

کیا ہے۔

اکابر فقہاء کے حوالہ سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت اپنی ذات کے لیے نہیں لیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کراتے تھے۔ فلہٰذا نصف دیت خود لے لینے کا الزام ان تصریحات کے خلاف ہے اور بالکل بے جا الزام ہے۔

لفظ "لنفسہ" کا جواب

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ بعض روایات میں جو یہ الفاظ "اخذ لنفسہ" کے پائے جاتے ہیں یہ اس مسئلہ میں عموماً ابن شہاب زہری کی طرف سے اپنی تعبیر ہے اور یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں۔ یعنی یہ الفاظ کسی صحابی کا قول نہیں ہے اور واقعات کے برخلاف ہے جیسا کہ گزشتہ حوالہ جات سے واضح ہے۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ صغار تابعین میں سے ہیں اور ثقہ شخص ہیں لیکن یہ قول ان کا روایت میں بطور ادراج کے مذکور ہے۔ اور مسئلہ مذکور کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ عام طور پر ان روایات پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض ناقلین روایات نے یہ اپنی رائے ذکر کی ہے۔ فلہٰذا ان کے ذاتی نظریہ کی وجہ سے (جو واقعات کے برخلاف ہو) کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون نہیں کیا جا سکتا اور ان کی شان دیانت میں اس قول سے تنقیص واقع نہیں کی جا سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ نصف دیت خود لے لینے کا طعن ایک راوی کے قول کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے جو واقعات کے اعتبار سے درست نہیں فلہٰذا قانون کی بالاتری کے خاتمے میں اس مسئلے کو لا کر طعن قائم کرنا کسی صورت میں صحیح نہیں۔

مسئلہ ہذا کے متعلق مالہ و ماعلیہ اور اس کے نشیب و فراز کو افراط و تفریط کے بغیر ہم نے پیش کر دیا ہے، منصف مزاج آدمی اس سے مطمئن ہو سکے گا۔ باقی ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ واللہ الہادی۔

یمین مع الشاہد کا مسئلہ

بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعات کے ارتکاب کا ایک سلسلہ چلایا ہوا ہے اور آپ کے متعلق اولیات معاویہ کے عنوان سے کئی چیزوں کا ان کی طرف انتساب کیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی چلایا ہے کہ یمین مع الشاہد بدعت ہے اور اس کو پہلے کھڑا کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان مسائل میں سنت طریقہ کے برخلاف دین میں ایک نئی چیز قائم کرنے والے ہیں۔

الجواب

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مخالفین جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ درست نہیں، یہ یک گونہ اور یکطرفہ کارروائی ہے۔ اور اس مسئلہ کی دوسری جانب کو طعن کرنے والے دوستوں نے قصداً پیش نہیں کیا تاکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس طعن میں خفت ظاہر نہ ہو اور اعتراض میں ایک قسم کی سبکی پیدا نہ ہو جائے۔ واضح رہے کہ ہم پہلے اس مسئلے کی دوسری جانب قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر دیگر جواب جو قابل ذکر ہوں گے وہ پیش کریں گے۔

عوام دوستوں کے لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ ''یمین مع الشاہد'' کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً ایک دعویٰ ہو، اس میں دلائل پیش کرنے کے لیے ایک گواہ پیش کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ ایک حلف اٹھوا دیا جائے تو اس کو ''یمین مع الشاہد'' کہا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کی مشہور صورت ہے کہ دعویٰ میں مدعی کے ذمہ شہادت پیش کرنا ہوتا ہے مدعا علیہ کے ذمہ حلف ہوتا ہے (اگر شہادت نہ مل سکے) اور یہی جمہور علمائے حنفیہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ ہے۔ لیکن مسئلہ ہذا کی دوسری جانب یہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''القضاء بشاہد ویمین'' جائز ہے، اور مرفوع روایت یہ پیش کرتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمین وشاھد))[1]

اور نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ

---

[1] سنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۷۲-۱۷۳ ج ۱۰ باب القضاء بالیمین مع الشاہد۔

((انه حلف المدعى فبناء على مذهبه لانه كان يحلف مع تمام حجة القضاء بالبينة))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک تھا کہ شاہد کے ساتھ حلف بھی لیتے تھے۔''

اور کبار فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے (جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا) شوافع حضرات اس طرف ہیں کہ یمین اور شاہد ملا کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے (کتب شوافع کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے) اور دیگر فقہاء اس مسئلہ میں دوسرا قول کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ محلّی لابن حزم میں درج ہے کہ

((قال عطاء اول من قضى به عبدالملك بن مروان))[2]

''یعنی عطا رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلے پہل حلف مع شاہد فیصلہ کرنے کا طریقہ اپنے دور میں عبدالملک بن مروان نے جاری کیا تھا۔''

یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں یہ طریقہ اختیار کرنے والا عبدالملک مروانی خلیفہ ہے تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس طعن کا بوجھ کیسے ڈالا جا رہا ہے؟ قابل غور بات ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں دوسری جانب مرفوع روایات بھی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے اقوال بھی ہیں اور اکابر فقہاء کے فرامین بھی موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قضا بالیمین مع الشاہد کا اگر قول کیا ہے تو اس کو اول اول کہہ کر بدعت شمار کرنا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نفرت پھیلانا کون سا دیانتدارانہ طریق ہے؟ اور کون سا کار خیر ہے؟

مطلب یہ ہے کہ اول من قضى به معاوية روایات میں موجود ہے لیکن یہ ابن شہاب زہری کا اپنا متفردانہ قول ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ قول ایک تابعی کا مرسل ہے جو ایک متفرد قول کی حیثیت رکھتا ہے۔ وما وجدنا له متابعا حتى الان پھر اس کو پیش نظر لا کر مشاہیر صحابہ کو مطعون کرنا اور انھیں قابل نفرت قرار دینا قرین انصاف و دیانت نہیں ہے۔ اس مسئلے میں نہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بدعت کے مرتکب ہو کر قابل اعتراض ہیں اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدعتی ہیں۔ یہ ان کے دور کا نظریاتی و اجتہادی مسئلہ تھا جس میں ان حضرات نے اپنی اپنی صوابدید پر عمل کیا۔ اس طرح کے بے شمار مسائل عہد صحابہ میں پائے جاتے ہیں۔ معترض دوست ان مسائل پر اعتراض و طعن کا رنگ پیدا کر کے عوام میں سوءظنی پھیلانا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ (انما لامرا ما نوى)

---

[1] المبسوط (سرخسی) ص ۳۴ ج ۱۷ کتاب الدعوی۔ طبع اول مصر

[2] الجوہر النقی علی السنن البیہقی (ترکمانی) ص ۱۷۵ ج ۱۰ طبع اول دکن، باب القضاء بالیمین مع الشاہد

اعلاء السنن ص ۳۸۱ ج ۱۵ کتاب الدعوی تحت مسئلہ الیمین مع الشاہد۔

جالساً (بیٹھ کر) خطبہ دینا

اعتراض کرنے والوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن بھی وارد کیا جاتا ہے کہ جمعۃ المبارک اور عیدین کے خطبات کھڑے ہو کر ادا کرنا سنت ہے، بیٹھ کر خطبہ دینا سنت نبوی کے خلاف ہے۔ جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اولاً بیٹھ کر خطبہ دیا اور سنت کے خلاف رسم ڈالی۔

ازالہ

اس طعن کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں ان پر نظر ڈال لینے کے بعد طعن زائل ہو جائے گا۔ ایک قدیم مورخ یعقوب بن سفیان بسوی نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو امام اوزاعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((حدثنی العباس قال: أخبرنی ابی قال: سمعت الاوزاعی قال کان معاویة بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما)اول ما اعتذر الی الناس فی الجلوس فی الخطبة، الاولی فی الجمعة ولم یصنع ذالك الا لکبر سنه وضعفه))[1]

اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے میمون و شعبی رحمہما اللہ سے جلوس فی الخطبہ کی معذرت کا مسئلہ بسوی کی طرح نقل کیا ہے۔ تاریخ ابن عساکر ص ۷۴۳ ج ۱۶ (مخطوطہ) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

''یعنی امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے جمعہ کے پہلے خطبہ میں بیٹھنے کے لیے لوگوں کے سامنے معذرت کی تھی اور یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ سن رسیدہ اور ضعیف ہو چکے تھے (یعنی کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی طاقت نہیں رہی تھی)۔''

یہ تو ایک قدیم مورخ کا بیان ہے جسے امام اوزاعی رحمہ اللہ جیسے معتمد شخص نے نقل کیا ہے اور اس میں واضح طور پر بیٹھ کر خطبہ دینے کی معذرت کرتے ہوئے علت ذکر کر دی ہے۔ اب اس کے بعد اس مسئلہ میں قدیم محدثین کی چند ایک روایات پیش خدمت ہیں جن میں جلوس فی الخطبہ کی معذرت کا مسئلہ واضح طور پر مذکور ہے:

[1] کتاب المعرفہ والتاریخ ص ۴۷۹ ج ۲ تحت اللیث بن سعد۔

① ((جعفر بن محمد عن أبيه قال فلما كان معاوية استأذن الناس فى الجلوس فى احدى الخطبتين وقال انى قد كبرت وقد أردت اجلس احدى الخطبتين فجلس فى خطبة الاولىٰ))[1]

② ((قال: اول خطب قاعدا معاوية قال ثم اعتذر الى الناس ثم قال انى اشتكى قدمى))[2]

③ اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی یہی معذرت اپنے سنن کبریٰ میں باسند ذکر کی ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ جالساً یعنی بیٹھ کر خطبہ دینا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معذوری کی بنا پر تھا اور عذر کی بنا پر جو فعل ادا کیا جا سکتا ہے وہ قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر ان کبار محدثین نے بیٹھ کر خطبہ دینے کی معذرت ذکر کر دی ہے۔ فلہذا اول من احدث کا اعتراض ساقط ہے اور مقولہ مشہور ہے کہ والعذر عند كرام الناس مقبول۔

مزید چیز یہ ہے کہ حالت عذر میں فرض نماز میں قیام (جو فرض ہے) معذور نمازی سے ساقط ہو جاتا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت عذر اور تکلیف میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا ثابت ہے (اس مسئلے پر کسی کتابی حوالہ کی چنداں ضرورت نہیں) تو جمعہ کے خطبہ میں قیام فرض نماز کے قیام سے زیادہ اہم نہیں۔ پس نماز میں قیام جب ساقط ہو سکتا ہے تو جمعہ کے خطبہ میں بھی بحالت عذر ساقط ہوگا۔ فلہذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت عذر کے اس فعل پر اعتراض وارد کرنا درست نہیں۔

---

۱ مصنف عبدالرزاق ۱۸۸-۱۸۹ ج ۳ طبع مجلس علمی
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۸، ۶۹، ۱۰۶ ج ۱۴ کتاب الاوائل طبع کراچی

۲ السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۹۷ ج ۳ کتاب الجمعہ باب الخطبۃ قائما۔

مقصورہ میں نماز ادا کرنا

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی نماز کے لیے مخصوص مقام دوسرے مسلمانوں سے الگ تجویز کیا ہوا تھا یہ چیز سنت نبوی کے خلاف ہے اور یہ نوعیت ایک گونہ تکبر کی علامت ہے جو مومنین کی شان کے لائق نہیں۔

ازالہ

اس اعتراض کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں درج کی جاتی ہیں ملاحظہ فرمائیں، ان سے شبہ ہذا زائل ہو سکے گا:

ایک چیز تو یہ ہے کہ مقصورہ اس مقام کو کہتے ہیں جو مساجد میں مسلمانوں کے امیر کے لیے بطور تحفظ و تحصن کے تجویز کیا جاتا ہے اور یہ ایک حفاظتی تدبیر تھی جو اس دور کی ضرورت کے تحت عمل میں لائی گئی۔ چنانچہ اس سلسلے میں قدیم مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کے بعد پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقصورہ خام اینٹوں سے تیار کرایا تھا اور اس میں ایک دریچہ تھا جس سے مقتدی لوگ اپنے امام کے احوال سے مطلع رہتے تھے اور اس مقصورہ کی نگرانی پر ایک شخص سائب بن خباب مقرر تھے...... الخ

((ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اول من وضع المقصورة من لبن واستعمل علیها السائب بن خباب وکان رزقه دینارین فی کل شهر))[1]

اس تدبیر کی وجہ یہ ہوئی کہ اس دور کے اعدائے اسلام مثلاً خوارج وغیرہ خلفائے اسلام پر ناگہانی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ خوارج کی طرف سے خلفاء کی زندگی گویا غیر محفوظ ہوگئی تھی۔ جیسا کہ حضرت علی، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم پر ایک ہی تاریخ میں ایک منصوبہ کے تحت ان لوگوں نے حملہ کیا تھا جس کی تفصیلات اپنی جگہ مذکور ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حفاظتی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی مقصورہ تیار کرایا تھا اور اس میں خلفاء اپنے معتمدین کے ساتھ مل کر نماز ادا کیا کرتے تھے اور یہی چیز طبری نے بعبارت ذیل نقل کی ہے:

---

[1] تاریخ مدینہ (ابن شبہ) ص ۶ ج ۱
وفاء الوفاء (سمہودی) ص ۵۱۰-۵۱۱ ج ۲ تحت الفصل الخامس العشر (۱۵) الصلوٰۃ فی المقصورہ۔

((وامرمعاوية عند ذالك بالمقصورات وحرس الليل وقيام الشرط على رأسه اذا سجد))[1]

مقصورہ ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نماز ادا کی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کی۔

((ان كريبا مولى ابن عباس اخبره انه رأى ابن عباس يصلى فى المقصورة مع معاوية))[2]

نیز محدثین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مشہور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کی۔

((الثورى عن عبدالله بن يزيد الهذلى قال رأيت انس بن مالك رضي الله عنه يصلى مع عمر بن عبدالعزيز فى المقصورة))[3]

یہ مقصورہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور میں ساج (ساگوان) کی لکڑی سے تیار کروایا تھا۔

اسی طرح محدثین لکھتے ہیں کہ سائب بن خلاد انصاری رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جمعہ مقصورہ میں ادا فرمائی اور اس کے بعد ان کا ایک مسئلے میں آپ کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق فرمان ذکر کیا کہ فرض نماز کے بعد دوسری نماز کے درمیان کوئی کلام کرنا چاہیے یا اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیے تاکہ دونمازوں کے درمیان وصل نہ رہے (یعنی فصل ہوجائے)۔

((وعن عمرو بن عطاء قال ان نافع بن جبير أرسله الى السائب ليسأله عن شيء راٰه منه معاوية فى الصلوة فقال نعم صليت معه الجمعة فى المقصورة فلما سلم الامام قمت فى مقامى فصليت فلما دخل أرسل الى فقال لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتى تكلم او تخرج فان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرنا بذالك ان لا نوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج)) (رواہ مسلم)[4]

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ مقصورہ میں نماز ادا کرنا کوئی بدعت نہیں۔ یہ

---

۱ تاریخ الامم والملوک (ابن جریر طبری) ص ۸۶ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ

۲،۳ مصنف عبدالرزاق ص ۴۱۴ ج ۲ باب الصلوٰۃ فی المقصورہ

۴ مشکوٰۃ ص ۱۰۵ تحت باب السنن وفضائلہا، الفصل الثالث، طبع نور محمدی

ایک حفاظتی تدبیر ہے اور اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد نہیں تھے اس کی ابتداء عثمانی دور سے ہو چکی تھی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ مقصورہ میں مل کر نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس مسئلے میں کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ فلہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل حجت ہے اور اس سے اس کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ معترض کا اعتراض بے جا ہے اور اس کی اپنی لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے۔

خطبہ واذان قبل العید

جن لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں مطاعن پیدا کرنے کا شوق ہے اور ان کے عہد کو خلاف سنت قرار دینے کی دلی آرزو ہے وہ کئی قسم کے فروعی مسائل کو پیش نظر رکھ کر عوام میں ایک قسم کا ذہنی انتشار پیدا کرنے اور سوء ظنی کی فضا قائم کرنے کے خواہش مند ہیں حالانکہ یہ چیز دین اسلام کے اجتماعی تقاضوں کے خلاف ہے اور اتحاد ملت کی فضا کو مکدر کرنے کی مساعی ہیں جو کسی طرح بھی دین میں مستحسن نہیں۔

معترضین اس سلسلے میں مندرجہ ذیل چیزیں بھی ذکر کیا کرتے ہیں

((اول من احدث خطبة قبل الصلوٰة فی العید معاویة))

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھنے کو اولاً رائج کیا۔''

اور اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز سے پہلے اذان کی ابتدا کی۔

((اول من احدث الاذان فی العید معاویة))

مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں سنت طریقہ کے برخلاف ہیں اور ان کو اولاً رائج کرنے والے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔ فلہٰذا وہ بدعات کے مرتکب ہیں۔

الجواب

مندرجہ بالا امور کے جواب کے لیے ذیل میں چند اشیاء پیش کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں، مذکورہ شبہات کے ازالہ میں مفید اور باعث اطمینان ہوں گی:

① گزارش ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منصب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حاصل کر کے آنے والی امت کو پہنچانے والے ہیں اور حصول دین کے لیے پیغمبر اور ان کی امت کے درمیان مضبوط واسطہ اور قوی رابطہ ہیں اور ہم تک شریعت اسلام پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ اس بنا پر ان حضرات نے جو دین نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا وہی انھوں نے امت کو پہنچایا اور اسی دین اسلام کے احیا اور بقا کے لیے انھوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ اس چیز پر ان کے اعمال واقوال شاہد کامل ہیں۔

چنانچہ نماز کے مسائل میں اتباع سنت کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث میں مذکور

ہے کہ

① ایک بار نافع بن جبیر نے عمرو بن عطاء رحمہ اللہ کو سائب رحمہ اللہ کی طرف اس مسئلے کی دریافت کے متعلق روانہ کیا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نماز کے متعلق ذکر کیا تھا تو اس موقع پر سائب نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں نے ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی مقام پر کھڑا ہو گیا اور میں نے کچھ نوافل ادا کیے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے تو مجھے بلا بھیجا اور فرمایا کہ جس طرح تو نے اب کیا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد اسی مقام پر نوافل پڑھ لیے ہیں اس طرح پھر نہ کرنا، حتیٰ کہ یا تو کلام کر لے یا اس جگہ سے ہٹ جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح حکم دیا تھا کہ ہم نماز باجماعت کے ساتھ باقی نماز ملا کر نہ پڑھیں حتیٰ کہ باہم کلام کر لیں یا اس جگہ سے الگ ہو جائیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول درج ہے:

((فلما دخل ارسل الی فقال لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتى تكلم أو تخرج فان رسول الله ﷺ أمرنا بذالك ان لا نوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج)) (رواہ مسلم)[1]

② اسی طرح ایک دوسرا قول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرماتے تھے کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا مگر اس کو یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔ چنانچہ مجمع الزوائد (ہیثمی) میں ہے کہ

((وعن أبی درداء رضي الله عنه قال ما رأيت احدا بعد رسول الله ﷺ اشبه صلوة برسول الله ﷺ من اميركم هذا يعنى معاويه)) (رواہ الطبرانی)[2]

یہاں سے معلوم ہوا کہ دیگر مسائل کے علاوہ نماز کے مسائل میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے خلاف بالکل نہیں کرتے تھے اور مندرجہ بالا روایات اس چیز پر قرائن ہیں کہ سنت نبوی پر عمل کرنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا تو خطبہ اور اذان کے مسائل میں انھوں نے خلاف سنت کیسے عمل درآمد کر لیا؟ اب کوئی شخص یا کوئی راوی یہ آواز دیتا ہے کہ فلاں صحابی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاریہ کے خلاف عمل کیا اور کرایا تو یہ بات قابل مسموع نہ ہوگی اور اس کے متفردانہ اور شاذ قول کو جو کسی صحابی کی دیانت کے متصادم ہو قبول نہیں کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اقوال شاذہ کے لیے قاعدہ ہے کہ الثقة اذا شذ لا يقبل ما شذ فيه[3] یعنی ثقہ شخص اگر شاذ قول کرے تو وہ قول قبول نہیں کیا جاتا۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵ (طبع قدیم) تحت باب السنن وفضائلہا الفصل الثالث (بحوالہ مسلم شریف ص ۲۸۸ ج ۱ آخر کتاب الجمعہ)

[2] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸ ج ۶ طبع ملتان

تدریب الراوی (سیوطی) ص ۱۴۶ تحت النوع ۱۳۰ (الشاذ)

مسئلہ بالا کی طرف توجہ فرمائیں کہ عید کی نماز سے قبل خطبہ پڑھنے کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں قول کرنا جناب علامہ زہری کا متفردانہ قول ہے جو انھوں نے اپنی طرف سے کہا ہے اور اس دور کے کسی صحابی کا قول پیش نہیں کیا اور نہ اس کا متابع ملا اور بعض دفعہ ابن شہاب زہری وغیرہ اس طرح متفرد قول ذکر کر دیا کرتے ہیں جس کو شاذ کہا جاتا ہے۔ فلہٰذا اس نوع کے اقوال کے پیش نظر ایک مشہور صحابی کے حق میں یوم عید میں خطبہ قبل الصلوٰۃ اور اذان کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

نیز اس مسئلہ کی صورت حال یہ ہے کہ بعض روایات کے اعتبار سے عید الفطر میں نماز عید سے قبل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اولاً خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایت دستیاب ہوتی ہے کہ آپ نے قبل صلوٰۃ العید خطبہ ارشاد فرمایا۔

ان روایات کے اعتبار سے اس مسئلہ میں ابتدا کرنے والے حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما ہیں۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مسئلے میں سبقت کرنے والے قرار نہیں دیے جاسکتے۔

ایک توجیہ

اس مقام پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ جیسے شارح حدیث نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف سے ان حضرات کے اس فعل کی توجیہ ذکر کی ہے کہ

((ان الحسن البصری قال اول من خطب قبل الصلوة عثمان صلی بالناس ثم خطبهم يعنى على العادة فرای ناسا لم يدركوا الصلوة ففعل ذالك ای صار يخطب قبل الصلوة...... الخ))[1]

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات نماز عید سے قبل بیشتر لوگ نہیں پہنچ سکتے تھے ان کو نماز عید میں شامل کرنے کے لیے اور ان کے ادراک الصلوٰۃ کی خاطر نماز عید سے قبل بطور پند و نصائح کچھ ارشادات ان حضرات نے حاضرین کے سامنے فرمائے تاکہ اس قلیل سی تاخیر کے ذریعے سے بعد میں آنے والے لوگ نماز میں شامل ہوسکیں۔ اور پھر نماز عید کے بعد خطبہ مسنونہ پڑھا گیا۔

اب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی اس توجیہ کے پیش نظر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے قبل خطبہ دیا تھا تو وہ اسی نوع کی ضرورت کے تحت نماز عید سے پہلے کچھ ارشادات فرمائے تھے تاکہ لوگ مجتمع ہو کر نماز میں شامل ہوسکیں (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف (ابن حجر عسقلانی) ص ج ۲ تحت باب المشی والرکوب الی العید ...... الخ

اسی بیان کو راویوں نے خطبہ سے تعبیر کر دیا) جب کہ نماز عید کے بعد خطبہ مسنونہ حسب قاعدہ پڑھا گیا۔

اب صورت مسئلہ ہذا واضح ہوئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کی اور اس مسئلہ میں کسی بدعت کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ حکمت عملی کے طور پر بعض دفعہ انھوں نے قبل الصلوٰۃ کچھ چیزیں بیان کیں۔

طعن دوم کا تجزیہ

اب دوسرے طعن کے متعلق یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ نماز عید سے قبل اذان کا احداث (بدعت) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منسوب کرنا بھی ایک تابعی کے ایک شاذ قول کے ذریعہ سے ہے اس دور کے کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں۔ نیز اس قول کا متابع نہیں دستیاب ہوا اور متابع کا نہ پایا جانا عدم قبول کے لیے کافی ہے۔ معترض احباب اس قسم کے شاذ اقوال اور منقطع روایات تلاش کر کے مطاعن کو پختہ کرتے ہیں اور ان کی تشہیر میں کوشاں رہتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مرسل قول کے ذریعے سے کسی صحابی کی دیانت داری کو مجروح نہیں کیا جا سکتا اور ان کے دینی وقار کو گرایا نہیں کیا جا سکتا۔ درآں حالے کہ ان کے متابع بھی میسر نہیں آئے۔ نیز حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی سابقہ توجیہ کی طرح یہاں بھی اس بات میں گنجائش ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عید کی نماز سے قبل بعض دفعہ عوام کے شمول کے پیش نظر نماز کے قیام کی اطلاع عام کرائی گئی ہو تا کہ لوگ بروقت نماز میں شریک ہو سکیں۔ روایت کے ناقلین نے اسی عمل کو اذان سے تعبیر کر دیا ہو۔ یہ احتمال اس میں ہو سکتا ہے۔ لیکن نماز عید سے قبل باقاعدہ معروفہ اذان (صلوٰۃ) جاری کر دی گئی ہو یہ ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ہم نوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور معمول کے برخلاف ہے اور اس دور کے واقعات بھی اس چیز کی تائید نہیں کرتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعض واقعات

مسئلہ ہذا کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے چند واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے معمولات کے ذریعے سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ عید کی نماز سے قبل نہ اذان ہوتی تھی اور نہ خطبہ عید ہوتا تھا۔

① محدثین وفقہاء نے مندرجہ ذیل روایت اپنی سند کے ساتھ ذکر کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

((ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه انه كان في مسجد الكوفة و معه حذيفة و ابو موسى (رضي الله عنهما) حتى خرج عليهم الوليد بن عقبة وهو امير الكوفة فقال غدا عيدكم فكيف اصنع فقالوا اخبره يا ابا

عبدالرحمن فأمره عبدالله بن مسعود (رضی اللہ عنہ) ان يصلى بغير اذان ولا اقامة وان يكبر فى الاولى خمسا وفى الاخيرة اربعا ويوالى بين القراءتين و يخطب بعد الصلوة على راحلته))[۱]

''یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے استاذ حماد رحمہ اللہ سے ذکر کرتے ہیں اور حماد رحمہ اللہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ذکر کرتے ہیں اور ابراہیم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ابوعبدالرحمٰن) سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے اور ان کے ہمراہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تشریف رکھتے تھے۔ اسی دوران میں کوفہ کے امیر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ کل عید ہے اس کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے، اسے میں کس طرح ادا کروں؟ تو ان حضرات صحابہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ولید بن عقبہ کو اس کا جواب فرما دیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ آپ عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھیں۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہیں اور دونوں قراءتیں لگاتار ادا کریں اور نماز کے بعد اپنی سواری پر (بیٹھ کر) خطبہ عید پڑھیں۔''

یہاں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں عید کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے ادا کی جاتی تھی اور خطبہ عید بعد الصلوٰۃ پڑھا جاتا تھا۔ غالباً یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے اس دور میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر تھے۔ ان کو نماز عید ادا کرنے کا پورا طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعلیم فرمایا اور اسی کے مطابق کوفہ کے حاکم نے نماز عید پڑھائی۔ پھر اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ولایت کے دوران میں اسی کے مطابق عمل جاری رکھا جیسا کہ آئندہ سطور میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۲) چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی تھے ان کے متعلق مندرجہ ذیل روایت موجود ہے کہ

۱۔ ((عن سماك قال بلغنى انه شهد المغيرة بن شعبة فى يوم عيد۔ فصلى بهم قبل الخطبة بغير اذان ولا اقامة))[۲]

۲۔ ((عن سماك بن حرب عن مغيره بن شعبة رضی اللہ عنہ انه صلى يوم عيد بغير اذان ولا اقامة))[۳]

''یعنی مطلب یہ ہے کہ عید کے روز مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بغیر اذان اور اقامت کے نماز

۱۔ فتح الباری شرح بخاری شریف (ابن حجر عسقلانی) ص ج ۲ تحت باب المشی والرکوب الی العید ... الخ
۲۔ مصنف عبدالرزاق ص ۲۷۸ ج ۳ تحت باب الاذان لہما (عیدین) بیروت
۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۸-۱۶۹ ج ۲ تحت بحث ہذا (طبع دکن)

پڑھائی۔''

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے علاقہ کے والی و حاکم تھے۔ یہ حضرات اس دور میں اذان و اقامت کے بغیر عید کی نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ یہ چیز عام دستور شرعی کے مطابق ہے اور اس دور کا دوامی معمول بھی یہی ہے۔

نیز اس دور کا ایک دیگر واقعہ احادیث میں موجود ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمان نبوی کی اتباع میں اپنی پوری سعی کرنے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے اور یہ واقعہ بھی عید اور جمعہ سے متعلق ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عید اور جمعہ ایک روز میں جمع ہو گئے تو آپ نے اپنے دور کے مشہور صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے سامنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوئے تھے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میری موجودگی میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام میں عید اور جمعہ ایک روز میں مجتمع ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کیا؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز عید ادا فرمائی اور پھر اس کے بعد جمعہ کے متعلق دور سے پہنچنے والوں کے لیے رخصت عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص چاہے یہیں نماز جمعہ میں بھی شریک ہو جائے (اور جو شخص نماز جمعہ سے قبل جانا چاہے واپس جا سکتا ہے)۔

((عن اياس بن أبى رملة قال شهدت معاوية (رضي الله عنه) يسئل زيد بن ارقم (رضي الله عنه) اشهدت مع النبى صلى الله عليه وسلم عيدين اجتمعا فى يوم قال نعم قال فكيف صنع؟ قال صلى العيد ثم رخص فى الجمعة فقال من شاء ان يصلى فليصل))[1]

مطلب یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعات سے نماز عید کے مسنون طریقے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں واضح طریقے سے سامنے آ گئے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز کے مسائل میں اور خصوصاً عید کے مسائل میں بھی اتباع سنت کی خاص رعایت رکھتے تھے اور اپنے دور کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان مسائل میں حسب موقع راہنمائی حاصل کرتے تھے اور ان کے دور میں معمولات کے مطابق عمل کرتے تھے۔ تاہم اس مسئلہ پر اگر مزید قرائن و شواہد مطلوب ہوں تو ہماری تالیف سیرت و سوانح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور چہارم فصل ہفتم تحت عنوان ''اتباع سنت'' کی طرف رجوع کریں وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اتباع سنت کو ملحوظ رکھنا بیان کیا گیا ہے اور بیشتر مواد حدیث سے پیش کیا ہے۔

---

[1] سنن دارمی ص ۲۰۰ باب اذا اجتمع عیدان فی یوم، طبع کانپور۔

بنا بریں آپ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اذان اور خطبہ قبل صلوٰۃ العید کے کیسے مرتکب ہو سکتے تھے؟[1]
فلہٰذا جو چیز اس کے خلاف پائی جاتی ہے وہ شاذ کے درجے میں ہے اور شاذ روایات کے ذریعے سے مقتدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا ہرگز درست نہیں۔

درایت کے اعتبار سے

قبل ازیں چند چیزیں باعتبار روایت کے پیش کی گئی ہیں، اب باعتبار درایت کے درج ذیل اشیاء پر نظر فرمائیں:

- طعن پیدا کرنے والے احباب کے ذمے ہے کہ یہ بات واضح کریں کہ خطبہ قبل صلوٰۃ العید اور اذان قبل صلوٰۃ العید کو کس سنہ اور کس سال میں جاری کیا گیا؟
- تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا اجراء کیا گیا یا صرف بلاد شام میں؟
- جس علاقہ میں یہ حکم جاری کیا گیا اس میں اس کا کیا ردعمل ہوا؟ کیا اس دور کے سب اہل اسلام (صحابہ کرام و تابعین وغیرہم) نے اس کو قبول کیا یا مخالفت ہوئی؟
- پھر اس مخالفت کی وضاحت درکار ہوگی کہ کن حضرات نے مخالفت کی؟ اور کن حضرات نے تائید کی؟
- خصوصاً اہل حرمین شریفین نے اس حکم پر عمل کیا یا اس کو رد کر دیا؟
- ہاشمی اکابر حضرات نے اس سے کیا تاثر لیا؟ تعاون کیا یا تخالف کیا؟

ان تمام تفصیلات کو سامنے لا کر پھر اس کا تجزیہ کرنا ہوگا اور مسئلہ کے نشیب و فراز کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔
یہ چیزیں معترض احباب کے ذمہ ہیں کہ ان کو صاف کریں۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کو مطعون کرنا مطلوب ہے تو پھر ان مندرجات کو واضح کیجیے اور اگر اس دور کے اکابرین امت نے مخالفت کی تھی تو وہ حکم نافذ کیسے ہو سکا؟ نیز اس مخالفت کی وضاحت کسی صحیح حوالہ کے ساتھ مطلوب ہے۔ مقام طعن میں مجروح و مقدوح روایات کام نہیں دے سکتیں۔

اور اگر اکابر نے موافقت کی تھی تو اس کے نتیجہ میں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ ان تمام حضرات پر ارتکاب بدعت کا طعن وارد ہوتا ہے جنھوں نے تعاون علی الاثم والعدوان کا ارتکاب کیا۔ حالانکہ یہ حضرات تعاون علی الاثم والعدوان کرنے والے نہیں تھے۔

حاصل کلام

روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے کلام پیش کرنے کے بعد یہ چیز واضح ہے کہ معترض لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عید سے قبل اذان اور خطبہ کے احداثات جو منسوب کیے ہیں وہ واقعات کے اعتبار سے درست نہیں ہیں اور اثبات طعن کے لیے جو چیزیں فراہم کی گئی ہیں ان سے ارتکاب بدعت کا طعن قائم نہیں ہو سکتا۔

---

[1] خطبہ و اذان قبل الصلوٰۃ برائے عیدین، یہ دونوں امور دور نبوی اور دور خلافت راشدہ کے معمول کے خلاف ہیں۔ اس بنا پر قرین قیاس یہ ہے کہ جس کتاب سے یہ طعن نقل کیا گیا ہے اس مقام میں یہ عبارت الحاقی ہے اور یہ اس دور کے عالم ابراہیم نخعی کا قول نہیں ہے۔ بعد میں کسی معتزلی کا قول ہے اور معتزلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں۔

ایک دیگر طعن (مورتیوں کو ہندوستان کی سرزمین میں بھیجنا)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والوں نے ایک دیگر طعن فقہ کی بعض کتابوں سے تلاش کر کے ''معاویہ اور سمگلنگ'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور طعن کے ثبوت میں درج ذیل واقعہ پیش کیا ہے:

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیتل کی چند مورتیاں (جو کفار کے خلاف جنگ سے بطور مال غنیمت حاصل ہوئی تھیں) ارض ہند کی طرف ارسال کیں تاکہ ان کو ہندوستان میں فروخت کیا جائے۔ اس دور کے ایک مشہور تابعی مسروق بن اجدع رحمہ اللہ حق گو بزرگ تھے جب ان کے ہاں سے یہ مال گزرا اور انھیں معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ مال فروخت کے لیے ہندوستان بھیجا جا رہا ہے تو انھوں نے اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ کفار کے ہاتھوں مورتیوں کی فروخت ناجائز ہے اور مزید کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) مجھے قتل کر دیں گے تو میں اس مال کو غرق کر دیتا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ایک شخص جس کو اپنا برا عمل اچھا معلوم ہوتا ہے اور ایک شخص جو دنیا سے متمتع ہو کر آخرت سے مایوس ہو چکا ہے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) ان دونوں میں سے کس زمرے میں شامل ہیں؟

روایت ہذا کی روشنی میں معترض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر متعدد الزامات وارد کیے ہیں مثلاً معاویہ نے بت فروشی کر کے ہنود کے لیے بت پرستی میں مدد کی، وہ شیطانی فریب خوردہ اور آخرت کے منکرین میں سے تھے اور معاویہ اسلام سے لاتعلق تھے وغیرہ وغیرہ۔

جواب

اعتراض ہذا کا جواب ذکر کرنے کے لیے ذیل میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر توجہ فرمائیں:

○ ایک بات یہ ہے کہ یہ روایت اس مقام پر بلفظ ذکر (بصیغہ مجہول) ذکر کی گئی ہے۔ یہاں نہ تو اس روایت کی سند بیان کی گئی ہے اور نہ اس کا ماخذ ذکر کیا گیا ہے۔ اس مقام سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کو بیان کرنے والا کون صاحب ہے اور کہاں سے نقل کیا ہے؟ اور تاریخ ابن عساکر میں تحت مسروق بن الاجدع واقعہ ہذا ندارد ہے۔ اسی طرح تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تحت مسروق اس کو ذکر نہیں کیا، اور

علیٰ اختلاف الاقوال صاحب کتاب شمس الائمہ امام سرخسی رحمہ اللہ المتوفی ۴۸۳ھ نے اس کو ذکر کیا ہے جب کہ روایت میں مذکور واقعہ جس دور میں پیش آیا وہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۱ھ تا ۶۰ھ کا زمانہ ہے۔ ان دونوں ادوار میں مدت مدید کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

❁ دیگر بات یہ ہے کہ امام سرخسی رحمہ اللہ کی جس مشہور کتاب سے یہ طعن تلاش کر کے طاعنین نے ذکر کیا ہے اسی مقام پر ذرا آگے چل کر صاحب کتاب نے ہی اس طعن کے جواب کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اور ان کی صفائی میں بہترین چیزیں بیان کی ہیں۔ چونکہ یہ سب چیزیں طعن کرنے والوں کے طعن کو زائل کر دیتی ہیں اس لیے معترض نے ان کو بالارادہ چھوڑ دیا ہے اور چشم پوشی کرتے ہوئے صرف طعن پیش کر دیا ہے حالانکہ جواب طعن وہیں موجود ہے۔ یہ کمال علمی خیانت ہے اور صحابہ سے بغض کی واضح علامت ہے اور عام لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بدظن کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

نیز یہاں قابل وضاحت یہ چیز ہے کہ یہ تماثیل (مورتیاں) جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مال غنیمت میں حاصل ہوئی تھیں اور انھیں فروخت کے لیے ارض الہند روانہ کیا گیا تھا اس کا مقصد علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ

((فبعث (عبدالله بن قيس بن مخلد) بها (اصنام) الى معاوية فوجه بها معاوية الى البصرة لتحمل الى الهند فتباع هناك ليثمن بها))[1]

اور شمس الائمہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ

((فأمر معاوية رضي الله عنه ببيعها بارض الهند☆ ليتخذ بها الاسلحة والكراع للغزاة...... الخ))[2]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ان مورتیوں کو ہندوستان میں فروخت کر کے اس مال سے جنگی ضروریات کے لیے جنگی اسلحہ اور سواریوں کا انتظام کیا جائے۔''

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۴۴ تحت فتح جزائر فی البحر

[2] المبسوط (سرخسی) ص ۴۶، ۴۷، ج ۲۴ تحت کتاب الاکراہ۔

☆ حاشیہ قوله: ببيعها بارض الهند...... الخ

یہاں ایک فقہی اختلاف موجود ہے، مناسبت مقام کے لحاظ سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صنم وصلیب وغیرہ کی بیع ان کی عبادت کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کر دینا جائز ہے اور تمثال کی بیع کا یہ واقعہ امام صاحب رحمہ اللہ کا مستدل ہے جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے جیسا کہ یہاں مسروق بن اجدع تابعی رحمہ اللہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔

((فيكون دليلا لابى حنيفة رحمه الله فى جواز بيع الصنم والصليب ممن يعبده كما هو طريقة ←

مسروق رحمہ اللہ کے قول کی توجیہ

صاحب کتاب ''المبسوط'' نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کو مقدم اور راجح قرار دیا ہے اور مسروق رحمہ اللہ کے قول کو مرجوح اور متروک کہا ہے۔ اس کے بعد ساتھ ہی مسروق رحمہ اللہ کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مسروق رحمہ اللہ کے یہ نظریات بطور اعتقاد نہیں تھے (بلکہ فرط جوش میں آ کر انھوں نے ایسا کہہ دیا تھا) کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے ہیں اور ان کا مرتبہ کاتب الوحی کا ہے اور وہ اپنے دور کے امیر المومنین تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں حکمرانی کی بشارت فرمائی تھی۔

((وانما قلنا هذا لانه لا يظن بمسروق رحمہ اللہ انه قال فى معاوية رضی اللہ عنہ ما قال عن اعتقاد وقد كان هو من كبار الصحابة وكان كاتب الوحى وكان امير المؤمنين وقد اخبره رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالملك بعده فقال له علیہ السلام يوما اذا ملكت أمر امتى فأحسن اليهم))[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی پر تنبیہ

شمس الائمہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے فرق مراتب کا ذکر کرتے ہوئے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فائق مرتبہ ذکر کیا ہے اور ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ بیان کیا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی کرنے والے ایک شخص کا واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے

← القياس۔ وقد استعظم ذالك مسروق رحمہ اللہ كما هو طريق الاستحسان الذى ذهب اليه ابو يوسف و محمد رحمهما الله فى كراهة ذالك)) ①

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مسروق تابعی رحمہ اللہ کے مسلک کو بیان کرنے کے بعد صاحب کتاب امام سرخسی رحمہ اللہ نے خود اس بات کا موازنہ کر کے یہ کہا ہے کہ بیع تمثال واصنام کے مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول مقدم ہے اور اسی کو قابل عمل سمجھا جاتا ہے اور مسروق تابعی رحمہ اللہ کا قول اس میں متروک ہے۔

((ولكن مع هذا قول معاوية رضی اللہ عنہ مقدم على قوله))

اور ساتھ ہی صاحب کتاب نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ مسائل فقہی مجتہدات میں سے ہیں اور بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے ایک دوسرے کے حق میں وعید کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں (یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے وعید کا ایک قول دوسرے شخص کے بارے میں نقل کیا ہے) مطلب یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے درمیان وعید کے الفاظ کا پایا جانا کوئی معیوب چیز نہیں ہے اور اظہار مافی الضمیر اور احقاق حق کے درجے میں اس طرح کا کلام پایا جانا کچھ بعید نہیں۔

① المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۴۶-۴۷ ج ۲۴ (طبع مصر) تحت کتاب الاکراہ۔

[1] کتاب المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۴۷ ج ۲۴ (طبع مصر) تحت کتاب الاکراہ۔

دفاع پایا جاتا ہے۔

ایک واقعہ

وہ اس طرح ہے کہ ابتداء میں محمد بن فضل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدگوئی اور عیب جوئی کیا کرتے تھے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منہ سے لمبے لمبے بال نکل کر پاؤں تک لٹک رہے ہیں اور وہ ان بالوں کو اپنے پاؤں میں روندتے ہیں اور زبان سے خون جاری ہے جس سے ان کو سخت اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب محمد بن فضل نے اپنے اس خواب کی معبر سے تعبیر پوچھی تو اس نے کہا کہ آپ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کی بدگوئی کرتے ہیں اور طعن کرتے ہیں۔ اس فعل سے بچیے اور اجتناب کیجیے۔

((ویحکی ان ابا بکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ کان ینال منه فی الابتداء فرأی فی منامه کان شعرة تدلت من لسانه الی موضع قدمه فهو یطؤها ویتألم من ذالك ویقطر الدم من لسانه فسأل المعبر عن ذالك فقال انك تنال من واحد من کبار الصحابة فایاك ثم ایاك))[1]

صاحب کتاب نے یہ واقعہ اس لیے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی اور طعن زنی کرنا درست نہیں، وہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

دیگر معروضات

طعن والی روایت کی ابتدا میں مسروق بن اجدع رحمہ اللہ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو سخت الفاظ پائے جاتے ہیں اور معترضین نے ان الفاظ کو خوب اچھال کر طعن پیدا کرنے کے لیے عجیب وغریب عنوانات قائم کیے ہیں، اس کے متعلق اتنا ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا ہے کہ واقعہ ہذا میں یہ الحاقی کلمات معلوم ہوتے ہیں۔ مسروق بن اجدع رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو بہتر طریق پر ملحوظ رکھتے تھے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ

① بعض مسائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں بنایا۔ جب یہ مسئلہ مسروق بن اجدع رحمہ اللہ کے سامنے پیش ہوا تو مسروق رحمہ اللہ کہنے لگے:

۱۔ ((قال مسروق (بن الاجدع) وما احدث فی الاسلام قضاء احب الی منه))[2]

۲۔ (ما احدث فی الاسلام قضاء اعجب منه))[3]

---

[1] المبسوط (سرخسی) ص ۴۶-۴۷ ج ۲۴ تحت کتاب الاکراہ

[2] مسند دارمی ص ۳۹۷ باب فی میراث اہل الشرک واہل الاسلام (طبع ہند)

[3] سنن سعید بن منصور ص ۴۴ ج ۳ قسم اول۔

"یعنی مسروق رحمہ اللہ کہنے لگے کہ اسلام میں اس سے زیادہ پسندیدہ اور زیادہ عجیب فیصلہ میرے سامنے نہیں آیا۔"

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ مسروق رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قضا اور فیصلوں کو نہایت پسندیدہ خیال کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو کسی قسم کا عناد اور رنجش نہیں تھی۔

② نیز قدیم مورخ ابن خیاط رحمہ اللہ [1] نے لکھا ہے کہ قاضی شریح رحمہ اللہ کوفہ سے بصرہ گئے تو ان کے قائم مقام مسروق رحمہ اللہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا قاضی بنایا گیا۔ اگر وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قابل اعتراض و لائق طعن سمجھتے تو ان کی طرف سے منصب قضا کیسے قبول کر سکتے تھے؟ بنا بریں طعن کی مذکورہ روایت کے ابتدائی سخت الفاظ راوی کی اپنی تعبیر معلوم ہوتے ہیں۔

③ دیگر قرینہ یہ ہے کہ اس واقعہ کو شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے اپنی دوسری تصنیف شرح السیر الکبیر جلد ثانی تحت مسئلہ ہذا میں بھی ذکر کیا ہے مگر وہاں اس قسم کے شدید الفاظ جو یہاں مذکور ہیں بالکل نہیں پائے جاتے۔ یہ بھی اس بات کی تائید ہے کہ یہ ناقلین کی تعبیرات ہیں جو موجب شبہ بن رہی ہیں۔ چنانچہ السیر الکبیر میں ہے کہ

((والذی یروی ان معاویة بعث بها لیباع بارض الهند فقد استعظم ذالك مسروق علی ما ذکره محمد ذالك فی کتاب الزکوٰة)) [2]

④ اور مزید اس چیز پر قرائن موجود ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی پر حق گوئی کی پاداش میں ظلم و زیادتی روا نہیں رکھتے تھے۔ اس چیز پر ایک مشہور تابعی اعمش رحمہ اللہ کا بیان ہے جس میں انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کے معاملے کو بڑی اہمیت دی ہے حتیٰ کہ مشہور عادل خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عدل و انصاف میں فائق قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

((حدثنا محمد بن جواس حدثنا ابوهریرة المکتب قال کنا عند الاعمش (سلیمان بن مهران) فذکروا عمر بن عبدالعزیز وعدله فقال الأعمش فکیف لو ادرکتم معاویة۔ قالوا فی حلمه؟ قال لا والله بل فی عدله)) [3]

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج اتحت القضاۃ فی خلافت معاویہ

[2] شرح السیر الکبیر ص ۲۷۸ ج ۲

[3] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۸ (طبع مصر)

''یعنی امام اعمش رحمہ اللہ کے ہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عدل و انصاف کا ذکر ہوا۔ انھوں نے کہا اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو پا لیتے تو کیا کیفیت ہوتی۔ یعنی وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے فائق تھے۔ لوگوں نے کہا علم و حوصلہ میں؟ حضرت اعمش رحمہ اللہ نے کہا: نہیں بلکہ عدل و انصاف میں بڑھے ہوئے تھے۔''

امام اعمش رحمہ اللہ کا یہ بیان قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۵۵ میں ہم نے ذکر کیا ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اس مسئلہ پر ذکر کی ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق گوئی پر کوئی ظلم و زیادتی کرنے والے نہیں تھے اور معاملات میں عدل و انصاف کے پہلو کو پیش نظر رکھتے تھے۔

اور مسروق تابعی رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں مبالغہ فی الاحتیاط کرتے ہوئے مورتیوں کو اہل ہند کے ہاتھوں فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نفس بیع کے اعتبار سے یہ جائز ہے (علیٰ طریق القیاس) جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور دیانت دارانہ معاملات کی روشنی میں یہ چیز درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سختی کے الفاظ جو امام مسروق رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں وہ درست نہیں اور ناقلین کی تعبیر کو اس میں بڑا دخل ہے۔ کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان کے خلاف کسی مسئلہ بیان کرنے والے پر سختی اور تشدد نہیں کیا جاتا تھا اور اس پر اس دور کے واقعات شاہد ہیں۔ چنانچہ اس مسئلے پر ایک مستقل عنوان ''حق گوئی اور آزادی رائے کے خاتمہ کا جواب'' ہم نے مرتب کر دیا ہے اس کی طرف رجوع فرمالیں۔

منبر نبوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق طعن کرنے والوں نے کئی مسائل ایجاد کیے ہیں اور اپنی روایات کے ذریعے سے لوگوں میں پھیلائے ہیں۔ یہ سلسلہ مطاعن بہت طویل ہے مگر جو چیزیں عام لوگوں کے لیے زیادہ پریشان کن ہیں اور ذہنی کوفت کا باعث بنتی ہیں ان میں سے چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں اور ساتھ ہی ان کا جواب تحریر کیا جاتا ہے:

① مثال کے طور پر بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق حکم دیا کہ اس کو مدینہ منورہ سے اٹھا کر ملک شام لے جایا جائے۔ لیکن جب منبر نبوی کو اپنی جگہ سے ہلایا گیا تو فوراً آفتاب بے نور ہو گیا حتیٰ کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگے اور لوگوں نے اس معاملے کو بڑا اہم خیال کیا۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور کہنے لگے میں منبر نبوی کو اپنی جگہ سے اٹھا کر لے جانا نہیں چاہتا تھا بلکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں اس کو نیچے سے دیمک نہ لگ گئی ہو اس لیے میں نے اس کو اپنی جگہ سے اٹھایا ہے۔ پھر منبر نبوی کو وہیں نصب کر دیا اور اس پر غلاف پوشی کر دی۔ چنانچہ علامہ طبری نے اسے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((قال محمد بن عمر (الواقدی) وفی هذه السنة أمر معاوية بمنبر رسول الله ﷺ ان یحمل الی الشام فحرك فكسفت الشمس حتی رأیت النجوم بادية یومئذ فاعظم الناس ذالك فقال لم ارد حمله انما خفت ان یکون ارض فنظرت الیه ثم کساه یومئذ))

اطلاع...... تاریخ طبری کی اس روایت کو شیعی مورخین مسعودی وغیرہ نے "مروج الذہب" میں بڑے عمدہ پیرائے میں بطور طعن درج کیا ہے۔ وہاں یہی روایت ہے کوئی الگ واقعہ نہیں ہے۔ مخالفین صحابہ نے اس کو خوب اچھالا ہے۔ روایت بھی ان کی ہے پھر طعن بھی ان کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ (یا للعجب)

الجواب

طبری کی روایت ہذا میں اس واقعہ کو نقل کرنے والا محمد بن عمر واقدی ہے اور واقدی نے جہاں دیگر بہت سی بے اصل اور متروک روایات نقل کی ہیں وہاں یہ روایت بھی واقدی ہی کی مرہون منت ہے۔ اس

مقام پر طبری نے کچھ دیگر واقعات بھی واقدی سے ہی نقل کیے ہیں جو قابل قبول نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کے متعلق علمائے رجال نے تعدیل کے ساتھ ساتھ تنقیدات بھی ذکر کی ہیں اور اہل علم حضرات ان سے بخوبی واقف ہیں۔ ان تنقیدات میں سے کسی قدر ہم نے قبل ازیں کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۳۴۵-۲۲۸ پر ذکر کر دی ہیں۔ اب یہاں بھی بقدر ضرورت واقدی پر نقد پیش کیا جاتا ہے تا کہ مذکورہ بالا مطاعن کی روایات کا بے اصل ہونا پایہ ثبوت تک پہنچے۔

(۱) واقدی پر نقد

علامہ ابن حجر اور حافظ ذہبی وغیرہم رحمہم اللہ نے اکابرین امت کے حوالہ سے واقدی پر مندرجہ ذیل نقد نقل کیا ہے

① ((قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ: الواقدی کذاب...... قال الشافعی رحمہ اللہ: کتب الواقدی کلها کذب...... الخ))[1]

② ((قال احمد بن حنبل هو کذاب یقلب الاحادیث...... قال البخاری وابوحاتم متروك...... واستقر الاجماع علی وهن الواقدی...... الخ))[2]

حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بغداد کا ساکن تھا اور متروک الحدیث ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقدی کذاب ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام کتابیں دروغ محض ہیں۔ نیز امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ شخص (واقدی) جھوٹے ہونے کے ساتھ ساتھ احادیث میں کئی قسم کی تبدیلیاں کر دیتا تھا۔ امام بخاری اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ نے فرمایا واقدی متروک ہے اور واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔

نیز بہت سے دیگر علماء مثلاً ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب المجروحین میں، ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں، ابن عدی رحمہ اللہ نے الکامل میں، یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں، عقیلی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں، ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں اور ذہبی رحمہ اللہ نے المغنی میں واقدی پر خوب جرح ونقد کر دیا ہے جو اس کی منقولہ روایات کے عدم قبول کے لیے کافی ہے۔

۲۔ واقدی کا مسلک

اس کے بعد واقدی کے نظریاتی مسلک کے متعلق ایک خاص تائید مشہور شیعی مورخ کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن ندیم شیعی نے اپنی مشہور تالیف الفہرست لابن ندیم میں ص ۱۵۰ پر ''اخبار الواقدی''

---

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۶۴-۳۶۶ ج ۹ تحت محمد بن عمر الواقدی الاسلمی

[2] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۱۱۰ ج ۳ طبع قدیم مصر تحت محمد بن عمر الواقدی الاسلمی۔

کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے کہ

((وکان یتشیع حسن المذھب، یلزم التقیة، وھو الذی روی ان علیا علیہ السلام کان من المعجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کالعصاء لموسی علیہ السلام واحیاء الموتی لعیسی ابن مریم علیہ السلام وغیر ذالك من الاخبار))[1]

''مطلب یہ ہے کہ ابن ندیم کے قول کے مطابق محمد بن عمر واقدی اچھے مذہب والا شیعہ بزرگ تھا اور تقیہ کو لازم کیے ہوئے تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے لیے مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔ نیز اس قسم کی دیگر اخبار بھی اس نے نقل کی ہیں۔''

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ چونکہ مورخ ابن ندیم خود شیعہ بزرگ ہے اس لیے واقدی کو اس نے ''حسن المذہب'' کہا ہے اور ''تقیہ کو لازم کرنا'' واقدی کی عمدہ صفت قرار دیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ابن ندیم شیعی کے قول کی روشنی میں واقدی عمدہ تقیہ باز شیعہ بزرگ تھا۔

۳۔ واقدی کا سیاسی نظریہ

نیز واقدی کے متعلق روایات میں یہ چیز دستیاب ہوتی ہے کہ سیاسی نظریات کے طور پر یہ بزرگ عباسی دور (ہارون الرشید وغیرہم) کا اپنے فن میں لائق فائق اور یگانہ فرد تھا اور اس دور میں اس کو دس ہزار درہم انعام ملا تھا۔ علاوہ ازیں اس پر بہت کچھ انعام واکرام ہوتا تھا۔[2]

واقدی عباسی دور کے خلفاء اور خصوصاً ان کے وزیر خالد بن یحییٰ برمکی کا خاص درباری تھا اور بعض اوقات قاضی بغداد بھی رہا۔ عموماً عباسی امراء بنوامیہ کے سیاسی طور پر سخت خلاف تھے[3] لیکن مامون بن ہارون الرشید کے متعلق تو تاریخوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ بعد میں شیعہ ہو گیا تھا۔[4] اور یہ چیز بھی مورخین نے واقدی کے متعلق تحریر کی ہے کہ

((ثم رجع الی بغداد فلم یزل بھا الی ان قدم المامون من خراسان فولاہ القضاء بعسکر المھدی فلم یزل قاضیا حتی مات ببغداد (۲۰۷ھ)))[5]

---

۱ الفہرست لابن ندیم ص ۱۵۰ تحت اخبار الواقدی

۲ طبقات ابن سعد ص ۳۱۴-۳۲۱ ج ۵ تحت محمد بن عمر الواقدی، طبع لیڈن

۳ الانتقاد علی تمدن اسلامی (علامہ شبلی نعمانی) ص ۲۴، ۲۵۔

۴ دول الاسلام (ذہبی) ص ۹۴ ج ا تحت ۲۱۱ھ

العبر فی خبر من غبر (ذہبی) ص ۳۵۹ ج ا تحت ۲۱۱ھ طبع کویت

۵ طبقات ابن سعد ص ۷۷ ج ۷ تحت محمد بن عمر الواقدی

فلہٰذا قرین قیاس یہ ہے کہ بنو امیہ کی مذمت میں ان ہوا خواہ افراد نے اپنے امراء کی خوشنودی میں خوب روایات تالیف کیں اور اسی ضمن میں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ کے خلاف مرویات بھی اسی سلسلے کے باقیات میں سے ہیں۔

پس جو روایات ان لوگوں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور ان کی تنقیص میں دستیاب ہوتی ہیں ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ (اس چیز کو ناظرین کرام ہمیشہ خوب ملحوظ رکھیں۔ یہ ہماری ملّی تاریخ کا اصولی اور بنیادی ضابطہ ہے)۔

۴۔ مرویات واقدی کا درجہ

بعض لوگ اس مقام پر اگر یہ شبہ پیدا کرنا چاہیں کہ مندرجات بالا کی روشنی میں تو واقدی کی تمام مرویات اور روایات قابل رد ہوئیں اور متروک ٹھہریں حالانکہ اہل علم اس کی روایات کو قبول کرتے ہیں اور اپنی تصانیف میں جگہ دیتے ہیں، جیسا کہ اس پر واقعات شاہد ہیں تو پھر اس دورخی پالیسی کا کیا مطلب ہے؟

اس کے متعلق ازالہ شبہ کے درجے میں عرض ہے (اور اس چیز کو کبار علماء خوب جانتے ہیں) کہ واقدی بزرگ ہو یا کوئی دوسرا شخص، ان کی روایات کے مقبول ہونے کے لیے عند العلماء قاعدہ یہ ہے کہ دیگر اکابر محدثین اور بااعتماد مورخین کی جانب سے ان چیزوں کی توثیق اور موافقت پائی جائے اور کسی ضابطہ شرعی اور آئین اسلامی کے خلاف بھی نہ ہوں تو ان کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ان کو اخذ کرنا درست ہے۔ اور جہاں واقدی وغیرہ ان اشیاء میں متفرد ہوں اور ان کا کوئی متابع بھی نہ پایا جائے تو وہ چیزیں قابل اعتماد اور لائق قبول نہیں ہوتیں۔ اب اس ضابطہ کو معلوم کر لینے کے بعد مذکورہ شبہ زائل ہو جائے گا اور اہل علم حضرات کے طریق کار پر اعتراض وارد نہ ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات کے رد و قبول کے متعلق علماء نے اپنے اپنے مقام پر قاعدے اور ضابطے ذکر کر دیے ہیں۔ مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے، عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے:

فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی (سخاوی) ص ۲۴۹-۲۵۰ ج ا تحت بحث ہذا

تدریب الراوی شرح تقریب النووی (سیوطی) تحت النوع ۲۱ ص ۱۸۰

شرح نخبۃ الفکر ص ۵۵ تحت بحث ہذا طبع مجتبائی دہلی۔

ایک اعجوبہ

معترض دوستوں کے ایک طبقہ (قرامطہ) کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے بیت اللہ سے حجر اسود اکھاڑ لیا تھا اور اپنے علاقے میں لے گئے تھے اور پھر ایک مدت کے بعد زر کثیر وصول کر کے واپس کیا تھا۔ حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے معترض لوگوں نے منبر نبوی کے ملک شام لے جانے کے متعلق جو قصہ تصنیف کیا ہے وہ اگرچہ سراسر بے بنیاد ہے لیکن اگر بالفرض اس کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو انھوں نے منبر نبوی کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے بعد پھر وہیں نصب کر دیا اور غلاف پوشی کی مگر یہ لوگ تو آثار اسلامی یعنی ''حجر اسود'' کو اپنے مقام سے اکھیڑ کر اپنے علاقے میں لے گئے تھے اور خرق عادت کسی چیز کا ظہور نہ ہوا۔ نہ زلزلہ آیا نہ شمس و قمر بے نور ہوئے اور نہ پہاڑوں ہی میں جنبش ہوئی۔

معترض دوستوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے سے پہلے اپنے ایک طبقہ کے لوگوں پر توجہ کرنی چاہیے تھی جو ''آثار اسلامی'' کی توہین کے مرتکب ہوئے اور انھوں نے اپنی خست طبع کا مظاہرہ کیا اور کافرانہ کردار ادا کیا۔ شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ میں یہ قرامطہ ہیں انھوں نے ۳۱۷ھ میں حجر اسود کے ساتھ جو اہانت کا معاملہ کیا تھا اور حجر اسود کو بائیس سال کے بعد زر کثیر کے عوض واپس کیا تھا اس کی تفصیلات مندرجہ ذیل مقامات پر ملاحظہ فرمائیں:

① کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص۱۴۰-۱۴۱ ج ا تحت ۳۱۷ھ طبع حیدر آباد
② البدایہ (ابن کثیر) ص۱۶۰،۱۶۱ ج ۱۱ تحت ۳۱۷ھ طبع اول مصر
③ البدایہ (ابن کثیر) ص۲۲۳ ج ۱۱ تحت ۳۳۹ھ طبع اول مصر
④ مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۳۲۰ ج ۵ باب دخول مکہ
⑤ تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز دہلوی ص۱۵،۱۶،۱۹ طبع سہیل اکیڈمی لاہور، تحت باب اول در کیفیت حدوث مذہب تشیع وانشعاب آں

(۲) منبر پر دیکھو تو قتل کر دو

اور بعض دیگر روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس طرح پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

① ((اذا رأیتموہ علی المنبر فاقتلوہ))

اور اس طرح بھی روایات میں دستیاب ہوتا ہے کہ

② ((اذا رأیتم معاویة بن ابی سفیان یخطب علی منبرہ فاضربوا عنقه۔ قال الحسن فما فعلوا فلا افلحوا))

اس مضمون کی کئی روایات بعض کتب میں پائی جاتی ہیں جن کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے لوگوں میں تنفر کی فضا قائم کرتے ہیں اور اپنے بغض و عناد کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایات بالکل جعلی اور بے اصل ہیں۔

الجواب

مندرجہ بالا روایات کے کذب و افترا ہونے پر علماء نے سابقاً کلام کر دیا ہے۔ ہم اس پر ذیل میں روایتاً اور درایتاً نقد ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جس سے ان روایات کا دروغ محض ہونا واضح ہو جائے گا۔

روایتاً نقد

مندرجہ بالا روایت کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف تاریخ الصغیر میں اس روایت کے بے اصل ہونے پر عمدہ جرح کر دی ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ

۱۔ ((وھذا مدخول لم یثبت))

۲۔ ((وھذا واہ))[1]

''یعنی روایت میں یہ الفاظ زبردستی داخل کیے ہیں اور درجہ ثبوت کو نہیں پہنچتے۔ نیز فرمایا کہ یہ روایت بے اصل ہے (ثابت نہیں)۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اعمش رحمہ اللہ سے اسی مقام پر نقل کیا ہے کہ

((انہ قال نستغفر اللہ من اشیاء کنا نرویھا علی وجہ التعجب اتخذوھا دینا))

''یعنی اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! جن روایات کو ہم تعجب کے طور پر نقل کرتے تھے لوگوں نے ان کو دین بنا لیا۔''

اور دوسری روایت جو حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اسے ایک مقام پر منسوب کرنے والا عمرو بن عبید معتزلی ہے۔ عمرو بن عبید معتزلی کے متعلق علماء نے تصریح کر دی ہے کہ یہ شخص روایت میں جھوٹ بولتا تھا۔ کان عمرو یکذب فی الحدیث ابن عون کہتے ہیں کہ مالنا والعمرو۔ عمرو یکذب علی الحسن یعنی ابن عون کہتے ہیں کہ عمرو جناب حسن بصری رحمہ اللہ پر جھوٹ لگاتا تھا۔

((قیل لایوب ان عمرو بن عبید روی عن الحسن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیتم معاویۃ علی المنبر فاقتلوہ۔ فقال کذب عمرو))

''یعنی ایوب سے کہا گیا کہ عمرو بن عبید حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم منبر پر معاویہ کو دیکھو تو قتل کر دو۔ تو ایوب نے کہا کہ عمرو بن عبید نے جھوٹ کہا۔''

نیز علماء نے ذکر کیا ہے کہ اس دور کے اہل علم فرماتے تھے:

---

[1] تاریخ الصغیر (امام بخاری) ص ۶۸-۶۹ تحت عصر من بین الستین الی السبعین، طبع اول قدیم الہ آباد۔

((لا تأخذ عن هذا شيء فانه يكذب على الحسن))

''یعنی عمرو بن عبید سے روایت کے بارے میں کوئی چیز نہ لو۔ یہ شخص حسن بصری رحمہ اللہ پر جھوٹ لگاتا ہے۔''[1]

خلاصہ یہ ہے کہ منبر پر قتل کی روایت جو حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے یہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ پر افترا ہے، جھوٹ ہے۔ انھوں نے ایسی کوئی روایت نہیں ذکر کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ صغیر میں اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بغداد میں اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔

③ اس مقام پر مضمون مذکورہ بالا کی روایت نصر بن مزاحم منقری نے اپنی مشہور تصنیف ''وقعۃ الصفین'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کی ہے

((قالا: قال رسول الله ﷺ اذا رأيتم معاوية بن أبي سفيان يخطب على منبري فاضربوا عنقه۔ قال الحسن فما فعلوا ولا افلحوا))[2]

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب معاویہ بن ابی سفیان کو میرے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھو تو اس کی گردن مار دو۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے اس پر عمل نہ کیا اور انھوں نے فلاح نہ پائی۔''

جرح ونقد

یہ اس مضمون کی تیسری روایت ہے جو منقری نے اپنی سند کے ساتھ کتاب ''وقعۃ الصفین'' میں ذکر کی ہے۔ اس پر ہم مختصر سا کلام کرنا چاہتے ہیں، ناظرین کرام توجہ فرمائیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اس روایت کے متعلق ذکر کیا ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک شخص حکم بن ظہیر راوی ہے۔ وهو متروك (وہ محدثین کے نزدیک متروک ہے اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی)۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ وهذا الحديث كذب بلا شك۔[3] یعنی یہ روایت بلا شک دروغ محض ہے۔

اور ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ نے اپنے تذکرہ الموضوعات میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ

---

[1] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۱۲ ص ۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲ تحت ترجمہ عمرو بن عبید معتزلی
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ

[2] وقعۃ الصفین (نصر بن مزاحم منقری المتوفی ۲۱۲ھ) تحت ما ورد من الاحادیث فی شان معاویہ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

((اذا رأيتم معاوية على منبری فاقتلوه فيه الحكم بن ظهير الفزاري وهو يضع وسرقته منه عباد بن يعقوب الرواجنی وهو من غلاة الروافض))[1]

''یعنی یہ روایت کہ میرے منبر پر جب تم معاویہ کو دیکھوتو اسے قتل کر دو، اس روایت کی سند میں حکم بن ظہیر فزاری ہے، وہ روایت کو وضع (تصنیف) کر لیا کرتا ہے اور حکم بن ظہیر سے عبادہ بن یعقوب رواجنی نے روایت کو سرقہ کیا ہے اور وہ غالی رافضیوں میں سے ہے)۔''

نصر بن مزاحم منقری کے متعلق بقدر ضرورت تشریح کی جاتی ہے۔ اس کے معلوم کر لینے کے بعد اس کی موجودہ روایت سمیت تمام مرویات کا درجہ اعتماد سامنے آ جائے گا کہ یہ شخص کس قسم کا بزرگ ہے اور اس کی مرویات قابل قبول ہیں یا نہیں؟

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ منقری نے کتاب ''وقعۃ الصفین'' واقعہ صفین کے متعلق لکھی ہے۔ اس کتاب میں ایک مستقل فصل تحریر کی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور تنقیص شان کے متعلق مرفوع اور مرسل روایات جمع کی ہیں اور ساتھ ہی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال فراہم کیے ہیں۔ کتاب ہذا کی صرف یہی ایک فصل دیکھ لینے سے نصر بن مزاحم منقری کا مذہب اور مسلک واضح ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگ نہایت درجے کا بد زبان رافضی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن تالیف کرنا اس کا نصب العین ہے۔ اس شخص کے متعلق اہل سنت اور شیعہ علماء کے صرف چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں جن سے اس کا مذہب و مسلک واضح ہو رہا ہے۔ اس کی مرویات ہم پر کچھ حجت نہیں اور کسی درجے میں قابل قبول نہیں۔

① علامہ عقیلی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں مندرجہ ذیل الفاظ اس کے حق میں ذکر کیے ہیں:

((كان يذهب الى التشيع وفى حديثه اضطراب وخطاء كثير))[2]

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق لسان المیزان میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ رافضی ہے اور متروک ہے اور کذاب ہے زائغ الحدیث ہے۔ قال العجلی رافضی غال۔[3]

③ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بغداد ج ۱۳ میں لکھا ہے کہ منقری پختہ رافضی تھا۔

④ اور شیعہ کے علمائے تراجم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں منقری کے شیعہ ہونے کی توثیق کی ہے۔ شیخ

[1] تذکرۃ الموضوعات (ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی) ص ۹ (تحت الروایہ)

[2] کتاب الضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۳۰۰ ج ۴ تحت نصر بن مزاحم المنقری

[3] لسان المیزان (ابن حجر) ص ۱۵۷ ج ۶ تحت نصر بن مزاحم المنقری

عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں

''منقری مستقیم الطریقت تھا اور صالح الامر تھا۔ اس نے بہت سی تصانیف کی ہیں مثلاً کتاب الجمل، کتاب الصفین اور کتاب نہروان اور مقتل حسین وغیرہ وغیرہ۔ اور لکھا ہے کہ یہ شخص ممدوح ہے اور بلاشبہ امامی ہے اور بااعتماد ہے، صحیح النقل ہے وغیرہ وغیرہ۔''[1]

درایت کے اعتبار سے

روایات پر سند کے اعتبار سے بحث کرنے کے بعد اب باعتبار درایت کلام پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے حکم سے شام کے علاقے میں امیر بنایا گیا اور آپ کم وبیش دس سال امیر شام رہے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بھی ان کو منبر پر قتل کرنے کے لیے نہیں اٹھا جوان کا منبر پر خاتمہ کر دیتا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی مذکورہ بالا روایات بے اصل ہیں، ان کے لیے کوئی اصل نہیں اور نہ اس نوع کا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کسی ایک صحابی کے حق میں موجود ہے ورنہ اس فرمان نبوی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور عمل کرتے۔

((وقد ادرك اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم معاوية اميرا فی زمان عمر بأمر عمر وبعد ذالك عشر سنين فلم يقم اليه احد فيقتله۔ وهذا مما يدل على هذه الاحاديث ان ليس لها اصول ولا يثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبره على هذا النحو فی احد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم))[2]

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں اس روایت کے بے اصل ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((ولو كان صحيحا لبادر الصحابة الى فعل ذالك، لانهم كانوا لا تأخذهم فی الله لومة لائم))[3]

''یعنی اگر یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح ہوتا تو اس پر عمل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلدی کرتے، اس لیے کہ ان کو دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔''

---

[1] تنقیح المقال فی علم الرجال (شیخ عبداللہ مامقانی شیعی) ص ۲۶۹-۲۷۰ تحت نصر بن مزاحم الکوفی المنقری (طبع تہران)

[2] تاریخ الصغیر (امام بخاری) ص ۶۸-۶۹ طبع اول قدیم، الہ آباد تحت عصر من بین الستین الی السبعین

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ابن کثیر رحمہ اللہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور کو بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پایا ہے۔ مثلاً حضرت اسامہ بن زید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت ابوسعید خدری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابوامامہ، حضرت انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ پھر لکھا ہے کہ یہ حضرات ہدایت کے چراغ تھے، علم دین کے ظروف تھے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نازل ہوتے دیکھنے والے تھے اور دین کی تبدیلی (جاہلیت سے اسلام کی طرف) ان کے سامنے ہوئی تھی اور اسلام سے انھوں نے دین میں وہ معرفت حاصل کی جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوسکی اور قرآن کے معانی کو انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔

فلہٰذا یہ حضرات دین میں ہر طرح کامل تھے اور اطاعت نبوی میں بعد میں آنے والوں لوگوں سے فائق تھے۔ یہ تمام صحابہ کرام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان سے بیعت کرنے کے بعد ان کے ساتھ ہو گئے تھے کسی صاحب نے کوئی مخالفانہ رویہ اختیار نہیں کیا تھا چہ جائیکہ یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر قتل کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے اور وہ قول جو روایت میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے "قال الحسن فما فعلوا ولا افلحوا" یہ کلمہ دروغ بے فروغ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عام الجماعۃ کے بعد اتفاق کر کے دین کے فروغ کے لیے جدوجہد کی اور ہر مرحلے میں کامیاب اور فتح یاب ہوئے۔

اندریں حالات یہ کہنا کہ انھوں نے فلاح نہیں پائی اور فتح انھیں نصیب نہیں ہوئی یہ سب منقری کے اکاذیب میں سے ہے۔ اس بے چارے کو صحابہ کرام اور اسلام کی ترقی سے دلی عناد تھا اس بنا پر ایسی روایات اپنی تصانیف میں بھرتا چلا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ منبر پر قتل کی روایات روایتاً و درایتاً بے اصل ہیں مقام طعن میں ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) طعن کرنے والے لوگوں کا طریق کار یہ ہے کہ جہاں کہیں روایات میں بنوامیہ کی مذمت اور ان کے خلاف مواد پایا جائے اسے فراہم کر کے عوام میں نفرت کی فضا قائم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ان روایات میں بنوامیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء مذکور نہ ہوں تب بھی ان روایات کا محمل اور مصداق ان چند اموی صحابہ کو قرار دے کر مطعون کرنے اور ان کو مبغوض ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں کئی روایات کتابوں میں پائی جاتی ہیں ان کو مطاعن صحابہ میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح ہے کہ حضرت حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور منصب خلافت ان کو تفویض کر دیا اس وقت ایک شخص نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو عار دلانے

کے طور پر کہا ''اے مومنوں کے چہروں کو سیاہ کر دینے والے! تو نے اس شخص کی بیعت کر لی؟ (یعنی معاویہ بن ابی سفیان کی بیعت کر لی)۔''

تو روایت میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں مندرجہ ذیل روایت ذکر کی:

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بنی امیہ چڑھ رہے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بنو امیہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر یکے بعد دیگرے خطبہ دے رہے ہیں اور بعض روایات کے اعتبار سے ہے کہ یوں دکھلایا گیا کہ بنو امیہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہیں جیسے کہ بندر نیچے اوپر کودتا ہے، تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز شاق گزری اور مکروہ معلوم ہوئی۔

بقول بعض روایات اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھل کر نہیں ہنسے اور اس پریشانی کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو سورتیں نازل ہوئیں اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ اور اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ؕ روایت کرنے والوں میں سے بعض راوی کہتے ہیں کہ ہم نے الف شہر کو شمار کیا تو وہ بنی امیہ کے عہد امارت کے بالکل موافق ٹھہرا۔

مطلب یہ ہے کہ معترض لوگوں نے اس روایت کے اعتبار سے بنی امیہ کی خلافت و امارت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قبیح اور مکروہ قرار دیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ تمام دور امارت ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہے اور بنو امیہ کے تمام امراء آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مبغوض و مکروہ ہیں اور مندرجہ روایات کے عموم الفاظ (بنو امیہ) کے اعتبار سے حضرت عثمان، عتاب بن اَسید اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم بھی ان میں شمار و شریک ہیں۔ فلہٰذا یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس زمرہ میں شامل ہیں۔

الجواب

اس مقام پر یہ چیزیں ان روایات کی تحقیق کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں، ان کو پیش نظر رکھنے سے تجویز کردہ طعن کا ازالہ ہو سکے گا۔ اس بحث کے تمام مندرجات پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں تو امید ہے کہ اطمینان کا باعث ہوگا:

① پہلی گزارش یہ ہے کہ پیش کردہ روایات میں ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے، یہ متعدد واقعات نہیں اور ایک ہی خواب سے متعلق ہے۔ اسی ایک واقعہ کو رواۃ نے اپنی مختلف تعبیرات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

② دوسری چیز یہ ہے کہ طعن کو مضبوط کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اثبات طعن کے لیے جو مواد پیش کیا جائے وہ عند الخصم اپنی جگہ پر صحیح ہو اور وہ واقعات کے برخلاف نہ پایا جائے۔

اس صورت حال کے پیش نظر ہم پہلے اس واقعہ کی روایات پر باعتبار سند کلام کرتے ہیں اور پھر اس کے

متعلق اکابر علماء کے بیانات پیش کریں گے اور اس کے بعد باعتبار درایت کلام کیا جائے گا۔ تا کہ طعن ہذا کے ثبوت اور عدم ثبوت کا درجہ واضح ہو سکے اور اس اعتراض کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

روایت کے اعتبار سے کلام

اس مقام پر بعض روایات کی سند میں ایک راوی ابو الخطاب جارودی ہے۔

① ابو الخطاب جارودی

اس شخص کو اسماء الرجال میں زیدی شیعوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا نام سہیل بن ابراہیم ہے۔ چنانچہ شیعہ علماء نے لکھا ہے کہ

((الجارودية فرقة من زيدية نسبت الى الجارود))[1]

اور ہمارے علماء نے ابو الخطاب جارودی کے متعلق لکھا ہے کہ

((قال ابن حبان يخطئ و يخالف)) [2]

''یعنی یہ اپنی مرویات میں خطا کرتا ہے اور معروف روایات کا خلاف کرتا ہے۔''

اور اسی سند میں ایک راوی قاسم بن فضل حدانی ہے اس کی کنیت ابو مغیرہ بصری ہے۔

② قاسم بن فضل حدانی

اس شخص کے متعلق علمائے رجال نے لکھا ہے کہ

((رمی بالارجاء قال يحيیٰ بن سعيد ذاك منكر قال يحيیٰ القطان كان منكرا)) [3]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ

((ذكره ابن عمرو العقيلی فی الضعفاء)) [4]

اور قاسم بن فضل حدانی اس روایت کو یوسف بن مازن سے نقل کرتا ہے۔ اس شخص یوسف کو بعض مقامات پر یوسف بن سعد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

③ یوسف بن مازن

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف بن مازن رجل مجہول ہے۔ اور علماء نے یہاں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ اس کی جہالت باعتبار ذات کے نہیں بلکہ باعتبار صفات و احوال کے ہے، اور اس کی روایت کا جو درجہ

---

۱ منتہی المقال ص ۴۲۶-۲۰۸ طبع قدیم ایران (تحت تشریح فرقہ الجارودیہ)

۲ لسان المیزان (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۲۴ ج ۳ طبع دکن

۳ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۲۹ ج ۸ تحت قاسم بن فضل

۴ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۴۲ ج ۲ تحت قاسم بن فضل۔

ہے وہ عنقریب ہم علماء کے بیانات کے تحت ذکر کر رہے ہیں (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

اسی روایت (صعود علی المنبر) کے راویوں میں موسیٰ بن اسمٰعیل ہے۔

④ موسیٰ بن اسمٰعیل

اس کے متعلق علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

((وتكلم الناس فيه قلت نعم تكلموا فيه بانه ثقة ثبت اما رافضي))[1]

''مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ثقہ تو ہے لیکن رافضی ہے۔''

اس روایت کے بعض اسانید میں محمد بن اسحاق صاحب المغازی ہے۔

⑤ محمد بن اسحاق صاحب المغازی

اس شخص کے متعلق جرح و تعدیل کے دونوں پہلو علمائے رجال نے ذکر کیے ہیں اور یہاں تک لکھا ہے کہ

((صدوق مشهور بالتدليس عن الضعفاء والمجهولين وعن شرمنهم وصفه بذالك احمد والدارقطني وغيرهما))[2]

اور حواشی نصب الرایہ میں مذکور ہے کہ

((قال النووي في شرح المهذب ج۵ ص ۱۳۳، اسناده ضعيف فيه محمد بن اسحاق صاحب المغازي وهو مدلس واذا قال المدلس "عن" لا يتحج به۔ انتهى كلامه))[3]

اور روایت مذکور کے بعض اسانید میں سری بن اسمٰعیل بجلی ہمدانی کوفی راوی ہے۔

⑥ سری بن اسمٰعیل

اس راوی کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ

((هو متروك الحديث...... قال الدارمي عن ابن معين ليس بشيء قال الآجري عن أبي داود ضعيف متروك الحديث قال ابن حبان كان يقلب الأسانيد ويرفع المراسيل[4] قال النسائي متروك الحديث وقال غيره ليس

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۰۸ ج ۳ تحت موسیٰ بن اسمٰعیل، طبع قدیم مصری

[2] طبقات المدلسین (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۹

[3] حواشی نصب الرایہ ص ۲۵۱ ج ۲ باب الجنائز۔

[4] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۵۹-۴۶۰ ج ۳ تحت سری بن اسمٰعیل

بشیء قال أحمد ترك الناس حديثه))[1]

روایت مذکور میں ایک اور راوی سفیان بن لیل ہمدانی کوفی ہے۔

⑦ سفیان بن لیل

اس کے متعلق علمائے رجال نے درج ذیل نقد اور جرح ذکر کی ہے:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ

((قال العُقيلى كان ممن يغلو فى الرفض لا يصح حديثه قال ابو الفتح الازدى سفيان مجهول والخبر منكر))[2]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سفیان ہمدانی کوفی غالی رافضی ہے، اس کی روایت صحیح نہیں اور یہ سخت مجہول ہے اور اس کی روایت منکر ہے یعنی معروف روایات کے خلاف ہے۔''

اس روایت کی بعض اسانید میں محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی ایک راوی ہے۔

⑧ محمد بن حسن بن زبالہ

اس راوی کے متعلق علماء نے درج ذیل نقد ذکر کیا ہے:

((قال ابن معين والله ما هو بثقة قال هاشم بن مرثد عن ابن معين كذاب، خبيث لم يكن بثقة ولا مامون يسرق الاحاديث قال ابوزرعة واهى الحديث قال النسائى لا يكتب حديثه قال احمد بن صالح كتبت عنه مائة الف حديث ثم تبين لى انه كان يضع الحديث فتركت حديثه))[3]

اور علامہ عقیلی رحمہ اللہ نے ابن زبالہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے:

((كان يسرق الحديث كان كذابا ولم يكن بشيء عنده مناكير))[4]

اور آیت الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ کے تحت جو روایات پیش کی جاتی ہیں اور اس سے مراد بنو امیہ لیتے ہیں اس کی سند میں یہی بزرگ (محمد بن حسن بن زبالہ ثنا عبدالمہیمن بن عباس) ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس پر سخت تنقید کر دی ہے جو عدم قبولیت کے لیے کافی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

---

1. میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۷۰ ج ۱، تحت سری بن اسمٰعیل
2. میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۹۷ ج ۱ تحت سفیان بن اللیل
   لسان المیزان (ابن حجر) ص ۵۳-۵۴ ج ۳ تحت سفیان بن اللیل
3. تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۱۱۶ ج ۹ تحت محمد بن حسن بن زبالہ
4. الضعفاء (عقیلی) ص ۵۸ ج ۴ تحت محمد بن حسن بن زبالہ المخزومی

((وهذا السند ضعيف جدا فان محمد بن الحسن بن زبالة متروك وشيخه أيضًا ضعيف بالكلية)) (تفسیر ابن کثیر جلد ثالث تحت الآیہ)

اور اسی طرح روایت ہذا کے دیگر اسناد میں عبدالمہیمن بن عباس بن سہل ایک راوی ہے جو محمد بن حسن کا استاد ہے۔

⑨ عبدالمہیمن بن عباس بن سہل

اس شخص کے متعلق علمائے رجال نے لکھا ہے کہ

((قال ابن معين هو ضعيف قال البخاری منكر الحديث قال النسائی ليس بثقة قال ابن حبان لما فحش الوهم فی روايته بطل الاحتجاج به قال علی بن جنيد ضعيف الحديث روی عن اباءه الحاديث منكرة۔ لا شیء))[1]

⑩ علی بن زید بن جدعان

اور بعض مرویات کے اسناد میں ایک شخص علی بن زید بن جدعان ہے۔ اس کو علماء نے ضعیف لکھا ہے۔[2]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((قال شعبة وكان رفاعا وكان ابن عيينة يضعفه قال حماد بن زيد كان يقلب الاحاديث عن يزيد بن ربيع قال كان علی بن زيد رافضيا عن يحيی ليس بشیء كان يتشيع قال البخاری وابو حاتم لا يحتج به))[3]

اسی طرح روایت مذکورہ بالا کے بعض دیگر اسانید میں متعدد افراد قابل نقد و جرح ہیں لیکن ان میں سے صرف ایک پر مختصر سا کلام درج ذیل ہے اور روایت پر جرح کے لیے یہی کافی ہے:

① ابو جحاف

اس شخص کا نام داود بن ابی عوف ہے۔ اس کے متعلق ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((وهو من غالية اهل التشيع وعامة حديثه فی اهل البيت وهو عندی ليس

---

[1] الضعفاء (عقیلی) ص ۱۱۴-۱۱۵ ج ۳ تحت عبدالمہیمن بن عباس
میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۱۷۱ ج ۲ تحت عبدالمہیمن، طبع بیروت
تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۳۲ ج ۶ تحت عبدالمہیمن بن عباس

[2] البدایہ ص ۲۴۳ ج ۶ تحت الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملہ من جملہ

[3] میزان الاعتدال (ذہبی) ج ۳ ص ۱۲۷-۱۲۸ تحت علی بن زید بن جدعان، طبع بیروت

بالقوی ولا ممن یحتج به فی الحدیث))[1]

اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بحوالہ ابن عدی رحمہ اللہ لکھا ہے کہ

((لیس هو عندی ممن یحتج به شیعی عامة یرویه فی فضائل اهل البیت))[2]

حاصل کلام

روایت ہذا کے اسناد پر نقد و جرح کے سلسلے میں ہم نے چند ایک راویوں پر مختصر سا کلام علمائے رجال کے حوالہ جات سے ذکر کر دیا ہے۔ اس روایت کے تمام اسانید کو فراہم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ القلیل یدل علی الکثیر۔

جو اسانید ہمارے سامنے آئے ہیں ان پر نقد و جرح کی ہے اور سقم روایت کے لیے اس میں کفایت ہے اور صحیح روایت کے اوصاف و شرائط یہاں نہیں پائے گئے فلہٰذا اس روایت کو عند المحدثین صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ خاص طور پر جب کہ بعض رواۃ شیعہ ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مذہب کی روایات کو نشر کرنا اپنا مسلک سمجھتے ہیں فلہٰذا ایسے رواۃ کی روایت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت اور تنقیص میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

روایت ہذا کے متعلق اکابر علماء کے بیانات

گزشتہ سطور میں روایت مذکورہ بالا کے اسانید کے متعلق بقدر ضرورت ناقدانہ گفتگو ذکر کی ہے اور اس مضمون کی جو روایات تاحال دستیاب ہو سکی تھیں ان کی سند پر بقدر کفایت نقد ذکر دیا ہے۔ اب اس کے بعد اس روایت کے متعلق اکابر علماء کی تنقیدات اور ان کے ناقدانہ بیانات ایک ترتیب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ علمائے کرام کے ان بیانات سے روایت کے عدم قبولیت کا درجہ واضح ہے۔

① مشہور محدث امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت ہذا نقل کرنے کے بعد یہ تحریر کیا ہے کہ

((هذا حدیث غریب لا نعرفه الامن هذا الوجه من حدیث القاسم بن الفضل وقد قیل عن القاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن والقاسم بن الفضل الحدانی هو ثقة یحیی بن سعید و عبدالرحمن بن مهدی ویوسف بن سعد رجل مجهول ولا نعرف هذا الحدیث علی هذا اللفظ الا من هذا

---

[1] الکامل (ابن عدی) ص ۹۵۱ ج ۳ تحت ابی الجحاف داود بن ابی عوف۔

[2] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۱۸ ج ۲ تحت داود بن ابی عوف، طبع بیروت
الضعفاء (عقیلی) ص ۳۷ ج ۲ تحت داود بن ابی عوف۔

الوجه))[1]

اس مقام پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ روایت ہذا غریب ہے اور قاسم بن فضل کے ذریعے ہی سے اس کی معرفت ہوئی ہے۔ اس شخص کے بغیر معروف نہیں ہو سکی۔ اور پھر بعض دفعہ قاسم مذکور یوسف بن مازن سے نقل کرتا ہے اور بعض دفعہ یوسف بن سعید سے۔ اور یہ یوسف رجل مجہول ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ صرف اسی ایک واسطہ سے ہمیں معلوم ہوئی ہے۔

② علامہ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ نے اس روایت پر گفتگو کی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تحقیق نقل کرنے کے بعد مزید چیزیں بھی ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ

((رواه ابن جرير من طريق القاسم بن الفضل عن يوسف بن مازن كذا قال وهذا يقتضى اضطرابا فى الحديث والله اعلم ثم هذا الحديث على كل تقدير منكر جدا۔ قال شيخنا الامام الحافظ الحجة ابوالحجاج المزى هو حديث منكر))[2]

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ کے دوسرے مقام پر اس روایت پر بحث کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی ہے کہ

((وقد سألت شيخنا الحافظ ابو الحجاج المزى رحمه الله عن هذا الحديث فقال و حديث منكر))[3]

مطلب یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی تصریحات اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیانات نے واضح کر دیا کہ یہ روایت غریب ہے اور منکر جداً ہے یعنی معروف روایات کے خلاف پائی جاتی ہے اور سوا اس ایک واسطہ کے کسی دوسرے صحیح طریقے سے دستیاب نہیں ہوتی۔

③ مشہور محدث ابن جوزی رحمہ اللہ نے العلل المتناہیہ میں اس روایت کو اپنی سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اس پر نقد کیا ہے اور اس روایت کے عدم صحت کا قول کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

((هذا حديث لا يصح، واحمد بن محمد بن سعيد هو ابن عقدة قال الدارقطنى كان رجل سوء قال ابن عدى رأيت مشائخ بغداد يسيئون اثنا

---

[1] جامع ترمذی ص ۴۸۴ ابواب التفسیر تحت سورۃ القدر، طبع لکھنؤ

[2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۰ ج ۴ تحت سورۃ القدر
البدایہ والنہایہ ص ۱۸-۱۹ ج ۸ تحت تذکرہ خلافۃ الحسن

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۴۴ ج ۶ تحت ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملۃ من جملۃ

عليه ويقولون لا يتدين بالحديث ويحمل شيوخنا بالكوفة على الكذب ويسوى لهم نسخا ويأمرهم برواياتها واكثر رجال هذا الاسناد مجاهيل))[1]

نیز اس روایت کے بعض اسانید میں ابن عقدہ ہے اس پر علمائے رجال نے مفصل ناقدانہ کلام کیا ہے۔ یہ شخص زیدی جارودی شیعہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مثالب و معائب املا کراتا تھا[2] حاشیہ میں چند ایک حوالے درج کر دیے ہیں تا کہ اہل علم رجوع کر سکیں۔ اس قسم کے بزرگ کی روایت اس مقام پر قبول نہیں ہو سکتی۔

④ اور حاکم نے متدرک میں یہ روایت قاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن نقل کی ہے۔ اس پر تلخیص میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے نقد کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

((وما ادرى آفة من أين؟))

''یعنی علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آفت نہیں معلوم کہاں سے آئی؟''

مطلب یہ ہوا کہ وہ اس روایت کے مضمون کو صحیح نہیں سمجھتے لیکن متعین طور پر کسی شخص پر نقد کرنے میں متردد نظر آتے ہیں۔

⑤ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مظہری میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر وہی نقد و جرح ذکر کی ہے جو امام ترمذی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ

((قال الترمذي غريب و قال المزي وابن كثير منكرا جدا))[3]

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ روایت کے متعلق کبار علماء نے اپنی اپنی عبارات میں نقل کر دیا ہے کہ یہ روایت غریب ہے اور کوئی مشہور و متداول نہیں اور منکر ہے (معروف روایات کے خلاف ہے) اور منکر جداً ہے، نکارت رفع نہیں ہو سکی اور بعض علماء اس روایت کی عدم صحت کا قول بھی کرتے ہیں، اس کے راویوں میں بعض رجل سوء موجود ہیں اور بعض رجل مجہول ہیں اور اس کے مضمون کو ''آفت و بلا'' سے تعبیر کیا ہے۔

---

۱ العلل المتناہیہ (ابن جوزی) ص۲۹۴ ج۱ تحت حدیث آخر فی ذم بنی امیہ

۲ میزان الاعتدال (ذہبی) ص۶۵ ج۱ تحت احمد بن محمد بن سعید ابن عقدہ، طبع مصر قدیم
لسان المیزان ص۲۶۶ ج۱ تحت احمد مذکور
البدایہ والنہایہ ص۸۷ ج۶ تحت روایت رد شمس
تراجم رجال شیعہ کتب ملاحظہ ہوں۔ یہ زیدی شیعہ اور جارودی شیعہ ہے اور شیعہ کے نزدیک معتمد شخصیت ہے۔

۳ تفسیر مظہری ص۳۰۱ پارہ نمبر۳۰ تحت سورۃ القدر

اکابر علمائے کرام کی ان تصریحات اور تعبیرات سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچتی اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

درایت کے اعتبار سے کلام

ما قبل میں اس روایت کے متعلق باعتبار روایت کلام کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اکابر علمائے کرام کے بیانات بھی مختصراً ذکر کیے ہیں۔ اب اس مقام پر یہ چیز ذکر کرنا مناسب خیال کیا ہے کہ جو روایت معترض دوستوں نے بنو امیہ کی مذمت اور تنقیص کے طور پر ذکر کی ہے اس کو باعتبار درایت جانچ لیا جائے اور واقعات کے پیش نظر اس کا جائزہ لیا جائے۔

پیش کردہ روایت میں یہ مضمون مذکور ہے کہ بنو امیہ کا منبر نبوی پر پایا جانا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار معلوم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ منبر کے منصب پر ان لوگوں کا فائز ہونا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شاق ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ کے لیے یہ عہدہ ناپسند اور مکروہ ہے۔

اس تمہیدی گزارش کے بعد حالات واقعی پر نظر فرما کر غور فرمائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر جانشینوں نے منصب عہدہ کے مسئلے میں بنو امیہ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا اور ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا؟ اس پر ذیل میں اجمالاً چند امور پیش خدمت ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیں:

① نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جانے کے دوران میں جناب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب اور قائم مقام بنایا۔

((استخلف رسول الله ﷺ على المدينة فى غزوته الى ذات الرقاع عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ واستخلفه ايضا على المدينة فى غزوة الى غطفان))[1]

''یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا جب کہ آپ غزوہ ذات الرقاع کی طرف تشریف لے گئے اور اسی طرح جب آپ غزوہ غطفان کی طرف تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی مدینہ طیبہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔''

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو متعدد بار مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام فرمایا۔ اور ظاہر بات ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ اور منبر پر بطور نائب کے فرائض منصبی سر انجام دیتے تھے۔

نیز خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تمام صحابہ

---

1. طبقات ابن سعد ص ۳۹ ج ۳ قسم اول تحت ذکر اسلام عثمان طبع اول لیڈن
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۶ ج ۳

کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلا نزاع (متفقہ طور پر) خلیفۃ المسلمین تسلیم کرلیا اور مصلّٰی نبوی کا منصب انھیں امت کی طرف سے حاصل ہوا اور کسی قبیلہ اور کسی شخص نے ان کے اس منصب پر فائز ہونے پر کوئی نقد اور اعتراض نہیں کیا۔ بنو امیہ کے منبر نبوی پر کودنے والی روایت کیا ان سب حضرات کے سامنے نہیں تھی؟ غور فرمائیں۔

② نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف سے رخصت ہونے سے قبل بنو امیہ کے ایک مشہور فرد جناب عتاب بن اُسید بن ابی العیص بن امیہ رضی اللہ عنہ کو مکہ شریف کا والی اور حاکم مقرر فرمایا (جو زمین پر افضل ترین مقام ہے) اور جناب عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ اپنے منصب ولایت کے دور میں جہاں دیگر دینی امور سرانجام دیتے تھے وہاں منبر اور مصلّٰی کے فرائض بھی انھی کے سپرد تھے اور تمام اکابر صحابہ بنو ہاشم ہوں یا بنو امیہ یا قریش کے دیگر قبائل، اس منصب کے حصول پر رضامند تھے اور کسی نے اس معاملے میں اعتراض نہیں پیدا کیا اور مندرجہ روایت کو پیش نظر نہیں لائے۔

③ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بنو امیہ کو دینی امور کے فرائض انجام دینے کے لیے متعدد بار منصب عطا کیے جاتے تھے۔ جس کی تھوڑی سی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''مسئلہ اقربانوازی'' میں بحث ثالث ص ۳۱۴ کے تحت ذکر کر دی ہے۔ وہاں یہ بھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تیما کے علاقے پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔ مرکز اسلام کی طرف سے جو کسی علاقے کا امیر مقرر کیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ وہ دیگر امور کے ساتھ ساتھ مصلّٰی اور منبر کے متعلق فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔

((ویزید بن أبی سفیان رضی اللہ عنہما (امرہ) علی تیما...... الخ))[1]

ایک تجزیہ

روایت ہذا میں بعض راویوں کی جانب سے بنو امیہ کے عہد کی مذمت ظاہر کرنے کے لیے حساب لگایا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ روایت کے مضمون کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ کا منبر پر صعود اور نزول دکھایا گیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پریشان ہوئی اور جناب کو یہ چیز ناگوار معلوم ہوئی۔ پس اطمینان و تسکین کی خاطر سورۃ القدر و سورۂ کوثر کا نزول ہوا اور سورۃ القدر میں لیلۃ القدر کا بیان ہے کہ یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور ہزار مہینوں کے ۸۳ سال اور ۴ ماہ ہوتے ہیں اور یہ مدت دولت بنو امیہ کے مطابق ہے یعنی ان کا عہد بھی ایک ہزار مہینہ بنتا ہے (لا تزید یوما ولا تنقص)

گویا معترض لوگوں کے نزدیک یہ تمام عہد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند اور مبغوض ہے۔ راوی کے

---

[1] کتاب المحبر ص ۱۲۶ تحت امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس قول کا علماء نے تجزیہ کر کے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں قابل غور ہیں:

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد (جو بارہ روز کم بارہ برس ہے) حساب کے اعتبار سے دولت بنو امیہ میں شامل و داخل کیا جائے گا۔ حالانکہ یہ عہد جمہور امت کے نزدیک ممدوح ہے مذموم نہیں، پسندیدہ ہے مکروہ نہیں۔

② پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت وصلح کے بعد ۴۱ھ سے شروع ہوتا ہے (اور قریباً انیس برس سے زائد) وہ بھی اس مدت میں شمار ہوگا۔ اور اہل تاریخ کے نزدیک مسلم چیز ہے کہ بنوامیہ کا دور ایک سو بتیس ہجری تک قائم رہا پھر بنوعباس کی طرف خلافت منتقل ہوئی۔ تو اس حساب سے قریباً ایک سو چار سال تک مدت خلافت بنی امیہ بنتی ہے جو اعتراض پیدا کرنے والے راوی کے حساب کے بالکل متعارض ومخالف ہے۔ اور اگر بالفرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت (بارہ برس) وضع بھی کر لی جائے تو اس کے بعد بھی قریباً بانوے سال ہوتے ہیں اور یہ بھی راوی کے قول کے حساب سے درست نہیں ہے۔

③ نیز روایت کے مقتضا کے اعتبار سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت بھی اس مدت میں داخل ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ "محمود عہد" بھی مذموم ومبغوض ٹھہرے حالانکہ اس دور کی مذمت کا ائمہ اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ پس یہ چیز بھی روایت کے منکر اور نا قابل قبول ہونے پر واضح دلیل ہے۔

④ طعن کرنے والوں نے روایت بنوامیہ کی مذمت کے لیے ذکر کی ہے اور ان کے عہد کی تنقیص کے لیے پیش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی فضیلت جو ان ایام پر ہے وہ بنوامیہ کے عہد کے مذموم ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

((فما يلزم من تفضيلها على دولتهم ذم دولتهم فليتأمل هذا فانه دقيق يدل على ان الحديث فى صحته نظر لانه انما سيق لزم ايامهم والله تعالى اعلم))[1]

مختصر یہ ہے کہ روایت اپنے مضمون کے تقاضوں کے اعتبار سے محل نظر ہے اور اپنے مفہوم میں صحیح ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس بنا پر اکابر علماء کو اس کی صحت پر اعتماد نہیں اور قابل تامل قرار دیتے ہیں۔ نیز اہل علم کے اطمینان کے لیے تفسیر ابن کثیر کی عبارت بعینہٖ درج ہے، اور مذکورہ بالا عبارت البدایہ سے نقل کی تھی۔

((ومما يدل على ضعف هذا الحديث انه سيق لزم بنى امية ولو اريد ذالك لم يكن بهذا السياق فان تفضيل ليلة القدر على ايامهم لا يدل على ذم

[1] البدایہ والنہایہ ص۲۴۴ ج۶ تحت ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملہ من جملہ

ایامهم فان ليلة القدر شريفة جدا والسورة الكريمة انما جاءت لمدح ليلة القدر فكيف تمدح بتفضيلها على ايام بني امية التي هي مذموة بمقتضى هذا الحديث))[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ منبر نبوی پر بنوامیہ کے چڑھنے اور اترنے کی روایات کے متعلق ایک طریقے سے کلام کر دیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کا مختصر سا تجزیہ بھی پیش کر دیا ہے۔ ان تمام مندرجات پر نظر انصاف فرمائیں۔ مثلاً

((رأى رسول الله ﷺ بنو امية على منبره فساء ه ذالك ينزون على منبرى كما تنزو القردة))

((رأى بنو امية يخطبون على منبره رجلا رجلا)) وغیرہ وغیرہ۔

بالفرض اگر یہ روایات درست ہیں تو نبی اقدس ﷺ کے بنوامیہ کے ساتھ معاملات جن میں سے بعض کا قلیل سا ذکر کیا ہے یہ کیسے درست ہوئے؟ اور آنجناب نے بنوامیہ کے مذکورہ لوگوں کو دینی معاملات میں کیسے اپنا قائم مقام بنایا اور اپنے مصلی اور منبر پر فائز فرمایا؟

اور جناب نبی کریم ﷺ کے اکابر خلفائے راشدین حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی بنوامیہ کے اکابر کو کس طرح دینی مناصب تفویض فرمائے؟ جب کہ وہ اس بات کے اہل نہیں تھے اور آنجناب ﷺ کی نگاہوں میں مبغوض و مکروہ تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر کوئی شخص یہ صورت اختیار کرے کہ مندرجہ بالا روایات جو اعتراض میں پیش کی جاتی ہیں ان سے مراد صرف بنوامیہ کے وہ افراد ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اپنے اپنے عہد میں مسلمانوں کے امراء اور خلفاء ہوئے اور ان سے کئی چیزیں قابل اعتراض سرزد ہوئیں یعنی روایات میں روئے سخن ان کی طرف ہے۔

تو اس چیز کے ازالے کے لیے اتنی گزارش ہے کہ اعتراض میں بطور طعن جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کے الفاظ عام ہیں۔ ان کے عموم الفاظ میں صحابہ بنوامیہ داخل ہیں۔ اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ معترض احباب صحابہ بنوامیہ (مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت عتاب بن اُسید، حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد حضرت ابوسفیان اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم) کو اعتراض کرتے وقت ان روایات سے مستثنیٰ نہیں قرار دیتے اور ان تمام کے حق میں ان روایات کے ذریعے سے طعن قائم کرتے ہیں اور عوام میں نفرت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۳ ج ۴ تحت سورۃ القدر

اس بنا پر اس اعتراض کے جواب میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفائی پیش کرنی ضروری سمجھی گئی اور ہمارا موقف بھی مدح صحابہ کے مقام پر یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے دفاع کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں اور جو خلفاء اور امراء صحابی نہیں، خواہ وہ بنوامیہ سے ہوں یا غیر بنوامیہ ،ان کے دفاع سے ہمیں سروکار نہیں۔ پس ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور اپنے اعمال کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (القرآن الکریم)

طعن کی ایک روایت

بعض روایات میں یہ چیز ذکر کی گئی ہے کہ ایک دفعہ جناب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ واقعہ کا ناقل کہتا ہے کہ میں جب مسجد نبوی میں داخل ہوا تو آنجناب ﷺ کے اصحاب کی زبانوں پر یہ کلمات جاری تھے:

((نعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ))

یہ کلمات سن کر میں نے کہا کہ کیا چیز پیش آئی ہے؟ تو جواب میں کہنے لگے کہ قبل ازیں معاویہ اپنے والد ابو سفیان کا ہاتھ پکڑے ہوئے یہاں مسجد سے نکلے ہیں اور اسی دوران میں جناب نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور آنجناب ﷺ نے ان دونوں کے حق میں ایک ایسا فرمان دیا ہے جس کی وجہ سے ہم نعوذ باللہ کہہ رہے تھے۔

جواب

اس روایت کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں ان کو انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں:

① یہ روایت جن کتابوں میں مذکور ہے وہ تاریخ اور تراجم کی کتب میں شمار ہوتی ہیں، کوئی معتمد کتب احادیث میں سے نہیں۔

② روایت کی سند کے اعتبار سے جو کلام کیا جاتا ہے اس کو پیش نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ اگر سند صحیح پائی جائے تب یہ روایت قابل قبول ہوگی ورنہ نہیں۔

③ ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ صاحب کتاب کی طرف سے اس کی سند اس طرح شروع ہوئی ہے کہ "قال اخبرت عن فلان" یعنی مجھے فلاں شخص کی جانب سے خبر پہنچی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ کس طرح خبر حاصل ہوئی اور کون اور کیسا شخص خبر دینے والا تھا؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ملتی، یہ معرض خفا میں ہے۔ وہ شخص راست گو تھا، یا دروغ گو تھا اس کی کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔ پھر سند پر نظر کرنے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ سند ہذا کا آخری راوی "نصر بن عاصم اللیثی عن ابیہ" ہے۔ اس شخص کے حق میں علمائے رجال نے

اگرچہ توثیق کے الفاظ ذکر کیے ہیں تاہم اس راوی کا فطری رجحان یہ لکھا ہے کہ رائے خوارج رکھتا ہے۔

((قال ابوداود کان خارجیا قال المرزبانی فی معجم الشعراء کان علی رأی الخوارج ثم ترکهم))[1]

مختصر یہ ہے کہ روایت ہذا اس شخص کے خارجی رجحانات کے دور کی یادگار ہے اور خوارج حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت خلاف ہیں۔ فلہٰذا یہ روایت قابل تسلیم نہیں اور اس سے طعن قائم کرنا ازروئے قاعدہ درست نہیں۔

درایت کے اعتبار سے تجزیہ

اس سلسلے میں یہ چیز نہایت قابل توجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد گرامی جب سے مشرف باسلام ہوئے ہیں ان کے ساتھ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کس طرح رہا؟ اور کیا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی عزت وشرف بخشا ہے؟ اور کوئی منصب یا اعزاز فرمایا ہے یا نہیں؟ یا اس کے برعکس معاملہ ان کے ساتھ کیا گیا؟

حقیقت حال یہ ہے کہ ان دونوں باپ بیٹے کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات اور تعلقات احادیث اور تاریخ وتراجم کی کتابوں میں بڑے عمدہ طریقے سے مصنفین نے ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ ناظرین کرام کی خدمت میں یاددہانی کے طور پر یہ امور اختصاراً ذکر کیے جاتے ہیں۔ تمام واقعات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ ان پر نظر کر لینے سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنے کاتبوں میں داخل فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کتابت کے اس منصب پر تمام عہد نبوت میں آخر تک فائز رہے۔

② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد انھیں علاقہ یمن میں حضرموت کے مقام پر ایک قطعہ اراضی عطا کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔

قبل ازیں یہ واقعہ ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں عنوان ''شام'' کے تحت ص ۶۱-۶۲ پر ذکر کر دیا ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت امور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعزاز وشرف میں پائے جاتے ہیں جن کو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی سیرت وسوانح میں درج کرنے کا قصد ہے۔ مالک کریم توفیق عنایت فرمائیں تو ان کے رحم وکرم سے کچھ بعید نہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو ان کو کئی اعزازات ومناصب

---

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۲۷ ج ۱۰ تحت نصر بن عاصم اللیثی البصری

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عنایت فرمائے گئے مثلاً:

① آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر دار ابی سفیان کو دارالامن قرار دیا۔

② حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کے علاقے پر عامل اور حاکم بنا کر روانہ فرمایا۔

③ قبیلہ بنی ثقیف کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روانہ فرمایا۔

④ قبیلہ بنی ثقیف میں عروہ اور اسود نامی دو مقروض شخصوں کے قرض کی ادائیگی کے لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا گیا۔

⑤ ایک دفعہ قریش مکہ میں کچھ مال واسباب تقسیم کرنا مقصود تھا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال عمر بن فغوا کے ذریعے سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال فرمایا تاکہ وہ اسے قریش مکہ میں تقسیم کر دیں۔

مذکورہ بالا واقعات کے حوالہ جات کے لیے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۳۱۸ تا ۳۲۱ کی طرف رجوع فرمائیں، وہاں اس کی بقدر ضرورت تفصیل درج کر دی ہے۔

اور اپنے کتابچہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' میں کسی قدر مزید تفصیل لکھ دی ہے۔ مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما دونوں کے لیے کئی مناصب اور متعدد اعزازات عنایت فرمائے گئے، اور یہ واقعات عند العلماء مسلمات میں سے ہیں۔

فلہٰذا قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا یا اس نوع کی دیگر روایات جن میں نعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں، صحیح نہیں بلکہ غلط اور بے سروپا ہیں اور قابل قبول نہیں۔

علمائے کرام نے صاف طور پر یہ مسئلہ واضح کر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں جو روایات دستیاب ہیں وہ دروغ بے فروغ اور بے بنیاد ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں۔ وکل حدیث فی ذمه فهو كذب۔[1]

---

[1] المنار المنیف فی الصحیح والضعیف (ابن قیم جوزیہ) ص ۱۱۷ مطبوعہ حلب (فصل ۳۷)
الموضوعات الکبیر (ملا علی قاری) ص ۱۰۶ تحت مسئلہ ہذا، طبع مجتبائی دہلی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا الزام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالفین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ

''جب معاویہ یزید کے لیے بیعت لینے کی خاطر مدینہ منورہ آیا تو حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے ان کو ملامت کی۔ معاویہ نے اپنے گھر میں ایک کنواں کھودا اور اسے گھاس پھونس سے ڈھانپ دیا اور اس پر آبنوس کی کرسی رکھ دی پھر حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی ضیافت کی اور انھیں اس کرسی پر بٹھایا۔ وہ اسی وقت کنویں میں گر گئیں۔ معاویہ مضبوطی سے کنویں کو بند کر کے مکہ چلا گیا اور ام المومنین اس میں مر گئیں۔'' (نستغفر الله العظیم)

یہ ایک مشہور طعن ہے۔ شیعہ لوگ اس کی تشہیر کیا کرتے ہیں۔

جواب

طعن ہذا کے جواب کے لیے مندرجہ ذیل امور تحریر کیے جاتے ہیں۔ مندرجات ہذا ملاحظہ کرنے سے جواب مکمل ہو سکے گا:

جن کتابوں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا طعن اخذ کیا گیا ہے وہ علمی طبقہ میں غیر معروف اور اعتماد کے لحاظ سے کسی درجے میں شمار نہیں ہوتیں، بیکار اور ردی مواد کی حامل ہیں۔ اب اس واقعہ کو صاف کرنے کے لیے ہم حدیث، تاریخ اور تراجم کی مشہور روایات سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا اصل واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد باعتبار درایت اس پر کلام کیا جائے گا۔

روایات کے اعتبار سے

یہاں صرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال اور وفات کے موقع کی روایات ذیل میں مختصراً پیش کی جاتی ہیں جن سے ان کے قتل کے افسانے کا جواب ہو سکے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب اور کمالات کا یہاں ذکر مقصود نہیں۔ احادیث اور تراجم کی کتابوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ منقول ہے۔

① ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور بیماری نے شدت اختیار کی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیادت کے لیے تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان کے ذریعے سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے برادر زادے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما موجود تھے انھوں نے بھی کہا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ پہلے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی پریشانی کے باعث معذرت کرنے لگیں تاہم ان کے برادر زادے کے اصرار سے انھوں نے اجازت دے دی۔

((فلما ان سلم وجلس قال البشری قالت بما؟ قال ما بینك وبین ان تلقی محمد ﷺ والاحبته الا ان تخرج الروح من الجسد کنت احب نساء رسول الله ﷺ الی رسول الله ﷺ ولم یکن رسول الله ﷺ یحب الا طیبا))[1]

"یعنی جب ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے، سلام پیش کیا اور بیٹھ گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اے ام المومنین! آپ کو بشارت ہو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کس بات کی بشارت دے رہے ہو؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ جسم سے روح الگ ہونے کی دیر ہے کہ آپ کی جناب رسول اللہ ﷺ اور دوستوں سے ملاقات ہوگی اور کہا کہ آپ نبی اقدس ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ آپ (ﷺ) کو محبوب تھیں اور آنجناب ﷺ نہیں پسند فرماتے تھے مگر بہترین چیز کو۔ (اسی طرح مزید بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گفتگو کی اور اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا)۔"

② اسی طرح اس موقع کی ایک دیگر روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اکابر علمائے امت نے نقل کی ہے اس کا مفہوم بھی گزشتہ روایت کے مفہوم کے قریب ہے اور مزید چیزیں بھی مذکور ہیں۔ روایت اس طرح ہے کہ

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه استاذن علی عائشة رضی اللہ عنہا فی مرضها فأرسلت الیه انی اجد غما وکربا فانصرف فقال للرسول ما انا الذی ینصرف حتی ادخل فاذنت له فقالت انی اجد غما وکربا وانا مشفقة مما اخاف ان اهجم علیه فقال لها ابن عباس البشری فوالله لقد لسمعت رسول الله ﷺ یقول

[1] طبقات ابن سعد ص ۵۱-۵۲ ج ۸ تحت ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (طبع اول لیڈن)

عائشة زوجتی فی الجنة وکان رسول الله ﷺ اکرم علی الله ان یزوجه جمرة من جمر جهنم فقالت فرجت عنی فرج الله عنك))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرض الوفات کے موقع پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیادت کے لیے تشریف لائے اور حاضری کی اجازت طلب کی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا کہ بیماری کی پریشانی ہے اور طبیعت مغموم ہے، آپ واپس چلے جائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واپس ہونا پسند نہیں کیا اور پھر حاضری کے لیے اذن چاہا اور حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ موت سامنے ہے اور سخت پریشان ہوں کہ موت کے بعد کیا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اطمینان دلاتے ہوئے عرض کیا کہ سردار دو جہاں ﷺ سے میں نے سنا تھا آپ فرماتے تھے کہ عائشہ جنت میں بھی میری زوجہ ہوں گی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم ﷺ اپنے خدا کے ہاں اس بات سے بلند و بالا ہیں کہ جہنم کے ایک (انگارہ) کو ان کی زوجیت میں دیا جائے۔ یہ سن کر ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم نے میری پریشانی کو زائل کر دیا، اللہ تعالیٰ تمھاری تکالیف کو بھی رفع فرمائے۔''

مسند امام ابوحنیفہ کی یہ روایت قبل ازیں ''رحماء بینھم'' حصہ صدیقی ص ۸۵-۸۶ پر ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس مقام کی مزید ایک دو روایات ذکر کی جاتی ہیں تاکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا مسئلہ اپنی جگہ پر منقح ہو جائے۔

③ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام ذکوان تھا اس کے متعلق قبل از انتقال یوں ارشاد فرمایا کہ جب بعد از وفات مجھے کفن دیا جائے اور خوشبو لگائی جائے پھر میرا غلام مجھے قبر میں داخل کرے اور بعد از دفن اوپر قبر کی مٹی درست کر دی جائے تو ذکوان آزاد ہے۔

((ان عائشة رضی الله عنها قالت اذا کفنت وحنطت ثم دلانی ذکوان فی حفرتی وسواها علی فهو حر))[2]

④ اسی طرح طبقات ابن سعد میں ایک دیگر روایت ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بتاریخ ۱۷ رمضان المبارک بعد از عشاء (بعد الوتر) ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمان دے رکھا تھا کہ میری تدفین انتقال کی رات ہی میں کر دی جائے۔ بہت سے لوگ جنازے میں حاضر ہوئے۔ رات کے وقت اتنا بڑا

[1] جامع مسانید الامام الاعظم، الباب الثالث فی الایمان، الفصل الرابع فی الفضائل ج ا ص ۲۱۵

[2] مسند امام ابی حنیفہ عند اختتام باب الفضائل والشمائل ص ۱۷۹ طبع حلب

طبقات ابن سعد ص ۵۳ ج ۸ تحت ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اجتماع کبھی نہیں دیکھا گیا حتیٰ کہ عوالی مدینہ کے لوگ بھی پہنچے اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

((ماتت عائشة ليلة سبع عشرة من شهر رمضان بعد الوتر فأمرت ان تدفن من ليلتها فاجتمع الناس وحضروا فلم نر ليلة اكثر ناسا منها نزل اهل العوالى فدفنت بالبقيع))[1]

⑤ نیز اس مقام پر اس طرح بھی مروی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور ان کی وفات کی تاریخ رمضان المبارک ۵۸ھ تھی اور وتر کے بعد ان کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

((صلى ابوهريرة على عائشة فى رمضان سنة ثمان و خمسين ودفنت بعد الايتار))[2]

مندرجہ بالا روایات نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال، تجہیز وتکفین اور تدفین کے مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ صاف کر دیا ہے اور طبعی وفات کی صورت میں پیش کیا ہے۔ فلہٰذا مخالفین صحابہ نے جو واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا بصورت قتل پیش کیا وہ بالکل افسانہ ہے، تصنیف شدہ قصہ ہے، حقیقت واقعہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عداوت کو ظاہر کیا ہے۔

ایک قاعدہ

اور قاعدہ یہ ہے کہ الزام کی مدافعت اپنے مسلمات سے پیش کرنے کا حق ہمیں حاصل ہے۔ اس اعتبار سے ان روایات کے ذریعے سے مذکورہ الزام قتل کا جواب مکمل ہو گیا۔

تنبیہ

مسئلہ ہذا کے لیے ہم نے صرف چند ایک روایات، احادیث اور تراجم کی کتابوں سے پیش کی ہیں ورنہ اس مسئلے کی تفصیلات دیگر تراجم اور تاریخ کی کتابوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

① البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۹۳-۹۴ ج ۸ تحت ترجمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

② الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۴۹-۳۵۰ ج ۴ تحت ترجمہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما۔

شیعہ کی طرف سے تائید

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق شیعہ کے اکابر علماء نے جو تفصیلات ذکر کی ہیں وہ بھی افسانہ قتل کے جواب کے لیے خود ان علماء کی زبان سے کافی ووافی ہیں۔ ہم ان کی تفصیلات کو بخوف تطویل نقل

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۵۳ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۶۵ ج ۲ تحت سنہ ۵۸ھ

نہیں کر سکتے لیکن مسئلہ کو مدلل کرنے کے لیے صرف دو عدد حوالہ جات ذکر کرتے ہیں، ان کے ذریعے سے طعن کا جواب مکمل ہو جائے گا:

① چنانچہ تنقیح المقال میں ہے کہ

((عدھا (عائشة بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما) الشیخ فی رجاله من الصحابیات قال المقدسی تزوج بها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بکرا ولم تزوج بکرا غیرها وهی بنت ست قبل الهجرة بسنتین وبنی بها وهی بنت تسع وقبض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهی بنت ثمان عشرة الی ان قال توفیت سنة ثمان و خمسین انتهی))[1]

② اور منتخب التواریخ میں ہے کہ

''ودرمیان زوجات آں بزرگوار ہمیں یکزن باکراہ بود و باقی ثیبہ بودند کہ زوجہ آنحضرتؐ شدند و عائشہ در سنہ پنجاہ و ہفت ہجری در مدینہ از دنیا رفت و در بقیع دفن شد۔''[2]

''یعنی شیعہ عالم مامقانی کہتے ہیں کہ ان کے شیخ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی رجال کی کتاب میں ''صحابیات'' میں شمار کیا ہے اور مقدسی نے کہا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا درآں حالے کہ یہ باکرہ تھیں اور ان کے سوا آپ کی ازواج میں کوئی عورت باکرہ نہیں تھیں۔ ہجرت سے دو سال پہلے ان سے نکاح ہوا جب کہ ان کی عمر چھ سال تھی اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی تھی اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔''

اور محمد بن ہاشم خراسانی شیعی نے منتخب التواریخ میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باکرہ تھیں باقی ثیبہ (بیوہ) تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۵۷ھ میں مدینہ شریف میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں اور جنت البقیع میں ان کا دفن ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ شیعہ علماء نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کو طبعی حالت سے ذکر کیا ہے اور اسے قتل کی صورت میں بیان نہیں کیا اور جنت البقیع میں ان کا مدفون ہونا درج کیا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ قتل کا افسانہ تصنیف شدہ ہے اور حقیقت واقعہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ شیعہ و سنی دونوں فریقوں کے علماء نے یہ مسئلہ صاف کر دیا ہے۔

---

[1] تنقیح المقال (شیخ عبداللہ مامقانی) ص ۸۱ ج ۳ من فصل النساء تحت عائشہ بنت ابی بکر

[2] منتخب التواریخ (محمد بن ہاشم خراسانی) ص ۱۱ فصل چہارم امر دوم تحت الثانیہ عائشہ دختر ابا بکر۔

درایت کے اعتبار سے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کے متعلق جو واقعہ تیار کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس میں قتل کے وجوہ جو معترض لوگ بیان کرتے ہیں ان پر نظر کی جائے تو وہ جواز قتل کے اسباب کے قابل نہیں:

① وجہ یہ ہے کہ یزید کی بیعت کے مسئلے میں اختلاف پیش آیا تھا تو اس وقت اختلاف کرنے والے چار پانچ مردوں کا ذکر عام تاریخوں میں پایا جاتا ہے لیکن عورتوں خصوصاً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے باعتبار صحیح روایات اختلاف مذکور نہیں۔ اور جن حضرات نے اس مسئلے میں اختلاف کیا تھا ان کے ساتھ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل یا قید و بند کی سزا کا معاملہ نہیں کیا گیا۔ اور اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیعت یزید کے سلسلے میں اختلاف تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی ان کے ساتھ سختی اور سزا کا معاملہ بالکل نہیں روا رکھا گیا۔ جب مردوں کے ساتھ سزا کا معاملہ نہیں کیا گیا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ یہ کس طرح کر دیا؟

② نیز بیعت یزید کی دعوت کا معاملہ بقول مورخین ۵۶ھ میں پیش آیا تھا جب کہ مشہور اقوال کے مطابق حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔ اگر بالفرض ان کو سزا دینا مقصود تھا تو جلدی اس کے متعلق کارروائی کرتے۔ قریباً دو سال کے بعد سزا کا اقدام درایت کے ہی خلاف ہے۔

③ مزید برآں یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روابط تازیست خوشگوار تھے اور ان کے باہمی عمدہ تعلقات کے کئی واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کسی قسم کی عداوت یا رنجش نہیں تھی۔ ذیل میں ہم اس پر چند شواہد پیش کرتے ہیں:

ا۔ چنانچہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک عجیب فضیلت ذکر کی جو ان کے مقام و مرتبہ کو بہتر طور پر واضح کرتی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس کلام کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے:

((عن عبدالله بن وردان قال معاوية ان من الناس من لا يرد عليه امره وان عائشة منهم))[1]

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بعض لوگوں کا درجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔"

اس روایت سے ایک تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام و مرتبہ

---

[1] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۲۲۰ ج ۳ ق اول طبع دکن

معلوم ہوتا ہے اور دوسری چیز یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیعت یزید کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہوتی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ہی مذکورہ بالا قول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات کو رد نہیں کر سکتے تھے۔

۲۔ دیگر چیز یہ ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک قیمتی قلادہ (ہار) بطور تحفہ ارسال کیا جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی جانب سے یہ تحفہ قبول فرمایا اور اپنے سمیت تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں تقسیم فرما دیا۔

((عن حجاج بن عطاء ان عائشة بعث اليها معاوية قلادة قومت بمائه الف۔ فقبلتها و قسمتها بين امهات المؤمنين))[1]

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باہمی خوشگوار اور عمدہ تعلقات پر اسی نوع کے کئی واقعات احادیث اور روایات کی کتابوں میں دستیاب ہیں (ان کو ہم ان شاء اللہ سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں تفصیل سے بیان کریں گے بعونہ تعالیٰ)۔

ان واقعات کے پیش نظر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی رنجش عداوت یا عناد نہیں تھا جو ان کے معاملات کو قتل تک پہنچائے۔ معترض لوگوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا جو افسانہ تیار کیا ہے جانبین کی طرف سے اس دور کے حالات اور واقعات اس کی تائید نہیں کرتے۔ اور جو روایت امر واقع کے خلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں ہوتی اہل علم حضرات اس قاعدہ سے خوب واقف ہیں۔

---

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیہ روایت نمبر ۳۷۴۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک دیگر سلسلہ

(حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول پھر اس کا جواب)

بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک حیرت انگیز سلسلہ چلایا ہے، مثلاً ''معاویہ اور اسلام''، ''معاویہ اور رسول'' اور ''معاویہ کا شوق رسالت'' وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان عنوانات کے تحت ایسے بے بنیاد، بے ہودہ اور بے سروپا اتہامات ذکر کیے ہیں جنھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایمان رکھنے والا کوئی مسلمان نہ ذکر کر سکتا ہے اور نہ ان کی سماعت برداشت کر سکتا ہے۔ زمانہ قدیم سے اعدائے صحابہ کرام اس طرح کا طریق کار اختیار کیے ہوئے ہیں کہ مقتدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنا ان کا نصب العین اور مقصد زندگی ہے۔

اس دور میں ایک بار پھر اس مذموم مقصد کو ایک تحریک کی شکل میں اٹھایا گیا ہے اور اپنے ''دیرینہ ساتھیوں'' کے ہاتھوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔

بزعم خویش اس ''کار خیر'' کے لیے ایک گروہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ''ناموس اہل بیت'' کے محافظین کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کا نام بھی استعمال کیے ہوئے ہیں تا کہ عام مسلمانوں کا ان پر مذہبی اعتماد بھی بحال رہے اور مقام صحابہ کو خوب مجروح اور مقدوح کیا جائے۔ ایسے لوگوں کی یہ دیرینہ پالیسی چلی آئی ہے اور یہی ان کا شاطرانہ طریق کار رہا ہے۔

طعن کی روایت

چنانچہ طعن کرنے والے ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قلبی عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ بزرگوں کی تاریخی کتب سے مندرجہ ذیل واقعہ اپنی تازہ تصانیف میں درج کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے فرزند مطرف بیان کرتے ہیں کہ میرے والد بعد از عشاء گھر واپس تشریف لائے تو بڑے مغموم نظر آ رہے تھے۔ دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ اے بیٹے! میں دنیا کے ''اخبث الناس'' کے ہاں سے لوٹ کر آ رہا ہوں۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگے کہ میں نے معاویہ سے کہا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو، بہتر یہ ہے کہ عدل و انصاف کیا کرو اور اچھا ہوتا کہ تم بنو ہاشم کی طرف التفات کرتے، اب تو ان سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ جواب میں معاویہ نے (دیگر ناگفتہ بہ چیزوں کے علاوہ) یہ بات بھی کہی کہ تینوں خلفاء (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) ہلاک ہو گئے اور ان کا ذکر بھی ختم ہو گیا اور تحقیق اس ہاشمی

کے لیے دن میں پانچ بار چلا کر آواز دی جاتی ہے اشهد ان محمد رسول الله اور یہ عمل باقی رہے تو ہمارا کون سا کام باقی رہا اللہ کی قسم! اگر ہم اس کو دفن نہ کر سکیں۔

((وان اخا هاشم يصرخ به فى كل يوم خمس مرات اشهد ان محمدا رسول الله فأى عمل يبقى مع هذا؟ لا ام لك والله الا دفنا دفنا)) (نعوذ بالله من ذالك)[1]

جواب

اعتراض کرنے کے لیے ہوشمندی کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی اس بات کی ضرورت تھی کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سنی حضرات کے سامنے معترض اپنا اعتراض پیش کر رہا ہے تو اسے چاہیے تھا کہ وہ سنی احباب کے مسلمات میں سے قابل طعن روایت پیش کرتا۔ سنی حضرات کے سامنے شیعہ بزرگوں کی کتابوں اور نا قابل اعتماد تاریخ ملغوبات سے مقتدر صحابہ پر نقد اور طعن پیش کرنا اصولاً سو فیصد غلط ہے۔

یہاں معترض لوگوں نے شیعہ مورخ کی تاریخی کتاب سے مندرجہ بالا طعن پیش کر کے بے اصولی کا ثبوت دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شیعہ مورخین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دیرینہ دشمنی اور قلبی عناد ہے فلہذا ان کا پیش کردہ مواد عداوت پر مبنی ہوگا۔ ان حضرات سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

معترض نے اس مقام پر روایت بالا اور دیگر کئی روایات مسعودی شیعی سے نقل کی ہیں۔ عوام نہیں جانتے کہ مسعودی کون ہے اور کیسا شخص ہے؟ لیکن اہل علم کو معلوم ہے کہ ''مسعودی'' پختہ شیعہ اور رافضی شخص ہے۔ اس چیز پر اطمینان کے لیے شیعی علمائے تراجم کے صرف دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں زیادہ کی حاجت نہیں۔ دو شاہدوں کی شہادت سے مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے۔

① قریبی دور کے مشہور شیعہ مورخ شیخ عبداللہ مامقانی اپنی تصنیف تنقیح المقال میں ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی ہذلی المتوفی ۳۴۶ھ کے متعلق لکھتے ہیں کہ

((انه امامى ثقة وهو الحق))

اور اس کی تصنیفات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

((له كتب فى الامامة وغيرها منها كتاب فى "اثبات الوصية لعلى بن ابى طالب" وهو صاحب مروج الذهب)) [2]

② اور شیخ عباس قمی شیعی نے اپنی مشہور تصنیف ''تحفۃ الاحباب'' میں مسعودی کا تذکرہ بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

[1] مروج الذہب (مسعودی) ص ۴۱ ج ۴ تحت ذکر ایام مامون عبداللہ بن ہارون الرشید

[2] تنقیح المقال (شیخ عبداللہ مامقانی شیعی) ص ۲۸۲-۲۸۳ ج ۲ تحت باب علی ابن حسین

''علی بن حسین بن علی الہذلی معروف المسعودی مورخ امین و معتمد عند الفریقین صاحب کتاب اثبات الوصیہ ومروج الذہب وکتب دیگر است وابن شیخ جلیل از اجلہ امامیہ است۔[1]''

''حاصل یہ ہے کہ مسعودی امامی ہے، ثقہ ہے، اثبات وصیہ علی و مروج الذہب وغیرہ اس کی تصانیف ہیں، امامیہ کا شیخ جلیل ہے۔''

بنا بریں اصولاً ہم اس طعن کا جواب پیش کرنے کے ذمہ دار نہیں۔ تاہم اس سے قطع نظر کر لیں تب بھی درج ذیل چیزیں قابل توجہ ہیں:

معترض احباب کی پیش کردہ روایت میں ہے کہ

((یقول (المدائنی) قابل المطرف بن مغیرۃ بن شعبۃ))

''مدائنی کہتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے فرزند مطرف رضی اللہ عنہ نے کہا۔''

یعنی یہ سارا واقعہ مدائنی نے مطرف سے نقل کیا ہے۔

روایت میں انقطاع

اس طریق اسناد میں ایک واضح انقطاع پایا جاتا ہے کیونکہ مدائنی (ابوالحسن علی بن محمد) المولود ۱۳۵ھ و المتوفی ۲۲۴ھ مطرف رحمہ اللہ کا قول نقل کرتا ہے اور مطرف بن مغیرہ بن شعبہ رحمہ اللہ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ انھوں نے حجاج بن یوسف (المتوفی ۹۵ھ) کے سامنے بعض چیزوں کے متعلق حق گوئی کی تھی اور حجاج نے اپنے ظالمانہ رویے کے مطابق مطرف رحمہ اللہ کو قتل کروا دیا تھا۔

حجاج بن یوسف کا زمانہ عبدالملک بن مروان کا دور ہے۔ جب کہ مدائنی بہت بعد میں یعنی ۱۳۵ھ میں متولد ہوا۔ فلہٰذا مطرف بن مغیرہ کے دور اور مدائنی کے تولد میں کم وبیش چالیس پچاس سال کا فاصلہ پایا جاتا ہے اور یہ ایک بین انقطاع ہے۔ اس دور انقطاع میں خدا جانے کن کن لوگوں نے اس واقعہ کو نقل کیا؟ اور معلوم نہیں وہ کیسے تھے جن کے ذریعے سے یہ بات مدائنی تک پہنچی؟

مدائنی خود کوئی محدث نہیں کہ جس پر اعتماد کیا جائے بلکہ یہ ایک مورخ ہے جو صحیح و غلط اور رطب و یابس جمع کر دیا کرتا ہے۔ چنانچہ ایسی شدید الانقطاع تاریخی روایت کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایسا سنگین طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں اور ہرگز قابل تسلیم نہیں۔

قصہ گوئی کے درجے میں

مزید برآں روایت ہذا کے شروع میں درج ہے کہ

((منھا ان بعض سمارۃ حدث بحدیث عن مطرف))

[1] تحفۃ الاحباب (شیخ عباس قمی شیعی) ص ۲۲۷ تحت علی بن حسین المسعودی الہذلی (طبع ایران)

''یعنی یہ واقعہ بعض قصہ گولوگوں نے مطرف رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔''

مختصر یہ ہے کہ طعن والی روایت کی یہ روایتی حیثیت ہے جو اہل فن کے نزدیک لائق اعتماد نہیں ہے اور بے سروپا روایات کے درجے میں ہے۔

درایت کے اعتبار سے

اب روایت ہذا کے متعلق باعتبار درایت کے مختصراً چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان پر نظر کر لینے سے اس قصہ کا دروغ بے فروغ ہونا واضح ہو جائے گا:

① اگر بالفرض (بہ تقاضائے روایت) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ''اشہد ان محمد رسول اللہ'' ندائے شہادت رسالت نہیں سن سکتے تھے اور اس ندائے اسلامی کو مٹانے کا عزم رکھتے تھے تو پھر ان حالات میں اس دور کے تمام صحابہ کرام بشمول ہاشمی حضرات خاموش کیوں رہے اور ان کے خلاف علم بغاوت کیوں نہیں بلند کیا؟ اور قرآنی آیات مثلاً وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ پر عمل درآمد کیوں ترک کر دیا؟

② ایسے منکرِ رسالت شخص کے ساتھ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی پنج گانہ نمازیں کیسے ادا کرتے تھے؟

③ ایسے منکر دین شخص کے ساتھ مل کر حج کیسے ادا کرتے رہے اور اسے امیر حج متعدد دفعہ کیوں بنائے رکھا؟

④ ایسے دشمن رسالت کے ساتھ مل کر دیگر ممالک میں فریضہ جہاد و غزوات کیوں قائم رکھا جب کہ خود ایسے شخص کے خلاف جہاد کرنا فرض اولین تھا؟

⑤ ایسے دشمن نبوت کے دربار میں اکابرین صحابہ بشمول ہاشمی حضرات کیوں تشریف لے جایا کرتے تھے؟ اور اس سے مالی عطیات، ہدایا، وظائف وغیرہ کیوں حاصل کرتے تھے؟

⑥ ایسے دشمن دین و اسلام کی طرف سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل کر کے نظام حکومت میں کیسے تعاون کیا؟ جب کہ یہ شخص دینی و دنیوی لحاظ سے مقاطعہ کے قابل تھا اور ہر نوع کے روابط و تعلقات کو منقطع کر دینے کے لائق تھا۔

ایک اعجوبہ

اہل علم حضرات اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرح خلافت کے معاملات میں سب سے زیادہ ممد و معاون تھے حتیٰ کہ بقول بعض مورخین یزید کے استخلاف کے بارے میں انھوں نے ہی اولاً رائے دی تھی۔

نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ پر والی اور حاکم کے منصب پر فائز رکھا اور ان حالات میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا یعنی ان کو معزول نہیں کیا گیا تھا۔

اندریں حالات حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کا بیان کیسے دے سکتے ہیں جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دین اسلام کا دشمن، شہادت رسالت کا سخت مخالف اور دین کا باغی دکھلایا گیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اخبث الناس سے تعبیر کیا ہے۔ یہ چیز عقل و درایت کے سخت خلاف ہے فلہٰذا اس روایت کو کوئی عقلمند آدمی تسلیم نہیں کر سکتا۔ کسی شخصیت کے ساتھ عداوت کا معاملہ کرنا ہو تو کسی تدبیر و حکمت عملی کے ذریعے سے تمام کرنا چاہیے مگر یہاں تو طعن کرنے والوں نے عقل مندی و ہوش مندی کو پس پشت ڈال کر آنکھ بند کر کے یہ روایت چلا دی۔

نیز اس مقام پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت اور قدر دانی کے بے شمار واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں جو اس بات کے واضح قرائن ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے حد عقیدت مندی اور کمال محبت تھی یہ واقعات خود مذکورہ روایت کے جعلی اور وضعی ہونے کے شواہد میں سے ہیں۔ مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔ ان واقعات میں سے یہاں صرف دو واقعات ناظرین کے سامنے پیش جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ کی تائید کے لیے یہ کافی ہیں۔

① مشابہت نبوی کا احترام

کبار علمائے محدثین اور مورخین نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ بصرہ کے علاقے میں ایک شخص ہے جن کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قسم کی کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو مراسلہ ارسال کیا کہ وہ اس شخص کو جس کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادنیٰ سی مشابہت پائی جاتی ہے (اس کا نام کابس بن ربیعہ تھا) ہمارے ہاں بطور وفد روانہ کریں۔

جب یہ شخص (کابس بن ربیعہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی مسند سے نیچے اترے اور پیدل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور تکریم و تعظیم کرتے ہوئے کابس بن ربیعہ کی پیشانی پر بوسہ دیا نیز انھیں بطور اکرام اپنے ہاں رکھا اور ان کی قدر دانی کرتے ہوئے ان کی کفالت کے لیے علاقہ مرو میں ''مرغاب'' کے نام سے موسوم ایک قطعہ اراضی متعین کر دیا تا کہ وہ خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔

یہ واقعہ ابوجعفر بغدادی نے المحبر میں ذکر کیا ہے۔ نیز شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نے شرح الشفا میں اس واقعہ کو عمدہ طریقہ سے درج کیا ہے۔ ذیل میں ابوجعفر کی عبارت ذکر کی جاتی ہے:

((وکان بلغ معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ان بالبصرة رجلا یشبه برسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم فكتب الى عامله عليها وهو عبدالله بن عامر بن كريز رضي الله عنه ان يؤفده اليه فأوفد كابسا فلما دخل الى معاوية نزل عن سريره ومشى اليه حتى قبل بين عينيه واقطعه المرغاب))[1]

بتوفیقہ تعالیٰ ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح میں درج کیا جائے گا (ان شاء اللہ)

② آثار نبوی سے تبرک

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی تمام زندگی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت اور تبلیغ میں کوشاں رہے اور ابتدائے قبول اسلام سے لے کر زندگی کے آخری مراحل تک دینی خدمات سرانجام دیتے رہے جیسا کہ اہل علم حضرات پر یہ مسئلہ واضح ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے چند تبرکات حاصل کر کے محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ ان تبرکات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قمیص مبارک اور بعض روایات کے مطابق ایک چادر مبارک کے علاوہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے اور موئے مبارک شامل تھے۔ یہ تبرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری سفر کے لیے محفوظ کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان تبرکات میں سے قمیص مبارک اور چادر مبارک کو میرے کفن میں شامل کیا جائے اور ناخن مبارک کے تراشوں اور بال مبارک کو میرے منہ، نتھنوں اور سینہ پر رکھ دیا جائے۔

یہ مضمون متعدد تاریخ اور رجال کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن ہم یہاں اختصاراً صرف دو عدد حوالہ جات پیش کرتے ہیں:

① ((ميمون بن مهران عن أبيه ان معاوية قال فى مرضه الذى مات كنت اوضئى رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) فقال لى الا اكسوك قميصا؟ قلت بلى بأبى انت وأُمى فنزع قميصا كان عليه فكسا منه وقلم اظفاره فاخذت قلامتها فاذا مت فالبسونى القميص وخذوا القلامة فاجعلوها فى عينى ...... الخ))[2]

۲۔ ((وفى رواية لابن عساكر ...... فاذا انا مت فالبسونى قميص رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وازرونى بازاره وادرجونى فى رداءه وخذوا هذا الشعر فاحشوا به

---

[1] کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۴۶-۴۷ تحت المشبہون بالنبی
نسیم الریاض شرح الشفا (خفاجی) ص ۶۳ ج ۳ فصل من توقیرہ...... الخ

[2] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۰-۱۳۱ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قسم اول

شدقي ومنخري وذروا سائره على صدري وخلوا بيني وبين ارحم الراحمين))[1]

یہ واقعات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے پیغمبر کے ساتھ محبت اور عقیدت کے شواہد میں سے ہیں اور جس شخص کے قلب میں احترام نبوت نہ ہو اس سے ایسے امور صادر نہیں ہو سکتے۔

آخر کلام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام زندگی میں دین اسلام کے احیا و بقا کے لیے بہت سے اہم کارنامے سر انجام دیے اور اشاعت اسلام کے لیے مقدور بھر مساعی کیں۔ اپنے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و غلامی میں عمر صرف کر دی اور دین اسلام کے فروغ کے لیے کوششیں کیں حتیٰ کہ قبر میں داخل ہونے تک آثار نبوت کے ساتھ تبرک حاصل کیا۔ تاریخ اسلامی اور کتب احادیث ان چیزوں پر شاہد عادل ہیں۔

اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی دشمن صحابہ یہ ندا بلند کرے کہ یہ دشمن نبی تھے اور نبی کے دین کے مخالف تھے، پیغمبر اسلام کی رسالت ان کو ناگوار تھی، پنج گانہ اذان میں ''شہادت رسالت'' ان کو برداشت نہیں ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ، تو یہ سب دروغ بے فروغ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں مسلمہ واقعات اور مشاہدات کے خلاف ہونے کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قرآن مجید کے شاہی وعدوں کے تقاضوں کے بھی برعکس ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (سورۂ حدید رکوع اوّل) میں ان مومنوں کے ساتھ جو فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور انفاق و جہاد فی سبیل اللہ کیا اور جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور انفاق مال وقتال فی سبیل اللہ کیا (ان کے مابین فرق مراتب بیان فرمانے کے بعد) دونوں فریقوں کے ساتھ ''مثوبۃ الحسنیٰ''، یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے: وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

اور نیز دوسری آیت کریمہ میں فرمایا کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (الانبياء)

''یعنی جن سے ہماری جانب سے الحسنیٰ کا سابقاً وعدہ فرمایا گیا وہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔''

اللہ جل شانہ کے ان ارشادات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ (قبل الفتح و بعد الفتح) دونوں جماعتوں کو ''الحسنیٰ'' (جنت) ملے گی اور یہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

[1] مخطوطہ ابن عساکر (عکس شدہ) ص ۸۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

''اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور صحیح ہے وہ اس کا خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات کے مطابق بعد الفتح (یعنی فتح مکہ کے بعد) ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی (بشمول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) اس بشارت عظمیٰ کے مستحق ہیں اور مغفرت کے مژدہ پانے والوں میں داخل ہیں۔ فلہٰذا ان ارشادات خداوندی کی مقتضیات کے پیش نظر ان حضرات سے رسالت کی نفی اور نبوت کے ساتھ عناد و اسلام دشمنی وغیرہ وغیرہ کے واقعات کا صدور کسی طرح درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ و آیندہ تمام واقعات کا علیم و بصیر ہے اس کی طرف سے کسی دشمن نبوت و مخالف دین کے حق میں مثوبۃ الحسنیٰ کے صحیح وعدوں کا دیا جانا صادر نہیں ہوسکتا۔

بنا بریں معاندین کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رسالت کی نفی کا طعن اور نبوت کے ساتھ معاندانہ رویہ کا اتہام کسی بھی صورت میں درست نہیں۔ قرآن مجید کے قطعی فرمودات کے تقاضوں کے مقابلہ میں تاریخی ملغوبات کو کوئی باخبر مسلمان وزن نہیں دے سکتا۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ یہ تاریخی روایات بالکل بے سروپا اور دروغ محض ہیں جن کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دشمن نبوت اور مخالف اسلام قرار دینے کی سعی لاحاصل اور مذموم کوشش کی گئی ہے۔ ع ''در خانہ کس است ہمیں گفتہ بس است''

غدراً (دھوکے سے) قتل کا طعن پھر اس کا جواب

اعتراض کرنے والوں نے ایک اور اعتراض جستجو کر کے پیش کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا ذکر ہوا تو ایک یہودی ابن یامین نے کہا کہ کان قتله غدرا (یعنی یہ قتل بدعہدی کی صورت میں ہوا تھا) محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اسی مجلس میں موجود تھے، انھوں نے کہا

((یا معاویة ایغدر عندك رسول الله ﷺ ثم لا تنکر والله لا یظلنی وایاك سقف بیت ابدا ولا یخلو لی دم هذا الاقتلته))

معترض نے اس واقعہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاویہ کی قلبی کیفیات کا یہاں سے پتا چل جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کو کتنی محبت تھی؟ اور کتنا قلبی لگاؤ یا بغض تھا؟

طاعن کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ کچھ محبت نہ تھی بلکہ وہ آنجناب ﷺ کے ساتھ بغض رکھتے تھے اس بنا پر انھوں نے یہودی ابن یامین کے قول کا کچھ رد نہیں کیا۔

سوال مذکور کے جواب سے پہلے اصل واقعہ ذکر کرنا مناسب ہے تاکہ واقعہ کے متعلقات عام قاری کو بھی صحیح طور پر معلوم ہو سکیں۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ کے مبارک دور ۳ھ میں یہود کے ساتھ چند امور کے متعلق ایک معاہدہ طے پایا تھا۔ اس سلسلے میں یہود کی طرف سے بدعہدی کا ارتکاب ہوا اور یہودی گروہ کے سرداروں میں سے ایک مشہور یہودی کعب بن اشرف تھا۔ اس نے معاہدہ کے خلاف مکہ جا کر قریش کے ساتھ اہل اسلام کے خلاف گفتگو کی اور انھیں مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا اور پھر مدینہ واپس آیا۔ یہ شخص نبی کریم ﷺ کی ہجو بھی کرتا تھا۔ نبی اقدس ﷺ کو اس کی کارگزاری کی اطلاع ہوئی تو اس پر آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کو بدعہدی اور ہجو گوئی کی بنا پر ختم کرنا چاہیے اس پر کون تیار ہے تو اس وقت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں اس کو ختم کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دو اور صحابہ بھی شامل ہو گئے اور اس کام کے لیے آنجناب ﷺ سے اجازت طلب کی اور کعب بن اشرف کو اس کے گھر پر جا کر قتل کر دیا۔ (جیسا کہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں مفصل واقعہ ہذا مذکور ہے، ہم نے یہاں اجمالاً ذکر کیا ہے)۔

جواب

اس مقام پر غور وفکر کرنے کی یہ چیز ہے کہ معترض نے یہ روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کر کے اعتراض قائم کیا ہے اور اسی مقام پر یہی روایت ایک دوسرے طریقے سے بالفاظ ذیل مروی ہے لیکن معترض نے اس سے بعد والی روایت کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ وہ ان کے طعن کو بے وزن بنا دیتی ہے:

((حدثنی ابراهیم بن جعفر عن أبیه قال قال مروان بن الحکم وهو علی المدینة وعنده ابن یامین النضری کیف کان قتل ابن الاشرف قال یامین کان غدرا و محمد بن مسلمة جالس شیخ کبیر فقال یا مروان ایغدر رسول الله ﷺ عندك والله ما قتلناه الا بأمر رسول الله ﷺ والله لا یؤدینی وایاك سقف بیت الا المسجد واما انت یا ابن یامین فلله علی ان افلت وقدرت علیك وفی یدی سیف الا ضربت به رأسك))

''یعنی واقعہ ہذا نقل کرنے والے راوی نے مروان بن حکم کی مدینہ طیبہ میں ایک مجلس میں گفتگو کا ذکر کیا ہے کہ مروان بن حکم کی مجلس میں مذکورہ قول ابن یامین نے ذکر کیا، وہاں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شیخ کبیر بھی اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس واقعہ کو غدر کہنے کے قول پر ناراض ہو کر مروان بن حکم سے کہنے لگے کہ تمھاری مجلس میں نبی اقدس ﷺ کی طرف غدر کی نسبت کی جاتی ہے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! کعب بن اشرف کا قتل ہم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے تحت کیا تھا (اور ابن یامین یہودی غلط کہتا ہے کہ یہ غدر تھا) اور ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابن یامین سے مخاطب ہو کر فرمایا اللہ کی قسم! جب میں قادر ہوں گا اور میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی تو میں تیرا سر قلم کر دوں گا۔''

یعنی بعض رواۃ کی طرف سے واقعہ ہذا کا مروان بن حکم کی مجلس میں وقوع پذیر ہونا مذکور ہے جب کہ بعض دیگر رواۃ نے اس واقعہ کا صدور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیان کیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ درحقیقت واقعہ ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کے لیے قرائن پائے جاتے ہیں مثلاً ابن یامین یہودی ہی دونوں روایات میں غدر (دھوکا) کا قول کرنے والا ہے اور دونوں روایات میں محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ ہی اس کے قول پر ناراض ہو کر ابن یامین کو قتل کرنے کی قسم اٹھاتے ہیں اور واقعہ ہذا کے دیگر الفاظ اور گفتگو قریب قریب ایک ہی جیسی پائی جاتی ہے۔

ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے لیکن بعض رواۃ نے اسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کر دیا ہے اور بعض دوسرے راویوں نے مروان کا ذکر کیا ہے۔

مزید برآں یہاں ایک اور چیز قابل غور ہے کہ اسی روایت میں ذرا آگے مذکور ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابن یامین یہودی کو جنت البقیع میں دیکھ لیا (تلوار تو ان کے پاس نہیں تھی) لیکن کھجور کی جرائد (چھڑیاں) مل سکیں انھی کے ساتھ آپ نے اس یہودی کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور اس کے چہرے اور سر کو زخمی کر دیا اور فرمایا کہ میرے پاس تلوار نہیں ورنہ میں تجھے قتل کر دیتا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اس مضمون کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((فکان ابن یامین لا ینزل من بنی قریظة حتی یبعث له رسولا ینظر محمد بن مسلمة فان کان فی بعض ضیاعه نزل فقضی حاجته ثم صدر والا لم ینزل۔ فبینا محمد فی جنازة وابن یامین فی البقیع ...... فقام الیه الناس فقال یا ابا عبدالرحمن ما تصنع نحن نکفیك فقام الیه فلم یزل یضربه جریدة جریدة حتی کسر ذالك الجرید علی وجهه و رأسه حتی لم یترك به مصحا ثم قال والله لو قدرت علی السیف لضربتك به))[1]

مندرجہ بالا روایت اس بات کا قرینہ ہے کہ ابن یامین مدینہ شریف کے علاقے کا باشندہ تھا اور یہ تمام واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا اور مروان بن حکم والی مدینہ رہا ہے اس واقعے کا تعلق اس کے دور کے ساتھ تھا۔ واقعہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کرنے کے قرائن مضبوط نہیں پائے جاتے۔

بالفرض اگر اس واقعہ کی نسبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف تسلیم کر بھی لی جائے تو بھی یہ احتمال موجود ہے کہ مجلس میں جو گفتگو ہوئی اور ابن یامین نے قتل کعب کو غدر کہا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی تردید کرنے یا کچھ دیگر کلام کرنے ہی نہ پائے تھے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے دینی جذبہ کے باعث برافروختہ ہو گئے اور ابن یامین کے قتل کی قسم اٹھالی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تردید یا دیگر کچھ کلام کیا ہو اور راوی نے اسے اپنی روایت میں ذکر نہ کیا ہو۔ علاوہ ازیں روایات میں "ثم لا تنکر" کے الفاظ راوی کی اپنی تعبیر ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں تو یہ لفظ پائے جاتے ہیں اور دیگر روایت میں یہ الفاظ ندارد ہیں حالانکہ یہ روایات ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و فرامین جو صحیح طور پر ثابت ہیں ان کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہ دل و جاں تسلیم کرتے ہیں اور ان کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں کرتے۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیگر حالات زندگی اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و فرامین کی

---

[1] الصارم المسلول (ابن تیمیہ حرانی) ص ۸۹-۹۰ تحت قطع عہد کعب بن الاشرف۔

قدردانی حدیث اور تاریخ میں واضح طور پر ثابت ہے اور اس پر بے شمار واقعات موجود ہیں۔ یہاں آثار نبوت کی قدردانی کا صرف ایک واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کعب بن زہیر جو پہلے اسلام کے خلاف تھے اور اسلام و اہل اسلام کے خلاف شاعری کرتے تھے مسلمان ہوئے اور انھوں نے نبی اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر انصار و مہاجرین کی مدح میں چند اشعار کہے۔ آنجناب ﷺ نے شفقت فرماتے ہوئے اپنی چادر مبارک جسے آپ زیب تن فرمائے ہوئے تھے اتار کر کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں یہ چادر مبارک ایک معقول معاوضہ کے عوض حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے حاصل کرنی چاہی مگر حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے وارثوں سے بیس ہزار درہم کے عوض وہ چادر نبوی حاصل کر لی اور اپنے پاس تاحیات بطور تبرک محفوظ رکھی۔ چنانچہ سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ

((القی علیه ﷺ بردة کانت علیه ﷺ وقد اشتراها معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما من آل کعب بمال کثیر ای بعد ان دفع لکعب فیها عشرة الالاف فقال ما کنت لاوثر بثوب رسول الله ﷺ احدا فلما مات کعب رضی اللہ عنہ اخذها من ورثة بعشرین الفا وتوارثها خلفاء بنی امیة ثم خلفاء بنی العباس))[1]

اس نوع کے بے شمار واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے پیغمبر کریم ﷺ کے ساتھ کمال عقیدت، محبت اور اخلاص رکھتے تھے۔ تو ان حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے قتل کو اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے مقدس فرمان کے خلاف غدر کہنے کو کس طرح درست تسلیم کر سکتے ہیں؟ اور ان کی طرف سے اس بات کی تصدیق یا تائید کس طرح پائی جا سکتی ہے؟ یہ چیز تو اس دور کے واقعات اور حالات ہی کے خلاف ہے۔

ایک قاعدہ

چنانچہ اس فن کے علماء کے نزدیک روایت کی صحت و سقم معلوم کرنے کے لیے جو قواعد ذکر کیے ہیں ان میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جو روایت مشاہدات و واقعات اور عام عادت کے خلاف پائی جائے اور حالات و واقعات اس کی تائید نہ کرتے ہوں وہ قابل قبول نہیں ہوتی اور اسے درست تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس قاعدہ کی عبارت درج ذیل ہے۔

((ومنها قرینة فی المروی کمخالفة لمقتضی العقل بحیث لا یقبل التاویل،

---

[1] سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۲ ج ۳ تحت باب یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود ... الخ

ویلتحق به ما یدفع الحس والمشاهدة او العادة وکمنافاته لدلالة الکتاب القطعیة أو السنة المتواترة أو الاجماع القطعی)) (تنزیہ الشریعہ لابن العراق ص ۶ مقدمۃ الکتاب)

آخر کلام

مختصر یہ ہے کہ اعتراض کنندگان اس واقعہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عدم محبت بلکہ بغض وعناد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ''معاویہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا عنوان دے کر یہ بحث چلائی ہے اور واقعہ جو دلیل میں پیش کیا ہے اس کا حال آپ معلوم کر چکے ہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں محبت نبوی اور اطاعت نبوی کے واقعات موجود ہیں۔ اب اس چیز کا موازنہ کر کے ناظرین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ معترض دوست اپنے مخصوص مقصد میں کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں؟

''معاویہ کا شوق رسالت'' (یعنی ایک دیگر روایت کا جواب)

طعن کرنے والے لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے ایک جدید عنوان ''معاویہ کا شوق رسالت'' قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے درج ذیل تاریخی واقعہ تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔ طبری اصل ماخذ ہے اور باقی مورخین اس سے ناقل ہیں (اصل ماخذ کا جواب ہونے کے بعد ناقلین کے جواب کی حاجت نہیں رہتی)۔

طبری کی سند کا آخری راوی کہتا ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر سے وفد لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب تم معاویہ کے پاس پہنچو تو اسے خلافت کے ساتھ سلام نہ کہنا (السلام علیک یا امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین) کیونکہ ان میں ان کی بڑائی ہے اور تم اس کو مقدور بھر حقیر قرار دینا۔

جب وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دربانوں سے کہہ دیا کہ ابن نابغہ (حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) نے میرے معاملے کو قوم کے سامنے حقیر قرار دیا ہے۔ تم خیال رکھنا کہ جب وفد آئے تو تم بھی ان کو خوب سرزنش کرنا اور جھنجھوڑنا حتیٰ کہ ان میں سے جو بھی میرے پاس پہنچے اسے اپنی ہلاکت کا خوف ہو۔

مصریوں کے وفد میں سے پہلا شخص جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ابن خیاط تھا اور اس نے آتے ہی کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ'' پھر اس کے باقی ساتھیوں نے بھی اسی طرح کیا۔ جب یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس سے باہر آئے تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں برا بھلا کہتے ہوئے کہا: لعنکم الله! میں نے تمھیں خلافت کے ساتھ سلام کرنے سے منع کیا تھا، الٹا تم نے رسالت

کے ساتھ سلام کہہ دیا......

اس روایت کے بعد طعن کرنے والے بزرگ کہتے ہیں کہ معاویہ نے اپنے نبی و رسول ہونے کا اقرار لوگوں سے سنا اور منع نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس پر راضی تھا اور نبوت کا دعوے دار تھا۔ ختم نبوت پر ایمان تو بعد کی بات ہے......

جواب

معترض حضرات نے جو روایت تلاش کر کے اعتراض کے لیے پیش کی ہے اس کے متعلق ذیل میں چند معروضات تحریر کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر فرمالیں۔ اس کے بعد اس کا جائزہ لیں کہ طعن کرنے والا اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے؟

باعتبار روایت کے کلام

پہلے روایت کے اعتبار سے اس پر کلام کیا جاتا ہے اس کے بعد درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کی صحت کا جائزہ لیا جائے گا:

① یہ روایت طبری کی ہے اور طبری کا مقام روایات کے باب میں جس نوعیت کا ہے وہ اس فن کے کبار علماء سے مخفی نہیں۔ تاریخ ابن جریر طبری مرویات کا ایک کشکول ہے جس میں ہر طرح کا مال دستیاب ہو جاتا ہے۔ صحیح و سقیم، ضعیف وقوی، رطب و یابس، راست و دروغ سب قسم کا مواد اس تاریخ میں فراہم ہے اور طبری مکمل یا نامکمل سند پیش کر کے ناظرین کے سامنے روایات کا ایک انبار لگا دیتا ہے۔ اب اس سے صحیح چیزیں اخذ کرنا اور بیکار اور ردی مواد کو ترک کر دینا قارئین و ناظرین کی صوابدید پر ہے۔ پھر اس فن کے قواعد کی روشنی میں مواد حاصل کرنا ایک متیقظ اور بیدار مغز اہل علم کا کام ہے، عام آدمی کو سوائے حیرت و استعجاب کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

② روایت کی سند جو طبری نے پیش کی ہے اس میں کئی رواۃ تو ایسے موجود ہے جن کی صحیح تعیین کرنا ایک مرحلہ ہے۔ پھر راوی کی تعیین کے بغیر اس پر جرح وقدح کرنا علمی دیانت کے برخلاف ہے۔

③ اور پھر اس روایت کا آخری راوی جس نے یہ طعن کا تمام واقعہ فراہم کیا ہے اس کا نام ''فلیح'' ہے اور وہ بھی کہتا ہے کہ "اخبرت" یعنی مجھے اس واقعہ کی خبر دی گئی ہے۔

④ فلیح راوی کے حق میں علماء کی جرح و تعدیل دونوں موجود ہیں۔ فلیح کے متعلق علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ تین اشخاص عاصم بن عبداللہ، ابن عقیل اور فلیح کی روایات قابل حجت اور لائق استدلال نہیں لا یحتج بحدیثھم۔[1] اور امام نسائی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فلیح ضعیف ہے

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۳۰۴ ج ۸ تحت فلیح بن سلیمان۔

اگر چہ اس کی توثیق بھی پائی جاتی ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب میں فلیح بن سلیمان مذکور کے متعلق لکھا ہے کہ کثیر الخطا ہے اور اس کا انتقال ۱۶۸ھ میں ہوا۔[1]

⑤ دیگر بات یہ ہے کہ فلیح نے یہ تمام واقعہ "اخبرت" کے لفظ سے نقل کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ "مجھے خبر دی گئی" اب خبر دینے والا کون ہے؟ کس ذہنیت کا حامل ہے؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کس قسم کی رائے رکھتا ہے؟ راست گو شخص ہے یا دروغ گو؟ یہ تمام چیزیں مخفی ہیں اور قابل توجہ ہیں۔

⑥ جس دور کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ زندہ وسلامت موجود تھے اور وفد لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لائے تھے۔ اہل علم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مشہور روایات کے اعتبار سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یوم الفطر ۴۳ھ میں مصر میں انتقال فرما گئے تھے جب کہ واقعہ کے ناقل فلیح کا سن وفات ۱۶۸ھ ہے۔ اس طرح اس روایت کی سند میں شدید انقطاع ہے اور رواۃ کے درمیان ایک طویل مدت کا فصل ہے۔ خدا معلوم اس دوران میں کن کن اشخاص نے اس واقعہ کو نقل کیا؟ اور اس میں کیا کچھ تصرفات ہوئے؟ ان حالات میں اصل واقعے کی صحت وثبوت میں بے شمار شبہات پیدا ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر روایت قابل قبول نہیں رہتی۔

مضمون روایت کے اعتبار سے کلام

ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان بعد از صفین واقعہ تحکیم سے لے کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے انتقال ۴۳ھ تک بہترین تعلقات قائم تھے اور امور مملکت کی تدبیر میں یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہمیشہ معین اور معاون رہتے تھے اور مصر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ۳۸ھ سے لے کر ان کے آخری ایام تک والی اور حاکم قائم رکھا۔

((فلحق بمعاوية فكان معه يدبر أمره فى الحرب إلى ان جرى أمر الحكمين ثم سار فى جيش جهزه معاوية الى مصر فولها لمعاوية من صفر سنة ثمان و ثلاثين الى ان مات سنة ثلاث واربعين على الصحيح))[2]

اور طبری کے انھی اوراق میں یہ چیز بھی درج ہے کہ ایک بار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذکر کیا کہ اے امیر المومنین! کیا میں آپ کے حق میں لوگوں میں سے بہترین خیر خواہ نہیں

---

[1] تقریب التہذیب تحت فلیح بن سلیمان

[2] الاصابہ ص ۳ ج ۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۶ ج ۲ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

ہوں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک آپ ہمارے حق میں خیر خواہ ہیں، اسی بنا پر تو آپ اس رتبہ پر فائز ہیں۔

((قال عمرو بن العاص لمعاوية يا امير المؤمنين! الست انصح الناس لك؟ قال بذالك نلت ما نلت))[1]

مندرجات بالا پر ناظرین کرام نظر فرمائیں اور پھر طعن کی اصل روایت کے متن پر غور فرمائیں کہ کیا ان میں کسی قسم کی مطابقت پائی جاتی ہے؟ واضح ہے کہ ان دونوں چیزوں کے درمیان بون بعید ہے کیونکہ اس روایت میں دونوں حضرات کے درمیان شدید منافرت اور مناقشہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے مثلاً:

① جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وفد لے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے ہیں تو وفد والوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ معاویہ کو خلیفۃ المسلمین کے الفاظ کے ساتھ سلام نہ کہنا تا کہ ان کی عظمت اور وقار نہ بنے اور حتی المقدور ان کو حقیر جاننا۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دربانوں سے کہا کہ ابن نابغہ آ رہے ہیں یہ میری قوم کے سامنے تحقیر کرنا چاہتے ہیں۔ خبردار جب یہ وفد آئے تو ان سے درشتی سے پیش آنا اور خوب جھنجوڑنا اور میرے پاس وہ اپنی ہلاکت کا خوف لیے ہوئے حاضر ہوں۔

③ غور کرنا چاہیے کہ بالفرض جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کی سکیم بنائی اور وفد کے لوگوں کو سمجھایا لیکن معاً اس تمام کارگزاری کی اطلاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کس طرح ہوگئی؟ پھر انھوں نے اپنے خدام کو جلد تر جوابی کارروائی سمجھا دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب رواۃ کی ذہنی ساخت ہے۔

④ وفد میں سے پہلے ابن خیاط حاضر ہوا اور اس نے آتے ہی السلام علیک یا رسول اللہ کہہ دیا اور پھر اس کی متابعت میں اس کے باقی ساتھیوں نے بھی اسی طرح کہہ دیا۔

⑤ پھر جب یہ وفد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت سے واپس ہوا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کو نفرین و ملامت کی اور کہا کہ تم پر لعنت ہو، میں نے تم کو خلافت کے ساتھ سلام کہنے سے منع کیا تھا، الٹا تم نے معاویہ پر نبوت کے ساتھ سلام کہہ دیا۔

قابل غور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کیا گنجائش کہیں مل سکتی ہے کہ کوئی مسلمان اپنے خلیفۃ المسلمین کو "یا رسول اللہ" کہہ کر سلام پیش کرے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدت حیات میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخصیت کو

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۶ ج ۶ تحت اخبارہ و سیرہ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

رسول و نبی کا درجہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ مسیلمہ کذاب نے صحابہ کے دور میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علمی بحث و مباحثہ سے جواب نہیں پیش کیا تھا بلکہ تلوار سے مسئلہ ختم نبوت کو حل کیا تھا۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے مقابلے کی جنگ یمامہ میں خود شریک واقعہ تھے اور اس کذاب کے قتل کرنے میں شامل تھے۔ یہ مسلمہ واقعات ہیں، ان پر حوالہ جات کی حاجت نہیں۔ اب اپنے دور خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی و رسول قرار دیے جانے پر رضا مند کیسے ہو گئے؟ اور یہ کلمات انھوں نے کیسے تسلیم کر لیے؟ یہ سب دروغ بافی ہے کوئی ہوش منداس کو قبول نہیں کرسکتا۔

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے مابین جو عمدہ تعلقات اور اعلیٰ روابط مدت دراز سے قائم تھے ان کے مقابلے میں طعن والی روایت ہذا کے مندرجات ایک ایک کر کے برعکس اور برخلاف پائے جاتے ہیں۔

معترض بزرگوں کو اگر طعن کرنا ہی ہے تو پہلے حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے درمیان شدید عداوت و عناد صحیح روایات کے ذریعے سے ثابت کریں پھر اس کے بعد یہ روایت (جس درجے کی بھی ہے) مقام طعن میں لائیں۔ ایسی بے سروپا روایات کے پیش نظر جلیل القدر صحابہ پر طعن کرنا اور ان کو مطعون کرنا دشمنان صحابہ کا کام ہی ہوسکتا ہے اور کوئی مسلمان محبّ صحابہ ایسا نہیں کرسکتا۔ طبری کے تاریخی ملغوبات تسلیم کر لینے سے تو قرآن مجید کی نفی لازم آتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ

- قرآن مجید صحابہ کی مدح وثنا کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی قدح کرتے ہیں۔
- قرآن مجید صحابہ کی عظمت شان بیان کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی تحقیر وحقارت کرتے ہیں۔
- قرآن مجید صحابہ کی طرف سے دفاع کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔
- قرآن مجید صحابہ کی نجات ومغفرت کے وعدے کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی اخروی ہلاکت کے گیت گاتے ہیں۔
- قرآن مجید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ''خیر امت'' ہونے کا مژدہ سناتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کو شر امت ثابت کرنے میں زندگی صرف کرتے ہیں۔

بنا بریں ایسی تمام اخبار و روایات جو اپنے مفہوم و معانی کے اعتبار سے قرآن مجید کی قطعیات کے خلاف پائی جاتی ہیں ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں اور ان کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رفیع مقام و مرتبہ کو گرایا نہیں جا سکتا۔

برہنہ لونڈی پیش کرنے کا اعتراض

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنے والوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بے حیائی اور بے شرمی کا طعن ایک تاریخی روایت کے حوالہ سے ذکر کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام خدیج خصی نے آپ کی خدمت میں ایک خوبصورت رومی لونڈی خرید کر برہنہ حالت میں پیش کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جسم کو اسی حالت میں دیکھا اور پھر اس لونڈی کو یزید کے پاس لے جانے کو کہا......

جواب

اس طعن کے جواب کے لیے چند امور پیش کیے جاتے ہیں ان پر توجہ فرمالیں، امید ہے مزید کسی جواب کی حاجت نہیں رہے گی۔

اعتراض کنندگان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بے حیائی اور بے شرمی کا اعتراض قائم کرنے کے لیے جو واقعہ تلاش کر کے پیش کیا ہے وہ ایک تاریخ کی کتاب ''تاریخ ابن عساکر'' سے نقل کیا گیا ہے۔ تاریخ ابن عساکر تاریخی کتاب ہے حدیث کی کتاب نہیں۔ اس میں ہر نوع کی روایات فراہم ہیں۔ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو جس سند کے ساتھ پیش کیا ہے اگر وہ سند صحیح ہے اور اس کے رواۃ قابل اعتماد ہیں تو واقعہ کو معتبر سمجھا جائے گا اور اگر سند مجروح ہے اور اس کے رواۃ قابل اعتماد نہیں تو واقعہ غیر معتبر ہوگا اور لائق اعتبار نہیں ہوگا۔

اگر بالفرض روایت کی سند پر بحث کرنے سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی مورخین کے اقوال کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ رومی لونڈی خریدی تھی (اور اسلام میں خرید کردہ جاریہ سے انتفاع اور تمتع جائز ہے)۔

نیز اگر یہ واقعہ درست ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس زرخرید لونڈی کے جسم پر نظر ڈالنا خلوت کی بات ہے جس کو ناقلین ایسی صورت میں نقل کر رہے ہیں گویا یہ واقعہ مجلس میں دیگر لوگوں کی موجودگی میں پیش آیا ہے حالانکہ یہ بات سو فیصد غلط ہے۔ ایک مقتدر صحابی کی دیانت اور شرافت اس بات کی متقاضی ہے کہ

ایسے واقعے کا صدور برسرِ عام مجلس میں نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کو دیانت اور شرافت کی تعلیم دی ہے اور بے حیائی کے امور اور منکرات سے منع فرمایا ہے۔ فلہٰذا ان سے ایسے واقعہ کا صدور جلوت میں کیسے ممکن ہے؟ اور مسلمہ قاعدہ کے مطابق ایسی منکر روایت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت و شرافت کے خلاف ہو اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ ایسے مواقع کے متعلق علمائے کبار نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ

((فانا مامورن بحسن الظن بالصحابة ونفى كل رذيلة عنهم))[1]

نیز قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ دیگر مورخین نے اسی واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((وقال محمد بن الحكم الانصارى عن عوانة قال حدثنى خديج خصى قال قال لى معاوية ادع لى عبدالله بن مسعدة الفزارى فدعونه وكان ادم شديد الادمة فقال دونك هذه الجارية لجارية رومية بيض بها ولدك))[2]

''یعنی محمد بن حکم انصاری عوانہ سے نقل کرتے ہیں کہ خدیج خصی نے مجھے یہ واقعہ بیان کیا۔ خدیج کہتا ہے کہ مجھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عبداللہ بن مسعدہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ میں اسے بلا لایا۔ وہ شخص گہرے سانولے رنگ کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا یہ لونڈی تمھیں ہبہ کی جاتی ہے۔ یہ رومی لونڈی ہے اس سے تو اپنی اولاد سفید رنگ والی پیدا کر لے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ لونڈی عبداللہ بن مسعدہ کو ہبہ کر دی تھی۔ روایت کے ابتدائی حصے کا ذکر اہم نہیں تھا وہ انھوں نے نقل نہیں کیا۔ خدا جانے وہ کس طرح واقعہ پیش آیا؟ کیا کچھ بات ہوئی؟

اگر واقعہ صحیح ہے تو اس کی حقیقت حال اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زر خرید لونڈی پر خلوت میں نظر ڈالی جو شرعاً درست تھی۔ پھر اس لونڈی کو اپنے بیٹے یزید کو دینے کا ارادہ کیا، اور از راہ احتیاط اس معاملے میں اس وقت کے فقیہ ربیعہ بن عمرو جرشی سے رائے طلب کی۔ انھوں نے یزید کو یہ لونڈی دینے سے منع کر دیا کہ آپ کے بیٹے کے لیے جائز نہیں۔ اس صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ شرعی کی پاسداری کرتے ہوئے یہ لونڈی عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو ہبہ کر دی اور فرمایا کہ تو اس سے گورے رنگ کی اولاد پیدا کر لے۔

اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اس دور میں لونڈیوں کو خرید کرنا اور ان سے انتفاع کیا جانا پھر ان کو کسی کی طرف ہبہ کر دینا کوئی معیوب نہ تھا اور آئین اسلامی کے اعتبار سے بھی کوئی سقم نہیں تھا۔ ان

[1] شرح مسلم شریف (نووی) ص ۹۰ ج ۲ بحوالہ مازری تحت الجہاد والسیر باب حکم الفئی

[2] الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۵۹ ج ۲ تحت حرف العین (عبداللہ بن مسعدہ فزاری)

مسائل کے حدود و قیود تھے ان کے تحت یہ عمل ہوتا تھا۔

اور اس واقعہ کا برہنگی کی حالت میں برسر مجلس پایا جانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اسلامی اخلاق و عادات اور اطوار کے برعکس یہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت و شرافت کے خلاف ہے، اور ساتھ ساتھ اس دور کے واقعات کے بالکل متضاد ہے۔ واقعہ ہذا کی ان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ ایسی صورت حال کے متعلق امام نووی کی جانب سے ایک ہدایت ہم نے قبل ازیں نقل کر دی ہے وہ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے۔

نیز طعن کرنے والوں نے مذکورہ طعن کے تحت مزید یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رقص و سرود کی محفلیں قائم کرتے تھے اور رقاصاؤں کو خوب داد دیتے تھے۔ اور حوالہ کے لیے عمرو بن بحر الجاحظ کی کتاب التاج کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے متعلق ناظرین کرام یاد رکھیں کہ جس مصنف اور اس کی کتاب سے حوالہ پیش کیا گیا ہے اس کی علمی قابلیت اور دیانت کے متعلق علمائے رجال نے درج ذیل چیزیں ذکر کی ہیں:

عمرو بن بحر الجاحظ صاحب تصانیف کثیرہ ہے لیکن اس کی وثاقت پر کچھ اعتماد نہیں اور نہ یہ مامون شخص ہے بلکہ بدعتیوں کے پیشواؤں میں سے ہے۔ اس کا دین عیب دار ہے اور ابو الفرج اصفہانی نے اس کو زندیق قرار دیا ہے...... یہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں پر جھوٹ بولتا تھا۔

لسان المیزان میں ہے کہ

((قال ثعلب لیس بثقة ولا مامون۔ قلت: وکان من ائمة البدع انتهی...... قال الخطابی هو مغموص فی دینه وذکر ابوالفرج الاصبهانی انه کان یرمی بالزندقة قال ثعلب کان کذابا علی الله وعلی رسوله وعلی الناس))[1]

مختصر یہ ہے کہ ایسے بے دین، زندیق اور کذاب شخص کی روایات کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر رقص و سرود کی محفلوں کا طعن قائم کرنا ہرگز جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مدت العمر لوگوں کو دین کی تعلیم دی ہے اور اس قسم کی لغو مجالس اور منکر محافل قائم کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا ہے۔ فلہٰذا اس قسم کے مطاعن کی ان حضرات سے نسبت کر کے معترضین نے اپنے بغض و عداوت کو پورا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے ورنہ حقیقت حال اس کے برخلاف ہے۔

---

[1] لسان المیزان (ابن حجر) ص ۳۵۵-۳۵۷ ج ۴ تحت حرف العین (عمرو بن بحر الجاحظ)

علامت نفاق پر موت کا طعن (یعنی دبیلہ سے موت)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالفین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک عجیب طعن تلاش کر کے ذکر کیا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کی موت دبیلہ سے ہوئی (دبیلہ لغت عرب میں پھوڑے کو کہتے ہیں)

معترضین نے حدیث کی کتابوں سے روایت تلاش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''میرے صحابہ میں بارہ منافق ہیں جو جہنم میں جائیں گے اور ان کی موت دبیلہ سے واقع ہوگی۔ اعتراض کرنے والوں نے یہاں یہ ذکر کیا ہے کہ چونکہ معاویہ کی وفات بھی دبیلہ سے ہوئی تھی لہذا یہ اس پیش گوئی کا مصداق ہیں اور منافقین کے زمرے میں آنے کی وجہ سے معاویہ کا مقام خود بخود متعین ہے۔

جواب

اس مقام پر ایک تو یہ چیز قابل غور ہے کہ اعتراض کرنے والے لوگوں نے جو احادیث کی کتابوں سے طعن کی روایات فراہم کی ہیں وہ اپنی جگہ پر اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہیں لیکن اس مقام پر معترض لوگوں نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ اس مقولہ کا مصداق ہے کہ کلمة حق ارید به الباطل (یہ مقولہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب خوارج لوگ آپ کے بعض امور پر اعتراض کرتے تھے اور بآواز بلند کہتے تھے کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ تو اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا الفاظ فرمایا کرتے تھے) یعنی بات تو ٹھیک ہے لیکن اس سے ارادہ غلط لیا گیا ہے۔ وہی معاملہ یہاں کیا جا رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر پیش کردہ روایات جو معترضین نے فراہم کی ہیں ان میں منافقوں کے متعلق ایک پیش گوئی ذکر کی گئی ہے کہ وہ بارہ منافق ہیں اور وہ جنت میں نہیں جائیں گے اور ان میں سے بعض کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ ان کی موت دبیلہ سے ہوگی۔ لیکن ان روایات میں کسی قبیلہ یا گروہ یا کسی مخصوص شخص (مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کا نام تک مذکور نہیں تاکہ ان کو وجہ اعتراض بنایا جا سکتا۔

یہ روایات اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہیں اور منافقین کے متعلق فرمائی گئی ہیں۔ چنانچہ شارحین حدیث نے ان روایات کے تحت جو کچھ ذکر کیا ہے اس کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے۔ ان روایات کا مصداق سفر تبوک میں منافقوں کی ایک جماعت ہے ان کے حق میں یہ فرمان صادر ہوا تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ صاحب مسلم شریف نے ان روایات کو ''صفات المنافقین واحکامہم'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا

ہے۔ لیکن اعتراض کرنے والوں نے ان روایات کا مصداق حضرت امیر معاویہ ﷜ کو از خود قرار دیا ہے اور اپنے بغض و عناد اور قلبی عداوت کا اظہار اس طریقہ سے پورا کیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ شارحین حدیث کے قول کے موافق منافقین کے متعلق یہ واقعہ غزوہ تبوک میں پیش آیا تھا۔ نبی اقدس ﷺ نے جن بارہ منافقوں کے متعلق یہ پیش گوئی فرمائی کہ لا یدخلون الجنة وہ لوگ غزوہ تبوک سے واپسی کے سفر میں لیلۃ العقبہ میں نبی کریم ﷺ کے قتل کے متعلق ایک منصوبہ کے تحت رات کے اندھیرے میں آنجناب ﷺ پر یک دم حملہ کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں کے سوا چہروں پر نقاب لگا رکھا تھا۔ جب یہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو آنجناب ﷺ نے حضرت حذیفہ ﷜ کو حکم فرمایا کہ معلوم کرو کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔

حضرت حذیفہ ﷜ ان کے نزدیک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حملہ آوروں کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا اور وہ جلدی سے واپس لوٹ کر لوگوں میں جا ملے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت حذیفہ ﷜ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے پہچانا کہ یہ کون کون افراد تھے؟ حذیفہ ﷜ نے عرض کیا کہ یہ لوگ اپنے چہرے پوشیدہ کیے ہوئے تھے پہچان نہیں سکا، لیکن میں نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا ہے۔

اس پر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان افراد اور ان کے آباء کے اسماء سے متعلق خبر دی ہے اور میں تم کو صبح کے وقت ان کے متعلق خبر دوں گا۔ اسی بنا پر منافقوں کے متعلق لوگ حضرت حذیفہ ﷜ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم کے محشی اس واقعہ کو بعبارت ذیل ذکر کرتے ہیں:

((وذالك لانه كان ليلة العقبة مع النبى ﷺ قوله ﷺ فى امتى اثنا عشر منافقا لايدخلون الجنة يعنى وهم الذين قصدوا قتل النبى ﷺ ليلة العقبة مرجعه من تبوك حين اخذ النبى ﷺ مع عمار و حذيفة طريق الثنية والقوم بطن الوادى فطمع اثنا عشر رجلا فى المكر به فاتبعوه ساترين وجوههم غير اعينهم فلما سمع رسول الله ﷺ خشغة القوم من وراءه امر حذيفة ان يردهم فخوفهم الله حين بصروا حذيفة فرجعوا مسرعين على اعقابهم حتى خالطوا الناس فادرك حذيفة فقال هل عرفت احدا منهم قال لا فانهم كانوا متلثمين ولكن اعرف رواحلهم فقال ﷺ ان الله أخبرنى بأسماءهم وأسماء اباءهم وسأخبرك بهم ان شاء الله عند الصباح فمن ثمة كان الناس سيراجعون حذيفة فى أمر المنافقين))[1]

---

[1] حاشیہ صحیح مسلم (علامہ محمد ذہنی) ص ۱۲۳ ج ۸ تحت الحدیث طبع مصر
البدایہ والنہایہ ص ۱۹، ۲۰، ۲۱ ج ۵ تحت غزوۂ نبوی احوال منافقین۔

اور یہی مضمون مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۶ ج ۱۱ تحت ہذا الحدیث مذکور ہے۔ نیز دیگر شارحین نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

اور اس مقام کی ایک دیگر روایت میں اس طرح ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان منافقین کے بارے میں اطلاع فرمائی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان کی ہلاکت کی خبر دی تھی وہ لوگ بالکل اسی طرح ہلاک ہو گئے۔

((عن حذيفة رضي الله عنه انه صلى الله عليه وسلم عرفه اياهم وانهم هلكوا كما أخبره الرسول صلوات الله وسلامه عليه))[1]

تنبیہ

واضح ہو کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدائن میں ۳۵-۳۶ھ میں فوت ہو گئے اور وہیں ان کا مزار ہے۔ بعض اقوال کے مطابق آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے انتقال کے چالیس دن بعد وفات پائی۔[2]

مذکورہ بالا روایات کے مطابق حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن منافقوں کے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی اور نشاندہی کی تھی وہ تمام اشخاص آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق ہلاک ہو گئے۔ اور اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ خود بھی ۳۵-۳۶ھ میں انتقال فرما گئے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جن کا انتقال حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے بھی پچیس سال بعد ۶۰ھ میں ہوا وہ منافقین سے متعلق پیش گوئی والی اس روایت کا مصداق کس طرح ٹھہرے؟ انصاف کے ساتھ غور فرمائیں۔

مختصر یہ ہے کہ منافقین کے حق میں دبیلہ سے موت والی روایات کا مصداق و محمل حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں پورا ہو گیا اور انھوں نے اس کی تصدیق کر دی تو اس صورت حال کے باوجود ان روایات کا مصداق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دینا بالکل غلط ہے اور اس میں حبہ بھر صداقت نہیں۔

بعض قرائن

معترض لوگوں نے یہاں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) منافق تھے اور ان کا خاتمہ نفاق کی علامت پر ہوا۔ اس چیز کے دفاع کے متعلق از روئے روایات ہم نے گزشتہ سطور میں کلام کر دیا ہے جو اصل طعن کے صاف کرنے میں کافی ہے۔ تاہم اس مقام پر مختصراً چند چیزیں دیگر ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نفاق کے طعن کا ازالہ ہوتا ہے اور منافقت کے شبہ کی نفی ہوتی ہے:

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۶ ج ۱۱ تحت ہذا الحدیث

[2] اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ ص ۵۹۰ تحت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کے اعتبار سے نہایت قریب ہیں۔ اس طرح کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) ہیں۔ اس مبارک رشتہ داری کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ''برادر نسبتی'' ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ رشتہ داری اور دیگر نسبی تعلقات جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان سے ہیں وہ ہم نے ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں ص ۱۲۶ تا ۱۳۰ مستقل عنوان کے تحت ذکر کر دیے ہیں۔

② نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بہت سی دعائیں منقول ہیں مثلاً

۱۔ ((اللهم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به))

۲۔ ((سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب))

ان دعاؤں کے سلسلے میں وضاحت مطلوب ہو تو ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۳۰ تا ۱۳۴ ملاحظہ فرمائیں وہاں دیگر دعاؤں کے تذکرہ کے علاوہ ان دعائیہ کلمات کے لیے مکمل حوالہ جات درج کر دیے گئے ہیں۔

③ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین وحی وغیر وحی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور کاتب نبوی ہونے کا شرف انھیں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدت العمر حاصل رہا۔ اس منصب سے معزول نہیں کیے گئے۔ اس مقام پر غزوہ تبوک کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر ایک شاہی قاصد نے قیصر روم کا مراسلہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کے خط کو پڑھنے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ خط آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھ کر سنایا۔

شاہی قاصد کہتا ہے کہ

((فاتيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو مع اصحابه وهم محتبون بحمائل سيوفهم حول بئر تبوك فقلت ايكم محمد؟ فاومأ بيده الى نفسه فدفعت اليه الكتاب فدفعه الى رجل الى جنبه۔ فقلت من هذا؟ فقالوا معاوية بن أبى سفيان فقراءه فاذا فيه...... الخ))[1]

④ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے بارے میں فرمان دیا کہ

---

[1] مسند ابی یعلی الموصلی ص ۱۷۱ ج ۳ تحت عنوان رسول قیصر (مطبوعہ دمشق)
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۴-۲۳۶ ج ۸ (رجال ابی یعلی ثقات)

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

''یعنی اے پیغمبر! کفار اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجیے اور ان پر درشتی اور سختی کا معاملہ کیجیے۔''

فرمان خداوندی کے موافق پیغمبر خدا کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے اور منافقوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ اگر بالفرض والتقدیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صفت نفاق اور منافقت سے متصف تھے تو خدا کے پیغمبر کو ان کے ساتھ ہمیشہ سختی اور درشتی کا معاملہ کرنا چاہیے تھا۔ حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ ہمیشہ جاری و ساری رہا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے لے کر انتقال نبوی کی مدت تک باہمی معاملات پر نظر کر لی جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دواماً جاری پائے جاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاتبین میں دواماً شامل رکھنا، تقسیم اراضی کے لیے بھیجنے کا اعزاز بخشنا، جنگی معاملات میں شریک رکھنا اور غنائم سے حصہ عنایت فرماتے رہنا وغیرہ وغیرہ حسن سلوک اور حسن معاملات کی بین علامات ہیں۔

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ کے اکابر مصنفین نے اپنے ائمہ کرام سے ایک چیز نقل کی ہے جس سے مسئلہ بالا کی تائید پائی جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلین (اہل جمل و اہل صفین) کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے بلکہ شرک اور نفاق کی ان حضرات سے نفی کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں، ہمارے خلاف زیادتی کرنے لگے ہیں۔

((جعفر عن أبيه ان عليا عليه السلام لم يكن ينسب احدا من اهل حربه الى الشرك ولا الى النفاق ولكن يقول هم اخواننا بغوا علينا))[1]

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے اس بیان کے ذریعے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابل میں قتال کرنے والوں کو نہ مشرک کہتے تھے اور نہ منافق قرار دیتے تھے بلکہ ان کو اسلامی اور دینی برادر ہی سمجھتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں محاربہ مسلمات میں سے ہے تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے شرک و نفاق کی نفی ان حضرات کے فرامین سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ اندریں حالات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دینا شیعہ کے نزدیک بھی ائمہ کرام کے فرامین کی خلاف ورزی کرنا ہے۔

⑤ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات بڑی کوشش سے حاصل کر کے اپنے

[1] قرب الاسناد (عبداللہ بن جعفر حمیری شیعی من علماء القرن الثالث) ص ۴۵ طبع قدیم ایران۔

پاس عمر بھر محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ جب آپ کے آخری ایام آئے اور وفات قریب آ پہنچی تو آپ نے ان تبرکات (موئے مبارک اور ناخن کے تراشے) کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان کو میرے منہ، آنکھوں اور چہرے پر رکھ دیں اور چادر نبوی کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے کفن میں شامل کر دی جائے۔ چنانچہ ان وصایا پر عمل کیا گیا اور اس شرف و اعزاز کے ساتھ آپ کا سفر آخرت شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے۔

فلہٰذا نصوص اور واقعات اور ائمہ کرام کے فرامین کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ ؓ کو منافقین میں شمار کرنے کا کوئی جواز نہیں پایا جاتا۔ بلکہ آپ کی تمام زندگی ان کے حسن اسلام پر شاہد عادل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ

① نبی اقدس ﷺ کے مبارک خاندان کے ساتھ امیر معاویہ ؓ کی رشتہ داری اور نسبی تعلق آپ میں نفاق کی نفی کے لیے کافی ہے۔ منافقوں اور خبیث خاندان کے ساتھ آنجناب ﷺ کا رشتہ داری کا تعلق ہرگز نہیں تھا۔

③ نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں کتابت وحی کا منصب اور خطوط پڑھنے اور ان کے جواب ارسال کرنے کا شرف حضرت امیر معاویہ ؓ کو تازیست حاصل رہا جو نبی اقدس ﷺ کے آپ پر خصوصی اعتماد کا بین ثبوت ہے۔ نیز حضرت امیر معاویہ ؓ آنجناب ﷺ کے پہلو میں بیٹھنے کے شرف سے مشرف تھے اور حاضر باش خادم تھے۔ کوئی منافق یا عام قسم کا آدمی اس جلیل القدر منصب کا حامل نہیں ہوسکتا۔

بین ثبوت ہے۔ نیز حضرت امیر معاویہ ؓ آنجناب ﷺ کے پہلو میں بیٹھنے کے مشرف تھے اور حاضر باش خادم تھے۔ کوئی منافق یا عام قسم کا آدمی اس جلیل القدر منصب کا حامل نہیں ہوسکتا۔

④ نص قرآنی کے اعتبار سے پیغمبر خدا ﷺ کو منافقوں پر غلظت اور سختی کا معاملے کرنے کا حکم ہے جب کہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ روا رکھا گیا اور کبھی درشتی اور سختی کا معاملہ نہیں کیا گیا۔

⑤ حضرت امیر معاویہ ؓ کا سفر آخرت جناب نبی کریم ﷺ کے مبارک تبرکات سے انتفاع کے اعزاز سے شروع ہوا جو آپ کے ایمان کی سلامتی اور خاتمہ بالخیر کی قوی دلیل ہے اور نفاق کے شبہ سے کوسوں دور ہے۔ یہ عزو شرف کسی بے دین اور منافق کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا اور علامات نفاق پر مرنے والوں کو یہ چیزیں نصیب نہیں ہوسکتیں۔ اندریں حالات حضرت امیر معاویہ ؓ کے حق میں نفاق اور منافقت کا قول کرنا ان حقائق و مشاہدات کو جھٹلانے کے مترادف ہے جسے کوئی ذی شعور انسان درست تسلیم نہیں کر سکتا۔

حضرت امیر معاویہ ؓ کا انتقال بعض طبعی عوارض سے ہوا۔ اس مقام میں مورخین کے اقوال مختلف پائے جاتے ہیں۔ ان کے پیش نظر موصوف کے حق میں کھینچ تان کر علامات نفاق کا قول کرتے ہوئے ایک

جلیل القدر صحابی کو مطعون کرنا ہرگز درست نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں منافقت کی علامات کا اثبات کرنا محض عناد و عداوت کو پورا کرنا ہے۔ اسلامی نصوص اور تاریخی واقعات اس امر کی تائید نہیں کرتے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الأولين والآخرين وعلى آله وأصحابه واهل بيته وعلى اتباعه باحسان الى يوم الدين۔

اللهم تقبل منا هذا التأليف واجعله لنا وسيلة للنجاة فى الآخرة۔

دعاجو

محمد نافع عفا اللہ عنہ

محمدی شریف ضلع جھنگ

صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

اگست ۱۹۹۰ء

فہرست مراجع ومصادر (ہر دو جلد)

۱۔ مسند عمر بن عبد العزیز — المتوفی ۱۰۱ھ
۲۔ المسند لامام ابی حنیفہ (امام اعظم) — ۱۵۰ھ
۳۔ الموطا امام مالک بن انسؒ — ۱۷۹ھ
۴۔ کتاب الزہد والرقائق لعبد اللہ بن مبارک المروزی — ۱۸۱ھ
۵۔ کتاب الآثار لامام ابی یوسف الانصاری — ۱۸۲ھ
۶۔ کتاب الخراج امام ابی یوسف انصاری — ۱۸۲ھ
۷۔ المصنف عبد الرزاق لابی بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری — ۲۱۱ھ
۸۔ سیرۃ لابن ہشام (ابو محمد عبد الملک بن ہشام) — ۲۱۳/۲۱۸ھ
۹۔ المسند للحمیدی (امام ابو بکر عبد اللہ بن زبیر الحمیدی) — ۲۱۹ھ
۱۰۔ کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام الہروی — ۲۲۴ھ
۱۱۔ السنن لسعید بن منصور (مجلس علمی) — ۲۲۷ھ
۱۲۔ الطبقات الکبیر لمحمد بن سعد (لیڈن) — ۲۳۰/۲۳۵ھ
۱۳۔ المصنف لابن ابی شیبہ (ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ) — ۲۳۵ھ
۱۴۔ نسب قریش لمصعب الزبیری — ۲۳۶ھ
۱۵۔ مسند اسحاق بن راہویہ (اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی المروزی) — ۲۳۸ھ
۱۶۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط (ابو عمر) — ۲۴۰ھ
۱۷۔ المسند لامام احمد بن حنبل الشیبانی — ۲۴۱ھ
۱۸۔ کتاب السنۃ لامام احمد بن حنبل الشیبانی — ۲۴۱ھ
۱۹۔ فضائل الصحابہ لامام احمد الشیبانی — ۲۴۱ھ
۲۰۔ کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن امیہ البغدادی — ۲۴۵ھ
۲۱۔ المنتخب مسند عبد بن حمید — ۲۴۳/۲۴۹ھ
۲۲۔ المسند للدارمی (ابی عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن الفضل التمیمی الدارمی)
۲۳۔ الصحیح البخاری لامام محمد بن اسماعیل البخاری — ۲۵۶ھ

۲۴۔ ادب المفرد للبخاری ۲۵۶ھ

۲۵۔ التاریخ الکبیر للبخاری ۲۵۶ھ

۲۶۔ التاریخ الصغیر للبخاری ۲۵۶ھ

۲۷۔ جزء الحسن بن عرفہ العبدی ۲۵۷ھ

۲۸۔ الصحیح المسلم لامام مسلم بن حجاج القشیری ۲۶۰ھ

۲۹۔ تاریخ المدینۃ المنورۃ لابی زید عمرو بن شبہ الحمیری البصری ۲۶۲ھ

۳۰۔ تاریخ الثقات للعجلی (احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی) ۲۶۱ھ

۳۱۔ الجامع للترمذی (ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی) ۲۷۹/۲۷۵ھ

۳۲۔ کتاب المراسیل لابی داود السجستانی ۲۷۵ھ

۳۳۔ السنن لابن ماجہ (ابوعبداللہ محمد بن یزید بن الماجہ) ۲۷۵/۲۷۳ھ

۳۴۔ السنن لابی داود سلیمان بن اشعث السجستانی ۲۷۵ھ

۳۵۔ غریب الحدیث لابن قتیبہ ۲۷۶ھ

۳۶۔ الامامہ والسیاسہ لابن قتیبہ ۲۷۶ھ

۳۷۔ المعارف لابن قتیبہ ۲۷۶ھ

۳۸۔ فتوح البلدان لاحمد بن یحییٰ البلاذری ۲۷۹/۲۷۷ھ

۳۹۔ انساب الاشراف للبلاذری ۲۷۹/۲۷۷ھ

۴۰۔ کتاب المعرفہ والتاریخ للبسوی (ابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی) ۲۷۷ھ

۴۱۔ کتاب مجاب الدعوۃ لابن ابی الدنیا ۲۸۱ھ

۴۲۔ کتاب السنۃ لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی ۲۹۴ھ

۴۳۔ السنن الکبریٰ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی ۳۰۳ھ

۴۴۔ الخصائص للنسائی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی ۳۰۳ھ

۴۵۔ مسند لابی یعلی الموصلی (احمد بن علی الموصلی) ۳۰۷ھ

۴۶۔ المنتقیٰ لابن جارود (ابی محمد عبداللہ بن علی بن الجارود نیشاپوری) ۳۰۷ھ

۴۷۔ التاریخ لمحمد ابن جریر الطبری ۳۱۰ھ

۴۸۔ کتاب الکنی للدولابی ۳۱۰ھ

۴۹۔ کتاب المصاحف لابی بکر عبداللہ بن داود سلیمان بن اشعث ۳۱۶ھ

۵۰۔ علل الحدیث لابن ابی حاتم الرازی ۳۲۷ھ

۵۱۔ کتاب الجرح والتعدیل ۳۲۷ھ

۵۲۔ المعجم الاوسط للطبرانی ۳۶۰ھ
۵۳۔ الفتنۃ الوقعۃ الجمل لسیف بن عمرو الاسدی ۴۰۰ھ
۵۴۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۳۵۴ھ
۵۵۔ کتاب المجروحین لابن حبان (ابو حاتم محمد بن حبان البستی) ۳۵۴ھ
۵۶۔ المستدرک للحاکم (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری) ۴۰۵ھ
۵۷۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی ۴۳۰ھ
۵۸۔ ذکر اخبار اصبہان لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی ۴۳۰ھ
۵۹۔ المحلی لابن حزم (ابومحمد علی بن احمد بن سعید المعروف ابن حزم الاندلسی) ۴۵۶ھ
۶۰۔ جمہرۃ الانساب لابن حزم الاندلسی ۴۵۶ھ
۶۱۔ جوامع السیرۃ لابن حزم الاندلسی ۴۵۶ھ
۶۲۔ کشف المحجوب للشیخ علی بن عثمان الہجویری ثم لاہوری المعروف داتا گنج بخش ۴۵۶ھ
۶۳۔ السنن الکبریٰ للبیہقی (لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی) ۴۵۸ھ
۶۴۔ الاعتقاد علی مذہب السلف للبیہقی ۴۵۸ھ
۶۵۔ دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۵۸ھ
۶۶۔ الاستیعاب لابن عبدالبر (معہ الاصابہ) ۴۶۳ھ
۶۷۔ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ۴۶۳ھ
۶۸۔ کتاب الکفایہ للخطیب بغدادی ۴۶۳ھ
۶۹۔ کتاب التمہید لابی الشکور السالمی ۴۶۵ھ
۷۰۔ التبصیر فی الدین لابی المظفر الاسفرائنی ۴۷۱ھ
۷۱۔ الاصول للسرخسی (شمس الائمہ ابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی) ۴۸۳/۴۹۰ھ
۷۲۔ المبسوط للسرخسی ۴۸۳/۴۹۰ھ
۷۳۔ شرح السیر الکبیر للسرخسی ۴۸۳/۴۹۰ھ
۷۴۔ کیمیائے سعادت لامام غزالی (محمد بن محمد بن محمد ابو حامد الغزالی الطوسی) ۵۰۵ھ
۷۵۔ شرح السنۃ لامام بغوی (ابومحمد حسنین بن مسعود الفراء البغوی) ۵۱۶ھ
۷۶۔ مصابیح السنۃ للبغوی ۵۱۶ھ
۷۷۔ کتاب الفائق لزمخشری ۵۳۸ھ
۷۸۔ شرح الجامع الترمذی لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی ۵۴۳ھ
۷۹۔ العواصم من القواصم لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی ۵۴۳ھ

۸۰۔ احکام القرآن لابن العربی لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی　۵۴۳ھ
۸۱۔ غنیۃ الطالبین للشیخ کامل ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح جنگی دوست الجیلانی　۵۶۱ھ
۸۲۔ تاریخ ابن عساکر کامل (ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ المعروف ابن عساکر)　۵۷۱ھ
۸۳۔ کتاب القصاص والمذکرین لابن الجوزی　۵۹۷ھ
۸۴۔ العلل المتناہیہ لابن جوزی　۵۹۷ھ
۸۵۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی ابی الفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی من علماء قرن سادس
۸۶۔ جامع الاصول لابن اثیر الجزری (محمد بن محمد المعروف بابن اثیر الجزری)　۶۰۶ھ
۸۸۔ اسد الغابہ لابن اثیر الجزری　۶۰۶ھ
۸۸۔ المغرب (ابو الفتح ناصر الدین المطرزی)　۶۱۰ھ
۹۸۔ المغنی لابن قدامہ (ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ)　۶۲۰ھ
۹۰۔ معجم البلدان لشہاب الدین ابی عبداللہ المعروف یاقوت الحموی　۶۲۶ھ
۹۱۔ الکامل لابن اثیر (ابو الحسن علی بن ابی المکرم)　۶۳۰ھ
۹۲۔ تجرید اسماء الصحابہ للجزری　۶۳۰ھ
۹۳۔ الترغیب والترہیب لذکی الدین المنذری　۶۵۶ھ
۹۴۔ جامع مسانید امام اعظم لابی المؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی　۶۶۵ھ
۹۵۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی الاندلسی　۶۷۱ھ
۹۶۔ مثنوی مولانا روم (جلال الدین رومی)　۶۷۲ھ
۹۷۔ شرح مسلم شریف للنووی (محی الدین یحییٰ بن شرف النووی)　۶۷۶ھ
۹۸۔ تہذیب الاسماء للنووی (محی الدین یحییٰ بن شرف النووی)　۶۷۶ھ
۹۹۔ وفیات الاعیان لابن خلکان　۶۸۱ھ
۱۰۰۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر لعبدالرؤف المناوی　۷۱۰ھ
۱۰۱۔ منہاج السنۃ لاحمد بن عبدالحلیم الحرانی الدمشقی الحنبلی ابن تیمیہ　۷۴۸/۷۲۸ھ
۱۰۲۔ الصارم المسلول لابن تیمیہ لاحمد بن عبدالحلیم الحرانی الدمشقی الحنبلی ابن تیمیہ　۷۴۸/۷۲۸ھ
۱۰۳۔ مشکوٰۃ المصابیح لولی الدین خطیب تبریزی تالیف　۷۳۷ھ
۱۰۴۔ کتاب التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان محمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاندلسی　۷۴۱ھ
۱۰۵۔ الجواہر النقی للترکمانی　۷۴۵ھ
۱۰۶۔ سیر اعلام النبلاء للذہبی (شمس الدین ابی عبداللہ الذہبی)　۷۴۸ھ
۱۰۷۔ میزان الاعتدال للذہبی　۷۴۸ھ

۱۰۸۔ المنتقی للذہبی ۷۴۸ھ
۱۰۹۔ تاریخ الاسلام للذہبی ۷۴۸ھ
۱۱۰۔ العبر للذہبی ۷۴۸ھ
۱۱۱۔ دول الاسلام للذہبی ۷۴۸ھ
۱۱۲۔ المغنی فی الضعفاء للذہبی ۷۴۸ھ
۱۱۳۔ المنار المنیف لابن قیم ۷۵۱/۷۵۶ھ
۱۱۴۔ کتاب الروح لابن قیم ۷۵۱/۷۵۶ھ
۱۱۵۔ زاد المعاد لابن قیم ۷۵۱/۷۵۶ھ
۱۱۶۔ نصب الرایہ للزیلعی (جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی)
۱۱۷۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر (عماد الدین الدمشقی) ۷۷۴/۷۷۵ھ
۱۱۸۔ الکرمانی شرح صحیح البخاری لعلامہ شمس الدین محمد بن علی الکرمانی ۷۸۶ھ
۱۱۹۔ شرح الطحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ لقاضی صدر الدین علی بن علی محمد بن ابی العز الحنفی ۷۹۲ھ
۱۲۰۔ مجمع الزوائد لنور الدین الہیثمی ۸۰۷ھ
۱۲۱۔ موارد الظمآن لنور الدین الہیثمی ۸۰۷ھ
۱۲۲۔ شرح المواقف للسید شریف علی بن محمد الجرجانی ۸۱۶ھ
۱۲۳۔ القاموس للشیخ محمد بن یعقوب مجد الدین فیروز آبادی ۸۱۷ھ
۱۲۴۔ الاصابہ لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۲۵۔ تہذیب التہذیب ۸۵۲ھ
۱۲۶ طبقات المدلسین ۸۵۲ھ
۱۲۷۔ شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۲۸۔ لسان المیزان لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۲۹۔ المطالب العالیہ لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۳۰۔ تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۳۱۔ تعجیل المنفعہ لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۳۲۔ فتح الباری فی شرح البخاری لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۳۳۔ الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۳۴۔ عمدۃ القاری فی شرح البخاری لبدر الدین العینی ۸۵۵ھ
۱۳۵۔ فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ مع العنایہ ۸۶۱ھ

۱۳۶۔ سیرۃ الحلبیہ لعلی بن برہان الدین الحلبی ۹۰۰ھ
۱۳۷۔ فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث لشمس الدین السخاوی ۹۰۲ھ
۱۳۸۔ مقاصد الحسنہ لشمس الدین السخاوی ۹۰۲ھ
۱۳۹۔ المسامرۃ لکمال الدین بن محمد بن محمد بن ابی شرف القدسی الشافعی ۹۰۹ھ
۱۴۰۔ تاریخ الخلفاء لجلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ
۱۴۱۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب لنووی للسیوطی ۹۱۱ھ
۱۴۲۔ ذیل اللآلی للسیوطی (جلال الدین السیوطی) ۹۱۱ھ
۱۴۳۔ درمنثور (امام سیوطی) ۹۱۱ھ
۱۴۴۔ وفاء الوفاء للشیخ نور الدین السمہودی ۹۱۱ھ
۱۴۵۔ کتاب الیواقیت والجواہر للشیخ عبدالوہاب الشعرانی تالیف ۹۴۲ھ
۱۴۶۔ تاریخ الخمیس للدیار البکری (الشیخ حسین بن محمد بن الحسن) ۹۶۰ھ
۱۴۷۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ لابن عراق الکنانی ۹۶۳ھ
۱۴۸۔ الصواعق المحرقۃ مع تطہیر الجنان لابن حجر المکی ۹۷۳/۹۷۵ھ
۱۴۹۔ کنز العمال لعلی متقی الہندی ۹۷۵ھ
۱۵۰۔ تطہیر الجنان لابن حجر المکی ۹۷۳/۹۷۵ھ
۱۵۱۔ الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر المکی ۹۷۳/۹۷۵ھ
۱۵۲۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لملا علی بن سلطان القاری ۱۰۱۴ھ
۱۵۳۔ الموضوعات الکبیر لعلی القاری ۱۰۱۴ھ
۱۵۴۔ شرح فقہ اکبر لعلی القاری ۱۰۱۴ھ
۱۵۵۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی از حضرت شیخ احمد سرہندی ۱۰۳۴ھ
۱۵۶۔ نسیم الریاض شرح الشفاء لشہاب الدین الخفاجی ۱۰۵۸ھ
۱۵۷۔ نور الانوار از مولانا احمد جیون ۱۱۳۰ھ
۱۵۸۔ عقیدۃ السفارینی (محمد بن احمد السفارینی) ۱۱۷۳ھ
۱۵۹۔ ازالۃ الخفاء للشیخ احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ ۱۱۷۶ھ
۱۶۰۔ قرۃ العینین لشاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۷۶ھ
۱۶۱۔ تحفہ اثنا عشریہ لشاہ عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم دہلوی ۱۲۳۹ھ
۱۶۳۔ رسائل ابن عابدین الشامی (محمد امین ابن عابدین الشامی) ۱۲۵۲ھ
۱۶۴۔ فتاویٰ الشامی لابن عابدین ۱۲۵۲ھ

۱۶۵۔ تفسیر روح المعانی للسید محمود آلوسی بغدادی ۱۲۷۰ھ
۱۶۶۔ الفتح الربانی لاحمد عبدالرحمان البناء الساعاتی ۱۳۵۱ھ
۱۶۷۔ فیض الباری حواشی صحیح البخاری از مولانا انور شاہ کشمیری ۱۳۵۲ھ
۱۶۸۔ مجمع البحار للشیخ محمد طاہر الفتنی
۱۶۹۔ الآثار المرفوعہ از مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ۱۳۰۴ھ
۱۷۰۔ الرفع والتکمیل از مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ۱۳۰۴ھ
۱۷۱۔ اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی
۱۷۲۔ مرأۃ العاشقین ملفوظات حضرت خواجہ اعلیٰ سیالوی ۱۳۰۰ھ
۱۷۳۔ احکام شریعت از مولانا احمد رضا خان بریلوی ۱۳۴۰ھ
۱۷۴۔ فتاویٰ امدادیہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۱۳۶۲ھ
۱۷۵۔ شرح عقد الایمان فی معاویہ بن ابی سفیان، مخطوطہ فی مکتبہ الاسدیہ، سوریا
۱۷۶۔ اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف الوشتانی الابی
۱۷۷۔ کتاب الکامل لابن عدی
۱۷۸۔ تاریخ یحییٰ بن معین
۱۷۹۔ کتاب المجتنیٰ لابن درید
۱۸۰۔ تہذیب و تلخیص ابن عساکر لابن بدران عبدالقادر
۱۸۱۔ بذل المجہود شرح ابی داود
۱۸۲۔ تاج العروس شرح القاموس لعلامہ مرتضیٰ زبیدی
۱۸۳۔ مرأۃ الجنان للیافعی
۱۸۴۔ البیان المغرب فی اخبار المغرب لابن العذاری المراکشی
۱۸۵۔ الخطط للمقریزی
۱۸۶۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ للخضری
۱۸۷۔ بلاد العرب لحسن بن عبداللہ الاصفہانی
۱۸۸۔ الفہرست لابن ندیم
۱۸۹۔ الاحکام السلطانیہ لابی الحسن الماوردی
۱۹۰۔ ادب الدنیا والدین لابی الحسن الماوردی
۱۹۱۔ کتاب المواعظ والاعتبار المقریزیہ
۱۹۲۔ الکامل للمبرد

۱۹۳۔ لطائف المعارف لابی المنصور الثعالبی
۱۹۴۔ تذکرۃ الموضوعات للمقدسی
۱۹۵۔ کتاب الدیات لابی بکر احمد الشیبانی
۱۹۶۔ کتاب مناسک الحج واماکن طرق الحج
۱۹۷۔ مکتوبات شاہ عبدالعزیز دہلوی از ایوب قادری
۹۸۔ منتخب مکتوبات قدوسیہ للشیخ عبدالقدوس گنگوہی ۹۴۴ھ
۱۹۹۔ احکام القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع کراچی
۲۰۰۔ مقام صحابہؓ از مولانا مفتی محمد شفیع کراچی
۲۰۱۔ الانتقاد علیٰ تمدن الاسلامی از علامہ شبلی نعمانی
۲۰۲۔ مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری) ۲۳۰ھ
۳۰۲۔ کتاب الاباطیل ابی عبداللہ الحسین بن ابراہیم الجوزقانی ۵۴۳ھ

کتب شیعہ

کتاب	سن
۱۔ کتاب سلیم بن قیس الہلالی الکوفی الشیعی	المتوفی ۹۰ھ
۲۔ تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباسی)	۲۵۶/۲۵۸ھ
۳۔ کتاب البلدان للیعقوبی	۲۵۶/۲۵۸ھ
۴۔ اخبار الطوال لاحمد بن داود ابی حنیفہ الدینوری	۲۸۲ھ
۵۔ قرب الاسناد لعبداللہ بن جعفر الحمیری من اصحاب حسن العسکری	قرن ثالث
۶۔ فروع کافی لمحمد بن یعقوب الکلینی الرازی	۳۲۹ھ
۷۔ کتاب الروضہ من الکافی لمحمد بن یعقوب الکلینی الرازی	۳۲۹ھ
۸۔ مروج الذہب لابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی	۳۴۶ھ
۹۔ مقاتل الطالبین لابی الفرج علی بن الحسین بن محمد الاصبہانی	۳۵۶ھ
۱۰۔ علل الشرائع للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ ابن بابویہ القمی	۳۸۱ھ
۱۱۔ کتاب معانی الاخبار لابن بابویہ القمی	۳۸۱ھ
۱۲۔ کتاب الارشاد للشیخ محمد بن النعمان المفید (الشیخ مفید)	۴۱۳ھ
۱۳۔ نہج البلاغہ للسید الشریف الرضی ابی الحسن محمد بن ابی احمد الحسین	۴۱۴ھ
۱۴۔ الامالی للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن شیخ الطائفہ الطوسی	۴۶۰ھ
۱۵۔ الاحتجاج للطبرسی (الشیخ ابی منصور احمد بن علی الطبرسی)	۵۴۸ھ
۱۶۔ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید عبدالحمید بن بہاؤ الدین المدائنی	۶۵۶ھ
۱۷۔ شرح نہج البلاغہ لکمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی	۶۷۹ھ
۱۸۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ لعلی بن عیسیٰ الاربلی تالیف	۶۸۷ھ
۱۹۔ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ از محمد بن علی بن طباطبا المعروف الطقطقی تالیف	۷۱۰ھ
۲۰۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب للسید جمال الدین ابن عنبہ	۸۲۸ھ
۲۱۔ بحار الانوار لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی	۱۱۱۰۔۱۱۱۱ھ
۲۲۔ عین الحیاۃ لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی	۱۱۱۰۔۱۱۱۱ھ
۲۳۔ جلاء العیون محمد باقر بن محمد تقی المجلسی	۱۱۱۰۔۱۱۱۱ھ
۲۴۔ منتہی الآمال للشیخ عباس القمی	۱۲۵۹ھ
۲۵۔ تحفۃ الاحباب للشیخ عباس القمی	۱۲۵۹ھ
۲۶۔ ناسخ التواریخ از لسان الملک میرزا احمد تقی وزیر اعظم سلطان ناصر الدین قاچار	۱۲۹۷ھ
۲۷۔ تنقیح المقال لعبداللہ المامقانی	۱۳۰۰ھ
۲۸۔ منتخب التواریخ از محمد ہاشم الخراسانی	۱۳۵۲ھ